

جب ایمان کی بہارا آئی

مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ) اور آپ کے عالی ہمت و
رفقار کے ایمان افروز واقعات جن کی کوششوں سے ہندوستان
میں ایمان کی بہارا آئی اور اسلام کی ابتدائی صدیوں کی یاد تازہ ہو گئی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام
۱- کے - ۳- ناظم آبادی کراچی ۱۸۷

جب ایمان کی بہار آئی

مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید (م ۱۲۳۶ھ) اور آپ کے
عالی ہمت رفقاء کے ایمان افروز واقعات جن کی کوششوں
سے ہندوستان میں ایمان کی بہار آئی اور اسلام کی ابتدائی
صدیوں کی یاد تازہ ہو گئی۔



مَوْلَانَا سَيِّدُ ابُو الْحَسَنِ عَلِيٌّ نَدَوِي



مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد۔ کراچی ۱۸۔

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں

بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں

نام کتاب	_____	جب ایمان کی بہار آئی
مصنف	_____	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
کتابت	_____	ظہیر احمد کاکوروی
اشاعت	_____	۱۹۸۲ء
طباعت	_____	نوید پرنٹنگ پریس - کراچی
صفحات	_____	۲۸۰
تعداد	_____	ایک ہزار
قیمت	_____	پچیس روپے

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام K/1-3 - ناظم آباد مینشن کراچی ۱۵
تذوق خانہ، ناظم آباد

فہرست عنوانات

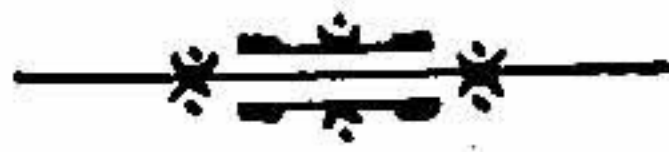
۱	مقدمہ
۱۱	حضرت سید احمد شہید - ولادت تا شہادت - (از مولانا سید محمد ثانی حسنی)
۱۱	تیرہویں صدی میں ہندوستان کی حالت
۱۳	خاندان
۱۵	ولادت
۱۶	تلاش معاش میں لکھنؤ کا سفر
۱۶	شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں
۱۷	تکمیل باطنی اور اجازت و خلافت
۱۷	امیر خاں کے لشکر میں
۱۸	دہلی واپسی اور تبلیغی دورے
۲۰	وطن میں
۲۰	لکھنؤ کا تبلیغی و اصلاحی سفر
۲۲	حج
۲۴	وطن کے مشاغل

- ۲۵ _____ ہجرت کی ضرورت
- ۲۶ _____ ہجرت
- ۲۸ _____ افغانستان میں
- ۳۰ _____ اکوڑہ کی جنگ
- ۳۱ _____ حضور کا چھاپہ اور بیعت امامت
- ۳۲ _____ شیدو کی جنگ اور زہر خورانی
- ۳۳ _____ پنجتار میں
- ۳۳ _____ رنجیت سنگھ کے فرانسیسی جنرل سے مقابلہ
- ۳۴ _____ جنگ زیدہ اور یار محمد خاں کا قتل
- ۳۵ _____ جنگ مایار
- ۳۶ _____ پشاور کی فتح اور سپردگی
- ۳۷ _____ قضاة و محصلین کا قتل عام
- ۳۷ _____ ہجرت ثانیہ
- ۳۸ _____ کشمیر کی طرف
- ۳۹ _____ بالاکوٹ میں
- ۴۰ _____ آخری جنگ اور شہادت
- ۴۳ _____ اچھا پھر اس کا نام احمد رکھو
- ۴۶ _____ سچی توبہ
- ۵۱ _____ عاشقی شیوہ زندان بلاکش باشد

- ۵۵ متحرک اسلامی معاشرہ
- ۵۹ خدمتِ خلق
- ۶۰ اسلامی مساوات
- ۶۲ بھیا سے کہہ دو کہ اس کو یہاں بھیج دیں!
- ۶۵ توبہ و ایمان کی ہوا چلتی ہے
- ۶۹ نفل سے فرض تک
- ۷۱ اب ہم ٹیکس نہیں دے سکتے!
- ۷۳ اسبابِ جہالت یا سامانِ فلاح و ہدایت؟
- ۷۷ انوکھی سوغات
- ۷۹ "خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں"
- ۸۵ ہمارا جہ گویا راکٹ کے محل میں پہلی صدائے توحید
- ۸۹ جہاد سے پہلے جہاد
- ۹۲ ملک افغانستان میں
- ۹۵ افغانستان کے پایہ تخت میں
- ۹۹ حکومت لاہور کو اعلام نامہ
- ۱۰۲ ایک مسلمان کا شوق شہادت
- ۱۰۶ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے
- ۱۱۳ بہترین موقع جو ضائع کر دیا گیا
- ۱۲۱ اسلامی لشکر کے شب و روز

- ۱۲۸ _____ معاف کرنے والے
- ۱۳۱ _____ بس انتخابات تھی!
- ۱۳۲ _____ دشمن کے ساتھ بھی امانت و دیانت
- ۱۳۷ _____ ایک رہزن کی توبہ و اصلاح
- ۱۳۹ _____ دو جاسوسوں کا قبول اسلام
- ۱۴۰ _____ نظام قضا و احتساب کا قیام
- ۱۴۱ _____ چلتی پھرتی چھاؤنی اور عملی درسگاہ
- ۱۴۳ _____ مجاہدین کی سرگرمیاں
- ۱۴۵ _____ عالم ربانی کی وفات
- ۱۴۷ _____ نظام شرعی کی تجدید اور امانت و امارت کا قیام
- ۱۴۹ _____ فرانسیسی جنرل کے سامنے
- ۱۵۹ _____ عہد کے سچے بات کے پکے
- ۱۶۱ _____ "کہ عنقار بلند است آشیانہ"
- ۱۷۲ _____ ایک زبردستی کی جنگ جس میں مسلمان فتحیاب ہوئے!
- ۱۷۹ _____ اخلاص کا جہاد اور شہادت کی موت
- ۱۸۱ _____ "چو مرگ آید تقسیم برب اوست"
- ۱۸۲ _____ زخمی نوجوان
- ۱۸۵ _____ عقل ایمانی کی چند جھلکیاں
- ۱۸۸ _____ پشاور کی فتح

- ۲۰۴ _____ پشاور کی سپردگی
- ۲۱۱ _____ الہی قانون اور خود ساختہ رسم و رواج
- ۲۱۵ _____ حکومت شرعیہ کے عمال اور غازیوں کا قتل عام
- ۲۲۲ _____ یہ کس جرم کی سزا ہے؟
- ۲۳۰ _____ نئی ہجرت انبیاء جہاد
- ۲۳۷ _____ پنجتار سے بالاکوٹ تک
- ۲۴۱ _____ بالاکوٹ میں
- ۲۴۹ _____ شہادت کی صبح
- ۲۵۴ _____ تاریخ جہاد کا نیا باب
- ۲۵۹ _____ پھانسی سے جلا وطنی تک
- ۲۶۶ _____ شہدار بالاکوٹ کا مقام و پیغام





مقدمہ

تاریخ اسلام میں جب کبھی ایمان کی ہوائیں چلیں تو عقائد، اعمال اور اخلاق تینوں شعبوں میں حیرت انگیز واقعات بلکہ عجائبات کا ظہور۔ ہوا اور شجاعت و جوانمردی، یقین و اعتماد، عفت و امانت، ایثار و خود شکنی، ہمدردی و جذبہ خدمت، ایمان و احتساب خارجی آرائش و زیبائش کی بے وقعتی، خودداری اور بلند نگاہی نیز عدل و انصاف، رحم دلی اور محبت اور وفاداری و جان نثاری کے ایسے نادر نمونے اور زندہ نظیریں یا تصویریں لوگوں کے سامنے آئیں جو انسانیت کے حافظہ سے رفتہ رفتہ محو ہوتی جا رہی تھیں اور جن کی تجدید و احیاء کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

ایمان کے یہ دنواز جھونکے تاریخ کے مختلف وقفوں میں چلے کبھی کم مدت کے لئے کبھی زیادہ عرصہ کے لئے تاہم کوئی دور خزاں ان سے خالی نہ رہا اور تجدید و احیاء اور دعوت اسلامی کی تاریخ میں ان سب کا ریکارڈ اچھی طرح محفوظ ہے۔

ہندوستان میں ایمان کی یہ بادِ بہاری اور نسیمِ جانقزائیر ہویں صدی ہجری کے آغاز میں اس وقت چلی جب سید احمد شہید اور ان کے عالی ہمت رفقاء نے اس ملک میں توحید و تجدید دین اور جہاد فی سبیل اللہ کا علم بلند کیا اور اسلام کی ابتدائی صدیوں کی یاد تازہ کر دی۔

سید صاحب نے دینِ خالص کی دعوت پر اپنی بنیاد رکھی انھوں نے مسلمانوں میں ایمان و یقین جذبہ اسلامی اور جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونک دی، ایک بڑی جماعت کو داعیانہ و مجاہدانہ بنیادوں پر منظم کیا اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کو اپنی دعوت و جہاد کا مرکز بنایا ان کا منصوبہ دراصل یہ تھا کہ آگے چل کر وہ پورے ملک سے انگریزوں کو بے دخل کرنے کی کوشش کریں گے اور کتاب و سنت کی بنیاد پر یہاں حکومت شرعیہ قائم کریں گے، ان مجاہدین نے پنجاب میں سکھوں کو (جو پنجاب پر قابض تھے اور جنھوں نے وہاں کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا) کئی معرکوں میں شکست فاش دی۔

ان مجاہدین نے صوبہ سرحد، پشاور اور اس کے اطراف میں عملی طور پر ایک اسلامی حکومت قائم کی، حدود شرعیہ کا اجرا عمل میں آیا اور اسلام کا نظام مانی و دیوانی بے کم و کاست قائم کیا گیا لیکن وہاں کے قبائل نے اپنی ذاتی اغراض اور قبائلی عادات و روایات کی خاطر اس نظام کا بالآخر خاتمہ کر دیا، آخر میں بالاکوٹ کے میدان میں ان سرکفت مجاہدین کی سکھوں سے آخری جنگ ہوئی اور اس معرکہ میں سید صاحب اور مولانا محمد اسماعیل صاحب اور ان کے بہت سے جلیل القدر رفقاء اور مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔

جماعت مجاہدین کے باقی ماندہ افراد پہاڑی علاقہ میں پناہ گیر ہوئے، ان جو انہر دو اور ہندوستان میں ان کے رفقاء کار نے جہاد و قربانی اور ایمان و یقین کی شمع برابریں رکھی

انگریزوں نے بھی ان کا تعاقب برابر جاری رکھا، ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ ان کی زمینیں اور مکانات ضبط کئے اور مقدمات کا ایک لانتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن ان مجاہدین نے یہ سارے مصائب صبر و ضبط کے ساتھ اور ایمان و احتساب کے جذبہ سے برداشت کئے اور ان سے ادنیٰ درجہ کے اضطراب اور پریشانی کا اظہار نہیں ہوا۔

۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۵۳ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ ایمان و احیاء دین کی اس عجیب اور اثر انگیز تاریخ کو ہلکے پھلکے ادبی انداز میں عربی زبان میں مرتب کیا جائے اور بغیر کسی مبالغہ اور زنگ آرائی کے اصل واقعات کو سادگی کے ساتھ اس طرح پیش کیا جائے کہ اس تحریک کے قائد کا اصل مرتبہ و مقام عرب دوستوں کے سامنے آجائے اور ان کو اندازہ ہو کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے کیسی وہی صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں اور ان کے گرد کیسے طاقتور عناصر جمع تھے، تربیت اور تزکیہ نفس کے شعبہ میں نیز اخلاقی دعوت میں فنائیت اور مقصد سے عشق میں ان کا مقام کتنا بلند تھا، اس سے ان کو اس مومن اور مجاہد اسلامی نسل کے اعلیٰ کردار، اخلاقی بلندی اور سیرت کی پختگی نیز ان کے پیروں اور قلعین میں اسلامی دعوت اور ایمانی تربیت کے نمایاں اثرات کا بھی اندازہ ہو جو انکی کوششوں کے نتیجہ میں تیار ہوئی تھی، اس سلسلہ کے چند مضامین مصر کے مشہور ماہنامہ "المسلمون" میں جو اس وقت قاہرہ سے نکلتا تھا ۱۹۵۳ء میں شائع ہوئے، پھر تصنیف و تالیف کی دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے مجھے اس طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا، اور اس واقعہ پر بیس سال گزر گئے۔

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "THE GREAT WAHABI CASE" اور

W. W. HANTER از "INDIAN MUSALMANS"

حال میں میرے بعض عزیزوں نے اس سلسلہ برصنا میں کی طرف میری توجہ مبذول کی اور اس کے ادبی و واقعاتی پہلو اور انداز بیان کی اثر انگیزی کا ذکر کیا، میرے لئے اس عظیم شخصیت پر عربی زبان میں نئے سرے سے کوئی تصنیف اور نئی و مفصل تاریخ مرتب کرنا (جیسا کہ اس سے پہلے میں اردو میں کر چکا تھا) موجودہ حالات میں بہت مشکل تھا، اس لئے مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ اس سلسلہ کو مکمل کر دیا جائے، اور اس طویل تاریخ (جو ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہے) اور جس کا زمینی رقبہ ہزاروں میل سے اور زمانی رقبہ ایک صدی سے کسی طرح کم نہیں) کا خلاصہ جستہ جستہ واقعات کی شکل میں پیش کیا جائے۔

ایک ذہین و فہیم انسان ان متفرق اور منتشر شہ پاروں سے واقعات کی ایک پوری لڑی باسانی تیار کر سکتا ہے اور اندازہ کر سکتا ہے کہ اس ایمانی مدرسہ نے کیسے کیسے گوہر شب چراغ پیدا کئے اور کیسے کیسے نازا نشیدہ پتھروں کے جوہر کو چمکایا اور ان کی قیمت کہیں سے کہیں پہنچا دی، مجھے امید ہے کہ یہ کتاب جدید اسلامی کتب خانہ کے

۱۵۔ یا خصوص محمد اکسی و سعید الاعظمی ندوی مدبران ابعت الاسلامی

۱۶۔ راقم سطور کی اردو کتاب "سیرت سید احمد شہید" مراد ہے جو دو حصوں میں ہے اور تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے (اس کا تازہ ایڈیشن مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ سے شائع ہو رہا ہے)۔

۱۷۔ مولانا غلام رسول کی کتاب "سید احمد شہید" جو چار حصوں میں ہے اور ۱۹۲۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۸۔ یہ تاریخ درحقیقت ۱۲۲۵ھ سے شروع ہوتی ہے جب سید صاحب نے اپنی مبارک جدوجہد کا آغاز کیا

اور ۱۳۲۰ھ تک اس کا باقاعدہ سلسلہ قائم رہتا ہے، جس میں مولانا عبدالشہین ولایت علی صادق پوری

امیر جماعت مجاہدین نے انتقال کیا یہ پورا دور جماعت کی سرگرمی اور اولوالعزمی کا دور ہے اور

جماعت کی قیادت و رہنمائی اس پورے زمانہ میں بغیر کسی توقف کے جاری رہی۔

خلاکو پڑ کرنے گی، اور اس سے ان اہل درد و طلب کی تشنگی کسی حد تک دور ہوگی جو جہاد اسلامی کے اس تابناک باب اور ہندوستان میں تجدید دین کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں میں نے طالب علمی کے دور میں ابو الفرج اصبہانی کی مشہور کتاب "اغلی" کا بہت ذوق و شوق سے مطالعہ کیا تھا اور یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس کے ادب فصیح زبان اور بہترین تعبیرات نے مجھے اس کتاب کا گرویدہ بنایا تھا، لیکن یہ دیکھ کر مجھے بڑی غیرت آئی کہ یہ زبان (جس میں قرآن نازل ہوا، اور جس زبان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ گفتگو فرماتے تھے) نہایت حقیرا غراض کے لئے استعمال کی گئی ہے، اور نغمہ و آہنگ کے لئے وقف ہو گئی ہے، اور اس سے صرف اسلامی معاشرہ کے کمزور پہلوؤں کو نمایاں کرنے اور عیوب کے اظہار کا کام لیا گیا ہے، میری تمننا تھی کہ یہ قادر الکلامی یہ ذخیرہ الفاظ اور حسن تعبیر اور قصوں کا ہلکا پھلکا اسلوب جو کتاب کی خصوصیت ہے، اعلیٰ مقام کے لئے استعمال ہو اور اس سے کسی حسین و جمیل تاریخ کے رخ زیباسے پردہ اٹھایا جائے۔

میں نے ان واقعات میں جو بہت عجلت میں انتخاب کئے گئے ہیں، اسی اسلوب کی پیروی کی ہے، اگر میں اس کوشش میں کامیاب نہیں تو کم از کم حسن نیت اور جستجو و آرزو کا صلہ انشاء اللہ مجھے ضرور ملے گا۔

ان ایمان افروز واقعات کا اہم پہلو یہ ہے کہ اس سے اس شخصیت (روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے جس کے دم سے بلکہ جس کے قدم کی برکت سے اس تاریخ کی پیشانی روشن اور تابناک ہے جس کی وجہ سے سائے عالم میں ایمان کا نور پھیلا اور دعوت و عزیمت اور تجدید و اجیاد دین کا سلسلہ قائم ہوا، تاریخ اسلام

کے تمام مجددین، مصلحین اور قائدین آپ ہی کی تربیت و دعوت کا شہ فیض ہیں، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جب درگاہ نبوت کے طالب علم ایمان و اخلاص کے اس معیار پر تھے اور ان کی تاثیر و انقلاب آفرینی کا یہ حال تھا تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال کیا ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، وحی سے سرفراز کیا، ابدی و لافانی کتاب عطا کی اور روح القدس جبرئیل امین کے ذریعہ آپ کی مدد فرمائی، اس کے بعد آپ کے ان وفادار و جان نثار اصحاب کرام کا معیار کتنا بلند ہوگا جنہوں نے آپ کے دامنِ عاطفت میں پرورش پائی اور جن کی تربیت آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوئی۔

ان اخیر صدیوں میں ایسے مجددین و مصلحین کا وجود اور مرکز اسلام سے اتنی دور ہونے کے باوجود ان کی یہ اثر انگیزی دراصل اسلام کی ابدیت کی علامت ہے، اور اس بات کی دلیل کہ اس میں آج بھی ہر میدان کے لئے نئے مردان کار پیدا کرنے کی پوری صلاحیت ہے، اس کا سرسبز و سدا بہار درخت برابر پھیل پھول دے رہا ہے، اور اس کا خزانہ اسی طرح معمور ہے۔

عالم نشود و پراں تا میکدہ آباد است

سید صاحب نے جو مبارک جماعت تیار کی خصوصیات میں سب سے نمایاں اور لائق ذکر بات اس کی جامعیت ہے، اس میں جہاد اصغر (تزکیہ نفس) بھی تھا، اور جہاد اکبر (جہاد و قتال) بھی خدا سے محبت بھی خدا کا خوف بھی، خدا کے لئے محبت بھی خدا کے لئے نفرت بھی زہد و عبادت بھی اور دینی حمیت اور اسلامی غیرت بھی، تلوار بھی اور قرآن بھی، عقل بھی اور جذبات بھی، گوشہ مسجد میں تسبیح و مناجات بھی اور گھوڑے کی پیٹھ پر تکبیر

بھی یہ وہ صفات و کمالات جو اکثر سوانح نگاروں کی نظر میں ایک دوسرے سے متضاد اور متصادم نظر آتے ہیں، لیکن یہ سب درحقیقت اُس صحیح دینی فہم اور دینی شعور کا کرشمہ تھا، جو سید صاحب کی شخصیت اور صحیح تربیت کی وجہ سے جماعت مجاہدین میں پختہ اور راسخ ہو چکا تھا، اور زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی تھا، اس کا دوسرا بڑا سبب یہ تھا کہ یہ دینی جماعت یا تحریک دینی تربیت کے اہم مرحلہ سے سرسری طور پر نہیں گزری تھی، اور بغیر تیاری کے اس نے کارزار حیات میں قدم نہیں رکھا تھا، اس نے ان معاملات میں بہت سوچنے سمجھنے کے بعد ہاتھ ڈالا تھا، اور اس کے لئے دہی راستے اختیار کئے تھے، جو منزل مقصود تک لے جاتے ہیں، یہ ایک صاحب یقین اور مجاہد نسل کی بہترین تصویر اور اخلاص و للہیت کا وہ صحیح معیار اور دلکش نمونہ ہے، جو ہر زمانہ میں مطلوب اور شریعت کا مقصود ہے۔

یہ کتاب شعبان ۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء) میں "اذاہبت ریح الایمان" کے نام سے دار عرفات، دائرہ شاہ علم الشرع رائے بریلی کی طرف سے ندوۃ العلماء کے عربی پریس میں شائع ہوئی، اور ممالک عربیہ میں اس نے بہت جلد شہرت و مقبولیت حاصل کر لی، ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وہ ایک اہم خلا پر کرتی تھی، اور عرصہ سے اس کا انتظار تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو ہزار کا ایڈیشن چار مہینے کے قلیل عرصہ میں نکل گیا، موقر عربی اخبارات و رسائل میں اس پر تبصرے شائع ہوئے، اور عرب ناشرین نے اس کی دوبارہ اشاعت کی پیش کش کی، مناسب معلوم ہوا کہ اس کو اردو کے قالب میں بھی پیش کیا جائے کہ وہ اس تحتی براعظم کے مسلمان نوجوانوں اور جدید نسل کی تربیت کے کام میں بڑی مدد دے سکتی ہے۔

اس کام کو مصنف کے برادر زادہ عزیز مولوی مجاہد الحسنی سلمہ نے بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا، انھوں نے مصنف کی اصل کتاب "سیرت سید احمد شہید" (۱-۲) سامنے رکھی،

جس سے اس عربی کتاب کا اصل مواد لیا گیا تھا، انھوں نے کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ اصل کتاب کے الفاظ اور پیرایہ بیان محفوظ رہے، اور ترجمہ میں تصحیح اور انشاء پر داری سے کام لینے کے بجائے کتاب کے وہی الفاظ نقل کئے جائیں جن کے متعلق اندازہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اہل واقعہ کی زبان میں ادا کئے گئے ہیں، اور ان کے زیادہ سے زیادہ الفاظ محفوظ رکھے گئے ہیں، امید ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے اس جماعت کی سچی تصویر سامنے آجائے گی، اور ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوگی، جس کا سامان ہماری نئی ادبیات میں روز بروز کم سے کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔

مناسب معلوم ہوا کہ اصل کتاب سے پہلے ایک ایسے مضمون کا اضافہ کیا جائے۔ جس میں حضرت سید صاحب کی سیرت اور زمانہ مربوط و سلسل طریقہ پر ناظرین کے سامنے آجائے تاکہ وہ ان متفرق واقعات کے درمیان ربط و وحدت پیدا کر سکیں اور ان کو ان کے درمیان کوئی خلا اونا ہمواری... محسوس نہ ہو، یہ کام بہت مشکل تھا اس لئے کہ سید صاحب کی محض سیرت اور سوانح "سیرت سید احمد شہید" ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور اگر اس کے ساتھ جماعت کی تاریخ ممتاز خلفاء و اہل تعلق کے کارناموں کو بھی شامل کر لیا جائے تو وہ اس سے بھی بڑے رقبہ کو گھیر سکتی ہے، چنانچہ مولانا غلام رسول تہر جیسے کہنہ مشق ادیب اور مورخ کا قلم بھی اس کو ۱۹۲۱ صفحات سے کم صفحات میں سمیٹ نہیں سکا، اس دریا کو کوزہ میں بند کرنا بہت مشکل تھا، لیکن مصنف کے خواہر زادہ عزیز مولوی سید محمد ثانی حسنی مدیر "رضوان" نے اس کام کو بڑے سلیقہ اور محنت سے انجام دیا، اور کم سے کم صفحات میں سید صاحب کی سوانح کا ضروری بسکٹ مختصر خاکہ پیش کر دیا، اس کو اس کتاب میں ایک مقدمہ یا ضمیمہ کے طور پر شامل کر دیا گیا ہے۔

امید ہے کہ اس سے قارئین کو اس کتاب کے واقعات کے پس منظر سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ابوالحسن علی ندوی

۲۰ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

۱۳ اپریل ۱۹۷۴ء کیشنبہ

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی

رائے بریلی

حضرت سید احمد شہیدؒ

ولادت تا شہادت

ترتیب و تخصیص مولوی سید محمد ثانی صاحب حسینی مدیر ماہنامہ رضوان لکھنؤ
 ۱۲۰۱ھ - ۱۲۲۹ھ
 ۱۸۸۶ء - ۱۹۱۳ء

تیرہویں صدی میں ہندوستان کی حالت

تیرہویں صدی ہجری (اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل) میں ہندوستان سیاسی، مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے زوال کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا۔ سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا، سارے ہندوستان پر یا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط تھا، یا اس کے حلیفوں کا، بچا کھچا ملک رئیسوں اور سرداروں کے قبضے میں تھا، جو کیے بعد دیگرے شکست کھاتے، اور اپنے اپنے علاقے انگریزوں کے حوالہ کرتے چلے جا رہے تھے، سلطنت مغلیہ کے فرماں روا شاہ عالم (جن کے عہد میں حضرت سید احمد شہیدؒ پیدا ہوئے) صرف نام کے بادشاہ رہ گئے تھے، دکن سے لے کر دہلی تک سارا علاقہ مرہٹوں کے رحم و کرم پر تھا، پنجاب سے لے کر افغانستان کے حدود تک سکھوں کا راج تھا، جن کی دستبرد سے

ہندوستان کا شمالی اور وسطی حصہ بھی محفوظ نہ تھا، دہلی اور اطراف دہلی مرہٹوں اور سکھوں کی غارت گری کا نشانہ بنے رہتے تھے، مسلمانوں کی سیاسی ساکھ گر چکی تھی، ان کا کوئی قائد اور شیرازہ بند نہ تھا، ان کو کمزور پانچ بیسیوں فتنے سر اٹھاتے، اور ان کو پامال کر کے رکھ دیتے۔

ملک میں مسلمانوں کی اخلاقی حالت اتنی گر چکی تھی کہ فسق و معصیت کی بہت سی باتیں آداب و تہذیب میں داخل ہو گئی تھیں، اور اس پر علانیہ فخر کیا جاتا تھا، شراب نوشی کوئی نادر بات نہ تھی، ارباب نشاٹ کا ہر طرف دور دورہ تھا، امراء اور متوسط طبقہ سے لے کر غریبوں تک اسی معاشرت کا شکار تھے، اخلاقی انحطاط اور قومی بے حسی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ تیرہویں صدی کے آغاز میں کہ انگریزوں کے قدم پوری طرح جمے نہ تھے، متعدد مسلمان عورتیں یورپین تاجروں اور حکام کے گھروں میں تھیں، شرک و بدعت مسلمانوں میں کثرت سے موجود تھی، قبروں اور مردوں کے متعلق ایک مستقل شریعت وجود میں آ گئی تھی، بزرگان دین کے متعلق وہ سارے عقائد و خیالات دلوں میں گھر کر چکے تھے جن کے لئے نصرانی اور یہودی اور مشرکین عرب بدنام ہیں، ہندوؤں اور شیعوں کے بکثرت رسوم اہل سنت کی معاشرت کا جز بن گئے تھے، سنت و شریعت کو لوگ بھولنے جا رہے تھے، اسلامی شعائر اٹھتے جا رہے تھے، اچھے اچھے ویددار، اور علمی گھرانوں میں بھی قرآن و حدیث کے احکام کا لحاظ نہیں کیا جاتا تھا، بیوہ کا نکاح، میراث میں لڑکیوں کو حصہ دینا، اور اسلام سنوں کو بہت جگہ محبوب سمجھا جاتا تھا، اسی طرح حج جیسے اسلام کے اہم رکن کی راستہ کی تکلیف اور بدامنی کی بناء پر فرضیت ساقط کر دی گئی تھی قرآن شریف ایک چستیاں سمجھا جانے لگا تھا، جس کا سمجھنا، اور سمجھانا، اس پر عجز و تدبر کرنا غیر علماء کے لئے ناممکن، اور شجر ممنوع قرار دیا گیا تھا۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ علمی، سیاسی، دینی اور روحانی حیثیت سے تیرہویں صدی کا یہ زمانہ بالکل تاریک اور ویران تھا، اور اس ملک میں کہیں زندگی کے آثار، اور کہیں روشنی کے مینار نہیں پائے جاتے تھے، تیرہویں صدی کا ابتدائی زمانہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا قابل ذکر عہد ہے، اس میں بعض ایسی باکمال اور ممتاز ہستیاں موجود تھیں، جن کی نظیر گذشتہ صدیوں میں بھی آسانی سے اور بکثرت نہیں ملے گی، دینی و علمی کمالات و سنت کے وسیع علم اور صحیح ذوق، ذکاوت و استعداد، و ملکہ علمی، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، تبحر علمی، شعر و شاعری، تصوف و سلوک، اور دوسرے علوم و فنون میں کمال رکھنے والی منفرد شخصیتیں اس صدی میں موجود تھیں، ان کے علاوہ اس دور قحط الرجال میں بھی دین کی اتنی طلب اور قدر باقی تھی، کہ ملک میں مکاتب، مدارس کا جال پھیلا ہوا تھا، چہ چہ پر خانقاہیں، اور روحانی مرکز تھے، علماء و ملک کے مختلف شہروں میں علم و دین کی اشاعت کا کام کر رہے تھے، اور تصنیف و تالیف میں مشغول تھے، مدرسے طلباء علوم دنیہ سے، اور خانقاہیں مردانِ خدا سے معمور تھیں، اکابر اہل درس اور اہل طریق میں سے ہر ایک ایک مستقل اور آباد مدرسہ اور خانقاہ تھا، اور کہیں کہیں یہ دونوں مرکز جمع تھے۔

یہ ضرور ہے کہ دین و علم کے یہ بڑے بڑے ذخیرے جو سلف کی کوششوں سے جمع ہوئے تھے، مسلسل خرچ اور عرصہ سے آمد بند ہونے کی وجہ سے گھٹتے گھٹتے ختم ہوتے جا رہے تھے، اور اضافہ و ترقی کا دروازہ بند معلوم ہوتا تھا، بہترین صلاحیتیں اور جوہر موجود تھے، مگر ضائع ہو رہے تھے، زندگی کا صحیح مقصد اور قوتوں کا صحیح مصروف نہ ہونے کی وجہ سے شجاعت اور دلیری، ہوصلہ مندی، غیرت و حمیت، اور دوسری اعلیٰ صفات حقیر مقاصد میں صرف ہو رہی تھیں، اور جذبات نے غلط رخ اختیار کر لیا تھا، افراد تھے، مگر جماعت نہ تھی،

اور اوراق تھے مگر کتاب نہ تھی، زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی، اس لئے عام اور مفید حرکت نہ تھی۔

ایسے وقت میں ایسے شخص اور جماعت کی ضرورت تھی، جو دین، علم اور صلاحیت کے اس سرمایہ سے وقت پر کام لے لے، اور اس کو ٹھکانہ لگائے، جو خانقاہوں کا حال، اور درگاہوں کا قال، وہاں کی حرارت، اور یہاں کی روشنی سارے ملک میں عام کرے جس کے جلو میں چلتی پھرتی خانقاہیں ہوں، اور دوڑتے بھاگتے مدرسے، گھوڑوں کی پٹھیر پر عالم ہوں، اور محرابوں میں مجاہد جو دلوں کی بجھتی ہوئی انگلیٹھیاں دوبارہ دہکائے، افسردہ دلوں کو ایک بار پھر گرمائے، اور ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک طلب، اور دین کی تڑپ کی آگ لگادے، جو مسلمانوں کی خدا واد صلاحیتوں کو ٹھکانہ لگائے، جس کی نگاہ دور رس، اور جس کی ذات مسیحا نفس، کسی بیکار چیز کو بھی بیکار نہ سمجھے، جو امت کے ذخیرے کے ہر دانہ، اور خیابان کے ہر تنکے سے پورا پورا کام لے، جو شخص ان اوصاف کا جامع ہو، اس کو اسلام کی اصطلاح میں ”امام“ کہتے ہیں، اور یہ مقام تیرہویں صدی کے تمام اہل کمال، اور مشاہیر رجال کی موجودگی میں سید صاحب کو حاصل تھا جن کے چیدہ چیدہ حالات و حکایات، اور ان کی عزیمت و جہاد، فیض و تاثیر اور انقلاب انگیزی کے جستہ جستہ واقعات اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں۔

خاندان

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد ذوالنفس الزکیہ شہید کی بارہویں پشت میں سید رشید الدین کے فرزند رشید شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد المدنی ایک عالم و عارف اور عالی ہمت بزرگ تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے علم و تقویٰ کی دولت کے ساتھ ساتھ

شجاعت کا جوہر اور جہاد کا جذبہ عطا فرمایا تھا، آپ عزتی کے راستے سے مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ہندوستان آئے، مختلف مقامات میں ٹھہرتے ہوئے کٹرہ (الہ آباد) کو فتح کرنے کے بعد اسکو اپنا مستقر بنایا، وہیں انتقال کیا، اور وہیں مدفون ہوئے، سید قطب الدین کی اولاد کو اللہ نے سیادت و امارت کے ساتھ علم و فضل، اور زہد و تقویٰ کی دولت سے بھی مالا مال کیا، سید قطب الدین کے اخلاف میں ایک بزرگ حضرت شاہ علم اللہؒ گذرے ہیں، جو عہد عالمگیری کے مشہور عالم ربانی، اور صاحب سلسلہ شیخ تھے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ حضرت سید آدم بنوری کے مجاز تھے، نہایت متقی، اور تبع سنت بزرگ تھے، انھوں نے ۱۰۹۶ھ میں انتقال کیا، اور اپنے قائم کئے ہوئے دائرہ واقع رائے بریلی میں مدفون ہوئے۔

ولادت

سید صاحب ان کی پانچویں پشت میں ہیں، دائرہ شاہ علم اللہؒ میں صفر ۱۲۰۱ھ نومبر ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے، والد کا نام سید محمد عرفان، اور دادا کا نام سید محمد نور تھا، چار سال کے ہوئے تو مکتب میں بٹھائے گئے، مگر باوجود کوشش کے آپ کی طبیعت علم کی طرف راغب نہیں ہوئی، اور کتابی علم میں کچھ ترقی نہ کی، آپ کو بچپن ہی سے مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کا شوق تھا، سن بلوغ کو پہنچے تو خدمت خلق کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ اچھے اچھے بزرگ انگشت بندوں رہ گئے، ضعیفوں اور ایتھوں، اور سیاؤں کی خدمت کرنے کا جذبہ اس کے ساتھ عبادت، ذکر الہی کا ذوق بہت بڑھا ہوا تھا، ورزش اور مردانہ کھیلوں کا بہت شوق تھا، پانچ پانچ سو ڈنڈ لگاتے تھے، اور تیس تیس سیر کے گدہ ہلاتے، پیرنے اور

پانی میں دیر تک ٹھہرنے کی بھی مشق بڑھائی تھی۔

تلاش معاش میں لکھنؤ کا سفر

جب آپ کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو والد ماجد مولانا محمد عرفانؒ کا انتقال ہو گیا، حالات کا تقاضہ تھا کہ آپ ذمہ دارانہ زندگی میں قدم رکھیں، اور تحصیل معاش کی فکر کریں، تقریباً سولہ سترہ سال کی عمر میں آپ اپنے ساتھی عزیزوں کے ساتھ فکر معاش میں لکھنؤ چلے، لکھنؤ ریل کے بریلی سے انچاس میل ہے، سواری صرف ایک تھی جس پر سب باری باری بیٹھتے مگر سید صاحب اپنی باری کے وقت دوسرے عزیز کو باصرار سوار کرا دیتے تھے، اسی طرح راستہ بھر ساتھیوں کی خدمت کرتے، اور اصرار سے ان کا سامان خود لے کر چلتے، اسی خدمت اور محنت کے ساتھ لکھنؤ پہنچے، اس وقت نواب سعادت علی خاں خلیف نواب شجاع الدولہ کا عہد حکومت تھا، نواب ایک بلند حوصلہ، منظم فرماڑو تھے، اس کے باوجود صاحب جاگیر اشخاص، اور بڑے تاجروں کے سوا بے روزگاری اور پریشانی عام تھی، لکھنؤ پہنچ کر سب ساتھی روزگار کی تلاش میں مشغول ہو گئے، روزگار عنقا تھا، باوجود محنت، اور دن کی مشغولیت کے بھی قوت لایموت بھی مشکل سے میسر آتی، صرف سید صاحب ایک امیر کے یہاں مقیم تھے، جو ان کے خاندان سے محبت و عقیدت رکھتے تھے، امیر کے یہاں سے جو کھانا آتا، آپ اپنے ساتھیوں کو کھلا دیتے، اور خود وال دلیہ پر گزر کرتے۔

شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں

چار ماہ اسی حال میں گزرے، ایک بار وائی لکھنؤ سیر شکار کے لئے پہاڑوں کی طرف

روانہ ہوا، اس کے ساتھ وہ امیر بھی گئے جن کے یہاں سید صاحب بہان تھے، سید صاحب بھی اپنے عزیزوں کے ہمراہ امیر کے ساتھ ہو گئے، اور اسی طرح خدمت کرتے ہوئے یہ سفر کیا، اس سفر میں سخت مصیبتیں اٹھانی پڑیں، راستہ بھر سید صاحب اپنے ہمراہیوں کو دہلی چلنے، اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے استفادہ کرنے کی ترغیب دلاتے رہے، اور پھر خود تن تنہا دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

پورے سفر میں پیادہ پا، مسافروں کی خدمت کرتے ہوئے بھوکے پیاسے چلتے رہے، چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے، کئی روز کے بعد دہلی پہنچے، اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کے سید صاحب کے بزرگوں سے قدیم سے روحانی و علمی تعلقات تھے، مصافحہ اور معانقہ، اور تعارف کے بعد بڑی خوشی کا اظہار کیا، اور اپنے بھائی شاہ عبدالقادر صاحب کے پاس ٹھہرایا۔

تکمیل باطنی، اور اجازت و خلافت

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، اور شاہ عبدالقادرؒ کی صحبت و خدمت میں رہ کر اپنے اس قدر باطنی ترقی کی، اور وہ بلند مقامات حاصل کئے جو بڑے بڑے مشائخ کو بڑی بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں سے حاصل ہوئے ہیں، کچھ عرصہ کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب سے اجازت و خلافت لے کر وطن رائے بریلی واپس ہوئے، دو سال وطن میں قیام کیا، اور شادی کی۔

امیر خاں کے لشکر میں

اللہ تعالیٰ نے سید صاحب کو جس عظیم مقصد کے لئے تیار کیا تھا، اور جہاد کا

جو جذبہ آپ کو ملا تھا، اور آپ نے جن مقاصد کو پیش نظر رکھا تھا، ان کی تکمیل، مزید سختی اور عملی مشق و تربیت کی متقاضی تھی، اس کے لئے کسی محاذ جنگ کی ضرورت تھی۔

۱۲۲۶ھ میں آپ نے دہلی کا دوسرا سفر کیا، دہلی میں چند روز قیام کرنے کے بعد ۱۸۱۱ء شاہ عبدالعزیز صاحب کے مشورہ سے نواب امیر خاں (جو راجپوتانہ اور مالوہ میں لشکر کشی، اور ترک تازی میں مشغول تھے) کے لشکر میں شامل ہو گئے، اور جنگی تربیت حاصل کرنے، اور ان کو با مقصد جدوجہد، اور انگریزی اقتدار کے بڑھتے ہوئے خطرہ کا مقابلہ کرنے کی راہ پر لگانے کیلئے انکی معیت و رفاقت اختیار کی، نواب امیر خاں سنبھل (روہیلکھنڈ) کے ایک حوصلہ مند افغانی النسل سردار تھے، جنھوں نے اپنے گرد حوصلہ مند، مہم جو، اور وفادار ساتھیوں کی ایک چھی خاصی تعداد جمع کر لی تھی، اور ایسی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ والیان ریاست کو بھی ان کی مدد کی ضرورت پڑتی رہتی تھی، اور انگریز بھی اس ابھرتی ہوئی طاقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

سید صاحب امیر خاں کے لشکر میں چھ سال رہے، آپ اپنی عبادات و ریاضات اور سپاہیانہ زندگی کے ساتھ اصلاح و ارشاد میں مشغول رہے، آپ کی توجہ محنت اور کوشش سے پورا لشکر دعوت و تبلیغ کا وسیع میدان بن گیا، اور سپاہیوں کی بڑی اصلاح ہوئی، خود امیر خاں کی زندگی میں بڑا انقلاب آیا۔

دہلی واپسی اور تبلیغی دورے

چھ سال کے قیام کے بعد جب امیر خاں نے بعض حالات سے مجبور ہو کر، اور اپنے بعض قریبی ساتھیوں کی بے وفائی کی وجہ سے انگریزوں سے صلح کرنی چاہی، تو اپنے

اس کی شدید مخالفت کی اور جب آپ کی مخالفت کے باوجود میر خاں نے انگریزوں سے معاملہ کر لیا، اور ٹونک کی ریاست قبول کر لی، تو آپ ان سے مایوس ہو کر وہی تشریف لے آئے۔

اس مرتبہ آپ کی طرف غیر معمولی رجوع ہوا، اس قیام کے دوران خاندانِ نبویؐ کے دو ممتاز افراد اور جدید عالم مولانا عبدالحی، اور مولانا محمد اسماعیل آپ سے بیعت ہوئے، ان دونوں کے بیعت ہونے سے وہی کے عوام و خواص، علماء و مشائخ کا ایسا رجوع ہوا کہ شاید بایں روز بروز آپ کی مقبولیت اور شہرت بڑھتی چلی گئی، آپ نے تبلیغی و اصلاحی دورے شروع کئے، سب سے پہلے مظفرنگر اور سہارنپور کے مردم خیز اور تاریخی قصبات اور مسلمان شرفاء و علماء کے مرکزوں، نیز گڑھ مکتبہ شریعت و آدابہ کے علاقے میں رام پور، بریلی، شاہجہانپور اور دوسرے مقامات کا دورہ کیا، ان مقامات میں سیکڑوں خاندانوں، اور آدمیوں نے بیعت کی، شرک و بدعت سے تائب ہوئے، علماء مشائخ حلقہ ارادت میں شامل ہوئے، سہارنپور میں حاجی عبدالرحیم صاحب جو اپنے وقت کے بڑے مشائخ میں تھے، اور ہزاروں آدمی ان کے مرید تھے، حضرت سید صاحب سے بیعت ہوئے، اور اپنے مریدوں کو بیعت کرایا، آپ کا یہ سفر بارانِ رحمت کی طرح تھا، کہ جہاں سے گذرتا ہے، سرسبزی و شادابی، بہار و برکت چھوڑ جاتا ہے، دیکھنے والوں کا تنفقہ بیان ہے کہ جہاں آپ نے تھوڑا سا بھی قیام کیا، وہاں مساجد میں رونق آگئی، اللہ اور رسول کا چرچا ایمان میں تازگی، اتباع سنت کا شوق، اسلام کا ہوش، اور شرک و بدعت سے نفرت پیدا ہو گئی، اور رخص و شیعیت کا خاتمہ ہو گیا، اس پورے سفر میں مولانا محمد اسماعیل اور مولانا عبدالحی ہم رکاب رہے، ان کے مواعظ سے بڑا انقلاب اور بڑی اصلاح ہوئی۔

وطن میں

اس دورے کے بعد آپ اپنے وطن رائے بریلی تشریف لائے، یہ دن قحط اور خشک سالی کے تھے، ہر طرف پریشانی، فاقہ، غربت اور افلاس کا دور دورہ تھا، اس حال میں بھی آپ پر شوا آدمیوں کے خورد و نوش کی ذمہ داری تھی، لیکن درو دیوار پر سکینت الہی اور نوکل کی فضا چھائی ہوئی تھی، آپ کی صحبت میں اس وقت ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور صوفیاء اور اہل سجادہ حاضر تھے، اور ہر ایک باوجود اپنے علم و فضل کے آپ سے استفادہ کرتا، اسی طرح آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خدمتِ خلق کے کاموں میں شریک رہتے، یہ چھوٹا سا گاؤں ایک ہی وقت میں ایک آباد اور معمور خانقاہ، ایک دینی مدرسہ اور میدانِ جہاد بنا ہوا تھا، یہ زمانہ بڑے ذوق و شوق، کیف و مستی، لذت و حلاوت، اور جفاکشی کا تھا، وطن کے اس قیام کے دوران آپ نے الہ آباد، بنارس، کانپور، اور سلطان پور کا سفر بھی کیا، تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر جوق در جوق لوگ ملتے، اور بیعت ہوتے۔

لکھنؤ کا تبلیغی و اصلاحی سفر

لکھنؤ کی چھاؤنی میں پٹھانوں کی ایک اچھی خاصی آبادی تھی، جو سید صاحب کے بزرگوں اور خود سید صاحب کی معتقد تھی، جن میں خاص طور پر نواب فقیر محمد خاں قابل ذکر ہیں، ان حضرات کی خواہش پر آپ نے نفع و اصلاح کی توقع پر ایک سوشل آدمیوں کے قافلے کے ساتھ لکھنؤ کا سفر کیا، آپ کے اس سفر میں مولانا محمد اسماعیل اور مولانا عبدالحی بھی ساتھ تھے، یہ زمانہ نواب غازی الدین حیدر کی بادشاہی اور نواب معتمد الدولہ آغا میر کی وزارت کا تھا،

اس زمانہ میں لکھنؤ میں دولت ستانی، بدظمی، حق تلفی، اور تعیش کا دور دورہ تھا، عیش و عشرت، لہو و لعب، مہنسی مذاق کی تمام گلزار بہا رہتی تھی، اس کے ساتھ اہل شہر میں اثر پذیری کی صلاحیت بھی تھی، دین کی عظمت و وقعت بھی تھی، لکھنؤ علماء و مشائخ کا مرکز بھی تھا، قصبات اور شریف خاندانوں کا جوہر بھی لکھنؤ منتقل ہو گیا تھا، انسانوں کے اس ذخیرہ میں صد ہا کام کے موتی تھے، جو گویا ایک نظر کیمیا اثر کے منتظر تھے۔

سید صاحب اور آپ کے رفقاء گوتمی کے کنارے شاہ پیر محمد کے ٹیلہ پر پٹھری، آپ کے پونچتے ہی لوگوں کا رجوع اور ہجوم ہوا، صبح سے رات گئے تک لوگ جمع رہتے، مولانا محمد اسماعیل اور مولانا عبدالحی کے مسلسل اور مؤثر وعظوں سے لکھنؤ کے مقامی لوگوں میں بڑا انقلاب پیدا ہوا، ہزاروں انسانوں کی حالت بدل گئی، لوگ اٹھ اٹھ کر توبہ کرتے، اور نئی ایمانی زندگی میں قدم رکھتے، سید احمد شہید اور ان کی بابرکت جماعت کے چند روزہ قیام سے اہل لکھنؤ کو بہت روحانی فیوض و برکات حاصل ہوئے، بڑے بڑے علماء و مشائخ حاضر ہوتے، اور بیعت سے مشرف ہوتے، ہر جمعہ کو مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسماعیل کا وعظ ہوتا، مختلف برادریوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی، اور شرک و بدعت سے توبہ کی، بے شمار دعوتیں ہوئیں، اور دعوتوں میں کراہتوں کا ظہور ہوا، جن کو دیکھ کر اہل سنت کے علاوہ شیعہ اور غیر مسلم، اہل حکومت بھی متاثر ہوئے، شرک و بدعت کا بازار سرد ہوا، جرائم پیشہ اور فسق و فجور میں مبتلا رہنے والے تائب ہوئے، سید صاحب کی طرف اس رجوع عام سے، اور شیعیت سے عمومی طور پر توبہ کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے حکومت اور اہل حکومت کو پریشانی لاحق ہو گئی، اور انہوں نے اس کے اشارے بھی دیئے مگر آپ نے اور آپ کے ساتھ علماء نے کلمہ حق کے کہنے، اور صحیح دین کی طرف متوجہ کرنے میں

کسی بات کی پرواہ نہ کی، اور مستقل مزاجی سے اپنا کام کرتے رہے۔
 ایک مہینے کے بعد وطن واپس ہوئے، وطن کے قیام میں پنجاب کے مسلمانوں کی
 مظلومی سے جہاد کی ضرورت کے احساس میں (جو شروع سے تھا) بہت شدت پیدا ہو گئی
 اور اس نے بے چارہ سنا دیا، جس کو مضبوط، توانا، اور اچھے ذیل ڈول کا دیکھتے، فرماتے کہ
 ”یہ ہمارے کام کا ہے“ آپ اکثر اسلمہ لگاتے، تاکہ دوسروں کو اس کی اہمیت معلوم ہو، جنگی
 مشقیں ہوتیں، نشانہ بازی اور فنون سپہ گری کی پوری مشق کی جاتی۔

حج

اس زمانہ میں اسلام کے دوسرے شعائر کے کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ حج
 جیسا اہم رکن علماء کے فقہی عذر کی بنا پر یکسر متروک، یا غفلت کا شکار ہو گیا تھا، بعض
 علماء نے ہندوستان کے مسلمانوں کے ذمہ سے اس کے ساقط ہونے کا فتویٰ دیدیا تھا،
 سید صاحب نے اس فتنہ کا سدباب کیا، اور اس کی فرضیت کی زور شور سے تبلیغ کی، اپنے
 اس کو زندہ کرنے کے لئے عملی قدم اٹھانا ضروری سمجھا، اور علماء و مشاہیر کے ایک جم غفیر کے ساتھ
 حج کا سفر کیا، مختلف مقامات پر حج کی تبلیغ کے سلسلہ میں خطوط لکھوائے، آپ کے اعلان حج،
 اور مکاتیب سے مختلف مقامات سے حج کرنے والوں کا اتنا ثابندہ گیا، لوگ پروالوں کی طرح
 امنڈ آئے، آپ یکم شوال ۱۲۳۶ھ ۲ جولائی ۱۸۲۱ء میں عید کی نماز کے بعد چار سو آدمیوں
 کے ساتھ اپنے وطن سے حج کے لئے روانہ ہوئے۔

آپ رائے بریلی سے دکنو تشریف لے گئے، اور وہاں سے کشتیوں کے ذریعہ کلکتہ
 کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں جا بجا آپ کے، اور مولانا محمد اسماعیل، اور مولانا علی محمد، نیز قافلہ

کے علماء کے وعظ ہوتے، شرک و بدعت کی تردید اور عقائد و اعمال کی اصلاح ہوئی الا آباد
 میں ہزاروں ہزار مرد اور عورتوں نے بیعت کی، بعض لوگوں کا اندازہ تھا کہ شاید شہر میں کوئی
 مسلمان باقی نہیں رہا، مرزا پور میں تقریباً پورا شہر بیعت ہو گیا، بنارس میں ہزاروں اشخاص
 مرید ہوئے، اور علماء و مشائخ داخل سلسلہ ہوئے، شرک و بدعت پر ضرب کاری لگی، آپ
 غازی پور، دانا پور ہوتے ہوئے ٹپنہ پہنچے، ٹپنہ میں دو ہفتہ قیام کیا، اس قیام میں شریعت
 کی اشاعت و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید کا کام پوری قوت سے جاری رہا، عظیم آباد
 میں چند بتیوں کو آپ نے تبلیغ کے لئے ان کے وطن تبت کو روانہ کیا، جنکی کوششیں چین
 تک وسیع ہوئیں، عظیم آباد کے بعد کلکتہ پہنچے، تین مہینے کلکتہ میں قیام رہا، آپ کے قیام نے
 کلکتہ میں جو اس وقت ہندوستان کا عظیم ترین شہر، اور انگریزی حکومت کا مستقر تھا، ایک
 دینی انقلاب برپا کر دیا، برادر یوں، اور خاندان کے چودھریوں، اور سرداروں نے اپنے اپنے
 خاندان میں اعلان کر دیا کہ جس نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت نہ کی، اور شرعی پابندی اختیار
 نہیں کی، اس سے برادرانہ تعلقات منقطع ہیں، اس اعلان پر توجہ کرنے والوں کی قطاریں لگ
 گئیں، میخانوں میں خاک اڑنے لگی، عیش و عشرت، اور فسق و فجور کے مرکزوں میں سناٹا نظر آنے لگا
 سلطان ٹیپو کے پوتوں نے بھی جن کے بزرگوں کا تعلق سید صاحب کے بزرگوں سے رہا تھا، آپ کی
 توجہ سے فائدہ اٹھایا، تین مہینے کے بعد کلکتہ سے روانہ ہوئے، اس وقت آپ کے ہمراہ حج
 کرنے والوں کی تعداد سات سو چھتر تھی، زیارت کرنے والے مسلمانوں، عیسائیوں، اور
 ہندوؤں کا ایسا ہجوم تھا کہ راستے بند ہو گئے تھے، اور آدمی کا گزرنا مشکل تھا، راستہ میں مختلف
 بندرگاہوں، اور ساحلی مقامات پر اترنے رکے، اور وعظ و تلقین کرتے ہوئے، ۲۳ شعبان
 بروز چار شنبہ ۱۲۳۶ مطابق ۱۶ مئی ۱۸۲۲ء میں جدہ پہنچے، اور ۲۸ شعبان کو حرم میں

داخل ہوئے۔

اس مقدس مقام میں بھی آپ کا فیض جاری رہا، امام حرم، اور مفتی مکہ، اور دوسرے عرب علماء آپ کے مرید ہوئے، اور دوسرے ممالک اسلامیہ کے عمائد اور سربراہ اور وہ علماء نے اگر آپ سے فیض حاصل کیا، رمضان مبارک مکہ مکرمہ میں گزارا، ایام حج میں عقبہ اولیٰ میں جہاں انصار کی پہلی جماعت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی، اور ہجرت کی بنیاد پڑی تھی، ساتھیوں سے آپ نے جہاد کی بیعت لی۔

مکہ مکرمہ سے آپ نے مدینہ منورہ کا عزم کیا، اور وہاں قیام فرمایا، وہاں بھی علماء و مشائخ اور عوام و خواص کا رجوع عام ہوا، مدینہ سے آپ مکہ واپس ہوئے، آپ نے دوسرا رمضان بھی مکہ معظمہ میں گزارا، اور دوسرا حج ادا کر کے رائے بریلی یکم رمضان ۱۲۳۹ھ ۳ اپریل ۱۸۲۴ء کو واپس ہوئے۔

وطن کے مشاغل

یکم رمضان ۱۲۳۹ھ ۳ اپریل ۱۸۲۴ء سے، جہاد کی آخری سلسلہ ۱۲۴۷ھ، جنوری ۱۸۲۶ء تک ایک سال دس مہینے رائے بریلی قیام رہا، یہ زندگی کا آخری قیام تھا، اس زمانہ قیام کے اہم مشاغل میں جہاد کی ترغیب و دعوت، اور رفقاء کی ایمانی اور عملی تربیت شامل تھی، یہ مدت ایسی فضا اور ماحول میں گزری جس میں ایک طرف دینی جذبات، اور ایمانی کیفیات کی ترقی اور نشوونما کا سامان تھا، اور دوسری طرف جفاکشی، مجاہدے، سادہ اور سپاہیانہ زندگی، اور خود شکنی کی تعلیم تھی، اس پوری مدت میں آپ کا گاون (دائرہ شاہ علم اللہ) عملی و روحانی تربیت گاہ بنا رہا۔

ہجرت کی ضرورت

ہندوستان میں اس وقت اسلام کی بے کسی اور اہل علم و دین کی بے بسی کا جو حال تھا اس کا پورا نقشہ سید صاحب کی آنکھوں میں تھا، غیر اسلامی قوتوں کا غلبہ آپ دیکھ رہے تھے، خصوصاً پنجاب کے مسلمانوں کی مظلومیت ناقابل برداشت حد تک پہنچ چکی تھی، وہاں کے مسلمان غلامی کی ذلیل زندگی گزار رہے تھے، اور پوری قوم بے اعتمادی، محرومی، اور بے عزتی کا شکار تھی، مسلمانوں کی املاک و جائیداد بات بات پر ضبط ہو جاتی تھی، لاہور کی مشہور شاہی مسجد کے حجروں میں شاہی اصطبل تھا، متعدد مقامات پر اذالوں پر پابندی اور بہت سے اسلامی شعائر پر بندش تھی، اس غلامی اور حقارت آمیز طرز عمل سے مسلمانوں میں مایوسی اور بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔

اس وسیع سرحدی صوبہ میں جو فوجی قابلیت رکھنے والی مسلمان نسلوں کا مرکز تھا، اور وہاں مسلمان واضح اکثریت میں تھے، مسلمانوں کی ذلت و محکومیت اور ایسی غیر مسلم طاقت کو جس کو مسلمانوں سے خصوصی عداوت تھا، آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا، یہ دہلی کے مرکز اور پورے شمال مغربی ہندوستان کے لئے نیز صوبہ سرحد اور افغانستان کے لئے بھی ایک مستقل خطرہ تھا، سید صاحب اور ان کے رفقاء کی بہت بڑی دور بینی اور سیاسی بصیرت تھی کہ انھوں نے اس خطرہ کو محسوس کیا اور اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں میں پنجاب کو اولیت دی۔

ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط، مسلمانوں کی آپس میں خانہ جنگی، اور انتشار اور اسلام کے زوال کے مشاہدہ نے آپ کو بے چین کر دیا، آپ کے نزدیک اعلیٰ کلمۃ اللہ، اور

بلاد اسلامیہ کے استخلاص کی ضرورت ہر غیور اور فرص شناس مسلمان سے جہاد کا مطالبہ کر رہی تھی، آپ کی نظر میں جہاد دین کا ایک نہایت اہم شعبہ اور تکمیلی قدم تھا، اور جہاد کا مقصد ہجرت کو سمجھتے تھے، اس لئے کہ اس وقت کے حالات میں جہاد بغیر ہجرت کے مشکل تھا، آپ کو قرآن مجید کی صریح آیات اور واضح احادیث کے پیش نظر تعمیل کے جذبہ نے اس پر ابھارا، رضا اور محبت الہی کے شوق نے آپ کے دل کو گدگدایا، ان مخالفانہ آپ کے دل میں جہاد کا عزم راسخ پیدا کر دیا۔

سید صاحب کے نزدیک اگرچہ مقصود اصلی ہندوستان تھا، جیسا کہ آپ کے بہت سے خطوط سے جو آپ نے ہندوستان کے وائیان ریاست اور بیرون ہند مسلمان فرمانرواؤں کو لکھے، واضح ہوتا ہے، لیکن پنجاب میں جس پر رنجیت سنگھ کی باقاعدہ حکومت قائم ہو گئی تھی، اور مسلمان ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے، اس لئے ان کی فوری امداد کی ضرورت تھی، نیز فوجی مصالح، اور سیاسی تدبیر کا تقاضا تھا کہ یہ ہندوستان کے شمالی مغربی سرحد سے شروع کی جائے، جو طاقتور اور پر جوش افغانی قبائل کا مرکز تھا، جن کے بہت سے اعزہ، افراد خاندان آپ سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے، اور آپ کے لشکر میں شامل تھے، انھوں نے امید دلائی تھی، کہ وہ قبائل اس مقصد کے سلسلہ میں آپ کی رفاقت و نصرت کریں گے، نیز وہاں سے آزاد اسلامی ممالک کی ایک نئی نئی شروع ہوتی تھی، جو ترکی تک چلی گئی تھی، آپ شروع ہی سے اس کام کے لئے اپنے کو، اور اپنی جماعت کو تیار کر رہے تھے۔

ہجرت

دو شنبہ ۷ جمادی الآخرہ ۱۲۴۱ھ، ۷ اربوری ۱۸۲۶ء میں اپنے وطن دہلی کو

خدا حافظ کہا، ہندوستان کے شمالی مغربی سرحد پہنچنے کے لئے آپ نے صوبجات متحدہ
 مالوہ کے علاقوں، اور راجپوتانہ، مارواڑ، سندھ، بلوچستان، افغانستان اور صوبہ سرحد
 کے ریگستانوں، میدانوں، پہاڑوں، دروں، جنگلوں اور دریاؤں اور دلدلی علاقوں کو
 طے کیا، جن کو طے کرنا ایک مستقل جہاد تھا، بعض جگہ پانی کی قلت، سامان خوراک کی کمی، راہ کی
 خستگی، مقامات کی دشوار گزاری، قزاقوں کا خطرہ، بھوک اور پیاس کی شدت، اجنبی
 قوموں، اجنبی ملک، نئی زبانوں، نرم گرم مزاجوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کے علاوہ شہادت
 اور اندیشے، تحقیقات و تجسس یہ تمام چیزیں پیش آئیں، آپ کے قافلہ میں دہلی اور اودھ،
 دواہ کے شرفا، سادات، علماء و مشائخ، امیر گھرانوں کے ناز پروردہ اشخاص، اور
 بانکے جوان، اور جوش جہاد سے سرشار نجف و نالتواں جسم رکھنے والے بھی تھے، یہ قافلہ
 چھ سو افراد پر مشتمل تھا۔

آپ نے پہلی منزل دکن میں کی، پھر فتح پور، باندہ، جالون، ... گوالیار، ٹونک
 تشریف لے گئے، ہر جگہ اور ہر مقام پر لوگوں نے خوش آمدید کہا، اور بیعت و ارادت
 سے مشرف ہوئے، گوالیار میں مہاراجہ کی خواہش پر مشرف ملاقات بخشا، مہاراجہ نے
 نذر پیش کی، گوالیار سے ٹونک تشریف لے گئے، ٹونک کے نواب امیر خاں نے (جن کے
 لشکر میں آپ چھ سال رہ چکے تھے) پر جوش استقبال کیا، اور آگے کے سفر میں دوڑنگ
 مشایعت کی، ٹونک سے اجیر اور پالی ہوتے ہوئے مارواڑ کا نہایت دشوار گزار
 صحرا قطع کر کے مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے حیدرآباد سندھ پہنچے، راستہ میں
 ہزار ہا مردوں، عورتوں نے بیعت کی، اور بہت سے لوگ ساتھ ہوئے، اس وقت
 سندھ خود مختار حکمرانوں کے ماتحت تھا، جو ایک ہی خاندان کے افراد تھے، اور جن کے

حدود حکومت میں لاکھوں کی تعداد میں جنگ جو، اور جنگ آزما آباد تھے، اسی طرح ایک بڑی تعداد ان مشائخ کی تھی، جن کے ماننے والے پورے سندھ میں پھیلے ہوئے تھے، ان سارے حضرات نے سید صاحب کا استقبال کیا، اور حمایت کا یقین دلایا، حیدرآباد کے والی میر محمد اور عمائد و مشائخ نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

حیدرآباد میں ایک ہفتہ قیام کر کے آپ پیرکوٹ گئے، اور وہاں دو ہفتے قیام کیا، پھر شکارپور شریف لے گئے، سندھ کے بزرگوں اور مشائخ سے ملاقاتیں کیں۔ شکارپور سے چل کر مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے، اور بہاد کی دعوت دیتے ہوئے، چھتر بھاگ، اور ڈھاڈر گئے، ان تمام علاقوں میں علماء صوفیاء، اور اہل ملک نے دست بوسی اور زیارت کا شرف حاصل کیا، آپ نے پورے قافلے کے ساتھ درہ بولان کا تنگ اور خطرناک راستے طے کیا، درہ بولان ایک قدرتی راستہ ہے، جو قدرت الہی نے اولوالعزم فاتحین، اور ضرورت مند مسافروں کے لئے اس طویل سلسلہ کوہ کے اندر پیدا کر دیا ہے، جو ہندوستان کو افغانستان سے جدا کرتا ہے، درہ بولان سے گذر کر آپ شال (کوٹلہ) پہنچے شال کے امیر نے بڑی ارادت مندی کا اظہار کیا، اور علماء نے بیعت کی۔

افغانستان میں

شال سے چل کر قندھار شریف لے گئے، اس وقت افغانستان پر بارک زئی بھائیوں کا قبضہ تھا، جو درانی کہلاتے تھے، قندھار پر پردل خاں، غزنی پر میر محمد خاں، کابل پر دوست محمد خاں، اور سلطان محمد خاں، اور پشاور پر یار محمد خاں حاکم تھے، ان بھائیوں کے درمیان بڑی نااتفاقیوں تھیں، اور وہ آئے دن خانہ جنگیوں کا شکار ہوتے رہتے تھے،

سید صاحب کا ایک عظیم کام یہ بھی تھا کہ وہ ان بھائیوں کے درمیان اتفاق پیدا کر کے ان کو مخالفین اسلام سے جہاد کرنے پر آمادہ کریں۔

آپ جب قندھار پہنچے تو حاکم قندھار نے آگے بڑھ کر استقبال کیا، اسی طرح شہر کے ہزار با علماء، شرفا و پاپیادہ استقبال کے لئے نکلے، ہجوم سے سڑکیں بند ہو گئیں، چار دن قندھار میں قیام رہا، ہر شخص آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کے لئے بیتاب، اور بے قرار تھا، آپ قندھار سے غزنی تشریف لے گئے، چارسو کے قریب علماء و فضلاء مدرس کے طلبہ اور خاتقاہوں کے مشائخ جوش جہاد سے سرشار، سردینے کے لئے تیار ہو کر آپ کے ہمراہ ہوئے، آپ نے ان میں سے دو سو ستر کا انتخاب کیا، اور اپنے ساتھ لے آیا، قندھار اور غزنی کے راستے آپ نے میر محمد خاں حاکم غزنی، اور سلطان محمد خاں حاکم کابل کو خطوط لکھوائے، اور اپنی آمد کی اطلاع، اور مقصد کا اظہار، اور تعاون کی خواہش کی، جب آپ غزنی پہنچے، تو روسائے شہر، اور اہل علم و فضل، اور بے شمار آدمیوں نے سوار اور پیادہ دو کو سن نکل کر آپ کا استقبال کیا، آپ نے سلطان محمود غزنوی کے مزار سے متصل لشکر کا پڑاؤ ڈالا، اور وہاں بکثرت لوگ بیعت ہوئے۔

غزنی دو روز قیام کر کے کابل تشریف لے گئے، روساء اور عمائد سلطنت، اور ہزار ہا آدمی آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آگئے، گھوڑوں اور ہجوم کی وجہ سے ایسی گرداڑ رہی تھی کہ کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، سلطان محمد خاں والی کابل اپنے تین بھائیوں کے ساتھ پچاس سواروں کی جمعیت لے کر استقبال کے لئے کھڑے تھے، آپ کابل میں ڈیڑھ مہینے ٹھہرے، اور جہاد و اصلاح و تبلیغ کا برابر چرچا رہا، آپ کی صحبت بابرکت سے عوام و خواص مستفید ہوتے رہے، اور آپ کے قافلے کے ایمان پر و حالات، اور جہاد کا

جذبہ اور راہ مولیٰ میں جان دینے کا شوق دیکھ دیکھ کر اس مبارک قافلہ میں شریک ہو رہے تھے۔ آپ نے بارک زئی بھائیوں میں مصالحت کرانے کی پوری کوشش کی اور اس کے لئے ٹھہرتے قیام فرمایا، لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی، مجبوراً آپ پشاور کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں مسلمان اس بوش و خروش کے ساتھ استقبال کرتے تھے، جس کا مظاہرہ سارے سفر میں ہوتا رہا، پشاور میں تین روز قیام کر کے ہشت نگر میں چند دن قیام کرتے ہوئے، اور مسلمانوں کو جہاد کے لئے تیار کرتے ہوئے، نوشہرہ تشریف لے گئے، جہاں سے جہاد جیسے محبوب عمل، اور عبادت عظمیٰ کا آغاز فرمایا، جو برسوں کی دعوت و تبلیغ، اور جدوجہد کا حاصل، اور اس پر مشقت سفر کا مقصد تھا۔

اکوڑہ کی جنگ

نوشہرہ سے اپنے حکومت لاہور کو اعلام نامہ بھیجا، جس میں سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی گئی، ورنہ جزیہ دینے، اور اطاعت کرنے کا مطالبہ کیا، اور ان دونوں مطالبوں کو قبول نہ کرنے کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی، آخر میں یہ لکھا کہ تم کو شراب کی اتنی محبت نہ ہوگی، جتنی ہم کو شہادت سے ہے، اس اعلام نامہ کے جواب میں حکومت لاہور نے سکھوں کا ایک بڑا لشکر مقابلہ کے لئے بھیج دیا، اس خبر کے ملتے ہی سید صاحب نے جنگ کی تیاری کی، اس وقت مجاہدین کے دماغوں میں جہاد کا عجیب نشہ تھا، ہر ایک شوق شہادت سے سرشار ہو رہا تھا، سید صاحب کے ساتھیوں کی تعداد سات سو تھی، اور حریف لشکر سات ہزار مسلح افراد پر مشتمل تھا، چار شنبہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۲ھ ۲۰ دسمبر ۱۸۲۶ء کو آدھی رات کے قریب اس مٹھی بھر جماعت کا اپنے سے دس گنے حریف کا مقابلہ ہوا، مجاہدین بڑی بے جگرگی

لڑے، اور دشمن پسپا ہونے لگا، اور رات گزرتے گزرتے دشمن پوری طرح پسپا ہو چکا تھا۔ اس جنگ سے مسلمانوں کے دل بڑھ گئے، اور آپ کی خدمت میں آکر مختلف قبیلوں کے سردار، علماء و عمائد بیعت ہونے لگے، اور آپ پر ان کا اعتماد بڑھ گیا، آپ نے سرداروں میں صلح کرائی، قلعہ ہنڈ کے سردار خاکے خاں بھی آکر مرید ہوا، اور اس کی خواہش پر آپ نے اپنے قافلہ کے ساتھ قلعہ ہنڈ میں تین ماہ قیام کیا۔

حضرت کا چھاپہ اور بیعت امامت

اکوڑہ کی کامیاب جنگ کے بعد ملکی لوگوں نے سید صاحب سے خواہش کی کہ حضرت جو ایک بڑی منڈی تھی اور سکھوں کی عملداری میں تھی، شیخون مارا جائے، سید صاحب نے اجازت مرحمت فرمادی، مگر خود شریک نہیں ہوئے، اس شیخون میں ملکی اور مقامی لوگوں نے مال غنیمت لوٹنے میں بڑی بے عنوانیاں کیں، انھوں نے سید صاحب کے احکام کی پروا نہ کی، اور بلا کسی نظام و ضابطہ کے جو جی میں آیا کیا، اس لئے علماء شکر کا یہ تنفقہ فیصلہ ہوا کہ سب سے زیادہ ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اپنا ایک امام اور امیر مقرر کیا جائے، تاکہ اس کی قیادت و امارت میں جہاد ہو۔

چنانچہ ہنڈ میں ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۲۰۳ھ ۱۳ جنوری ۱۸۲۴ء کو بالاتفاق سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت امامت خلافت کر لی گئی، خاکے خاں، اشرف طاہر خاں، بہرا خاں اور چھوٹے بڑے جتنے خاں اور رئیس تھے، سب نے آکر بیعت امامت کی، اس کے علاوہ علماء ہندوستان نے آپ کی امامت کو قبول کیا، سید صاحب نے بیعت امامت کی اطلاع کے خطوط، اور دعوت نامے سارے سرداروں، والیان ملک، علماء و مشائخ و رؤسائے ہندوستان کو بھیجے، حاکمان پشاور سردار یار محمد خاں، سلطان محمد خاں وغیرہ نے آپ کی

مقبولیت اور تلبیت کو دیکھا تو بڑی جمعیت کو لے کر آئے اور بیعت کر لی، آپ نے امیر منتخب ہونے کے بعد پورے علاقہ میں شرعی نظام قائم کر دیا، اور ہر طرف شریعت کے احکام جاری کر دیئے، اور سارے فیصلے قانون شریعت کے مطابق ہونے لگے، احتساب کا ایسا اثر ہوا کہ دور دور تک کوئی بے نازی نہیں ملتا تھا۔

شیدو کی جنگ اور زہر خورانی

سید صاحب کی امامت و خلافت سے یہ پورا علاقہ ایک متحدہ ملک بن گیا، چھوٹے بڑے سرداروں کی خود مختاری گویا ختم ہو گئی، تو ان کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی، اگرچہ وہ فضا اور ماحول سے مجبور ہو کر سید صاحب سے بیعت ہو گئے، اور آپ کی امامت و خلافت کو قبول کیا، مگر اندرونی طور پر آپ کے درپے آزار ہو گئے، درپردہ دربار لاہور سے ساز باز کرنے لگے۔ سکھوں سے کئی جھڑپوں، اور چھڑچھاڑ کے بعد انھیں سرداروں میں جن کی زبانیں سید صاحب کے ساتھ تھیں، اور دل دربار لاہور کے غلام تھے، یہ خواہش ظاہر کی کہ سکھوں کے خلاف ایک منظم اور فیصلہ کن جنگ کی جائے، ان سرداروں کے مشورے اور خواہش پر شیدو کا میدان انتخاب کیا گیا، اور جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں، کہ ایک رات ان تینوں کی طرف سے سید صاحب کے کھانے میں زہر ملا دیا گیا، اس وقت مسلمانوں کی فوج میں ملکی اور غیر ملکی سب تھے، سارے سردار اپنی اپنی فوج کے ساتھ شریک تھے، لڑائی کا نقشہ مسلمانوں کے حق میں جا رہا تھا، کہ اچانک پشاور کے سردار سکھوں سے مل گئے، سلطان یار محمد خاں اپنے ساتھیوں سمیت میدان جنگ سے فرار ہو گیا، اس لڑائی کے بعد سید صاحب کا مقابلہ اب صرف سکھوں سے نہ رہا، بلکہ سکھوں کے ساتھ سرداران پشاور اور ملکی

لوگوں سے بھی ہوا، اور منافقوں کی ایک مسلح فوج بید صاحب کے مقابل آگئی۔

پنجتار میں

اس نئی صورت حال کے پیش نظر فتح خاں والی پنجتار کی خواہش پر آپ ہند سے پنجتار تشریف لے گئے، اور اس کو اپنا مرکز بنایا، پنجتار علاقہ سوات کے قریب پہاڑوں کے بیچ میں ایک محفوظ مقام تھا، طویل عرصہ تک یہ پنجتار مجاہدین کا مستقر رہا، اس کو اسلام کی چھاؤنی، اور اصلاح و ارشاد کا مرکز بننے کی سعادت ملی، یہ چھوٹی سی پہاڑی مجاہدین کی ایک بار و نق چھاؤنی تھی، جس کا کونہ کونہ مجاہدوں اور عابدوں سے آباد، اور ذکر و تلاوت، جہاد اور مجاہدوں، محبت و اخوت، خدمت و ایثار سے گلزار تھا۔

پنجتار کے مستقر بننے اور آباد ہونے سے خاکے خاں والی ہند کو بڑی تشویش ہوئی، اور حسد پیدا ہوا، وہ بید صاحب سے کبیدہ خاطر ہوا، اور نقصان پہنچانے کے درپے ہو گیا، شیدو کی جنگ کے غیر متوقع اور دل شکن واقعہ سے بید صاحب کے عزم و ہمت، اور دعوت و جہاد کے انہماک میں فرق نہیں آیا، آپ نے بنیر اور سوات اور پھر ہزارہ کا دورہ کیا، یہ دورہ تبلیغ و افادہ، و ہدایت اور جہاد کی تبلیغ کے لحاظ سے بہت کامیاب رہا، آپ نے پنجتار سے خہر کا سفر کیا، جو سوات کا مرکز ہے، اور وہاں ایک سال قیام کیا، اسی قیام کے دوران خہر میں مولانا عبدالحی کا انتقال ہو گیا، جن کی حیثیت لشکر میں شیخ الاسلام کی تھی، اور بید صاحب خود ان کا بڑا احترام فرماتے تھے۔

رنجیت سنگھ کے فرانسیسی جنرل سے مقابلہ

رنجیت سنگھ کے ایک فرانسیسی جنرل و میٹورانے دس بارہ ہزار فوج کے ساتھ

مجاہدین پر حملہ کر دیا، اور خاں خاں والی ہند نے وینٹورا کی مدد کی، جنرل وینٹورا نے
 مجاہدین کا جوش و جہاد، اور شوق شہادت دیکھ کر سپاہی اختیار کی، اور سپاہ ہوتے ہوئے
 لاہور واپس ہو گیا، کئی ماہ بعد فرانسسیسی جنرل وینٹورا نے دوبارہ پیش قدمی کر کے سمر کمانچ
 کیا، خاں خاں نے اس کا استقبال کیا، اور درپردہ اس کی مدد کی، سید صاحب نے وینٹورا کی
 آمد پر اہل علاقہ کو اس کی خبر دی اور خطوط لکھوائے، اور ایک دفاعی دیوار تیار کرائی،
 مجاہدین نے سید صاحب کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی، وینٹورا نے دیکھا کہ مجاہدین پہاڑیوں
 چوٹیوں، اور دروں میں پھیلے ہوئے ہیں، تو خوف اور عجب سے واپس ہو گیا، مجاہدین کی
 استقامت، اور عند اللہ مقبولیت کا چرچا اطراف و جوانب میں ہوا، اور لوگ جوق در جوق
 آنے لگے، اور بیعت ہونے لگے، سید صاحب نے دیہاتوں اور قبضات کا دورہ کیا، اور
 نظام شرعی کو مستحکم کیا، خاں خاں نے باوجود افہام و تفہیم کے دشمنوں سے ساز باز کی، اس
 بنا پر سید صاحب نے مجبوراً قلعہ ہند پر حملہ کر کے اسکو تخریب کر دیا، اس حملہ میں خاں خاں مقتول ہوا

جنگ زیدہ اور یار محمد خاں کا قتل

امیر خاں جو خاں خاں کا بھائی تھا، سردار یار محمد خاں سے جس نے سید صاحب کو
 شہد کی جنگ میں زہر دلوادیا تھا، مل گیا، اور اس سے ساز باز کی، سید صاحب نے یار محمد خاں
 سے گفتگو کی، اور اس کو افتراق و انتشار، اور فتنہ انگیزی سے باز رکھنا چاہا، مگر اس نے باز آنے
 کے بجائے زیدہ کے مقام پر مجاہدین کے مقابلہ میں جنگ چھیڑ دی، مجاہدین کی استقامت اور
 ثبات قدمی سے درانی لشکر کے قدم اکھڑ گئے، اور مجاہدین کا توپوں پر قبضہ ہو گیا، پورے لشکر میں
 بھگدڑ مچ گئی، اور یار محمد خاں مقتول ہوا، درانیوں نے قلعہ ہند پر جو مجاہدین کے قبضہ میں تھا،

حملہ کر دیا، مجاہدین اس وقت صرف پچاس ساٹھ کی تعداد میں تھے، انہوں نے جم کر مقابلہ کیا، اور اس حملہ کو ناکام بنا دیا۔

اس زمانہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ مجاہدین پشاور پر جو درانیوں کے قبضہ میں تھا، حملہ کرنے والے ہیں، درانیوں نے ہنڈ سے ہٹ کر پشاور کا رخ کیا، اس عرصہ میں عشرہ اور امب پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا۔

سید صاحب کا خیال تھا کہ کشمیر کی طرف بڑھا جائے، اس کے لئے ضروری تھا کہ پھولٹے پر قبضہ ہو، اس لئے اپنے بھانجہ سید احمد علی کی سرکردگی میں مجاہدین کی ایک جماعت روانہ کی، سکھوں نے اس جماعت پر اچانک حملہ کر دیا، اچانک حملہ سے بہت سے مجاہدین شہید ہو گئے، اور خود سید احمد علی نے بھی مردانہ وار جام شہادت پیا، سید صاحب نے امب میں قیام فرمایا، اور قضا و اصلاح اخلاق کا نظام جاری کیا۔

جنگ مایار

سلطان محمد خاں نے مجاہدین سے ایک فیصلہ کن جنگ کا عزم کر لیا اس نے درانیوں کی ایک بڑی فوج اپنے ساتھ لی، وہ چکنی سے ہو کر چارسدے میں پہنچا، سید صاحب نے بھی اپنے رفقاء کو لے کر تورو میں اپنا خیمہ نصب کر لیا، اور سرداران پشاور کو آپس کی لڑائی سے باز رکھنا چاہا، مگر سرداران پشاور نے اس جذبہ مصاکحت کی قدر نہ کی، سلطان محمد خاں اور ان کے بھائی بھتیجوں سے قرآن مجید ہاتھ میں لیکر قسم کھائی، پوری فوج اس دروائے سے گزاری گئی، جس سے قرآن مجید تک رہا تھا، تورو، ہوتی کے درمیان مایار کے میدان میں ایک خوزیز جنگ ہوئی، مولانا محمد اسماعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب نے

توپوں پر قبضہ کر لیا، درانیوں کے قدم اکھر گئے اور مجاہدین کو فتح میں حاصل ہوئی، اس جنگ میں مجاہدین کی شجاعت و جاں بازی، قوت ایمانی، تسلیم و رضا اور شوق آخرت کے ایسے مناظر سامنے آئے، جنہوں نے قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کر دی۔

پشاور کی فتح اور سپردگی

سید صاحب نے مایار کی جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد پشاور کا قصد کیا، جو شمالی مغربی علاقے میں لاہور اور کابل کے بعد دوسرا اہم شہر اور صوبہ سرحد کا قدیم سے مرکز و دار الحکومت تھا، حالات نے اب اس پر مجبور کر دیا، کہ پشاور کو براہ راست اپنے انتظام میں لے لیا جائے، سلطان محمد خاں نے جب دیکھا کہ مجاہدین نے پشاور پر قبضہ کرنے کا عزم کر لیا ہے، تو وہ اپنے افراد خاندان، اور رفقاء کو لے کر پشاور سے باہر چلا گیا، اور وہاں سے سید صاحب سے نامہ و پیام شروع کیا، آپ پشاور میں داخل ہوئے تو اہل شہر آپ کی آمد سے بہت مسرور ہوئے، جگہ جگہ شربت کی سبیلیں لگائیں، اور چراغاں کیا، شکر نے قرونِ اولیٰ کی اسلامی افواج کی طرح اپنی اسلامی سیرت و تربیت، و احتیاط و امانت کا پورا مظاہرہ کیا۔ سلطان محمد خاں نے صلح کی پیشکش کی، اور تاجدار کی کا عہد کیا، اور صلحِ شرعی کے ساتھ وعدہ کیا، کہ پشاور دوبارہ اس کے سپرد کر دیا جائے، وہ شرعی نظام جاری کرے گا، اور اس ملک کو اسلامی حکومت بنا کرے گا، سید صاحب نے اس بنا پر کہ انہوں نے ملک گیری کے لئے نہیں، بلکہ اسلامی حکومت کے قیام، اور شریعت کے نفاذ کے لئے یہ سفاختیار کیا تھا، اور اس میں ان کو کسی دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں اس کی پیشکش کو قبول کر لینا اور اس کو پھر ایک موقعہ دینے کا فیصلہ کر لیا، پشاور پھر سلطان محمد خاں کی سپردگی میں دے دیا گیا، اور آپ پشاور سے

روانہ ہو کر پختیار واپس ہو گئے۔

قضاة و محصلین کا قتل عام

نظام شرعی کے قیام، عمال و محصلین زکوٰۃ کے تقرر، احکام شرعی کے نفاذ میں سر اڑانا قبائل بالخصوص سلطان محمد خاں، اور دنیا دار علماء و کوجن کے مالی و دنیاوی مفادات پر اثر پڑتا تھا، اپنا صریح نقصان نظر آیا، اور انھوں نے ان پابندیوں سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پشاور کی سپردگی کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ سلطان محمد خاں نے ایک سازش تیار کی، اس نے عوام و خواص میں مجاہدین کو بدنام کیا، اور علماء، سوسے سے ایک محضر پر دستخط لئے، کرپڈ صاحب اور مجاہدین کے عقائد و خیالات فاسد ہیں، پشاور اور ستمہ کے پورے علاقے میں سید صاحب کے مقرر کئے ہوئے حکومت شرعیہ کے ان عمال، محصلین، قضاة، مخمسین، اور غازیوں کو جو پختیار کے علاوہ پورے علاقہ میں جا بجا متعین اور مقرر تھے، بیک وقت قتل کر دیئے کا منصوبہ بنایا، اور نہایت بے دردی کے ساتھ ان کا قتل عام کرادیا، کوئی نماز میں شہید ہوا کوئی مسجد میں پناہ لینے کی حالت میں اور کوئی لڑتے ہوئے مارا گیا، ان ظالموں نے علماء و سادات عورتوں اور غیر مسلموں کی سفارش اور درخواست رحم کی بھی پروا نہیں کی اور ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا، یہ ساہا سال کی تربیت کا نتیجہ، عمر بھر کی کمائی، اور ہندوستان کا عطر و انتخاب تھے۔

ہجرت ثانیہ

اس سفاکانہ قتل عام سے سید صاحب کا دل ٹوٹ گیا، مقامی لوگوں کی ہونانی

احسان فراموشی، اور ظلم و پرہیزگاری سے اتنے دل شکستہ ہوئے کہ اس مقام سے ہجرت کا ارادہ کر لیا، آپ نے پہلے علماء و متولین کو پختیار میں جمع کیا، واقعہ حائلہ اور اس کے ایجاب کی تحقیق کی اپنی آمد کے مقاصد اور اپنی کوششوں کا ذکر کیا، جب آپ کو یقین ہو گیا کہ آپ کے رفقاء اس معاملہ میں محض یہ تصور مظلوم تھے اور مقامی آبادی کا ذہن اور دامن پاک صاف نہیں ہے تو آپ نے ہجرت کا پختہ ارادہ کر لیا۔

جب ہجرت کی خبر گرم ہوئی، تو مقامی علماء و سادات، اور مخلصین کی جماعت، اور معتقد خوانین جو پختیار میں مقیم تھے، بہت فکر مند اور رنجیدہ ہوئے، اور بوق در بوق لوگ آ کر سید صاحب سے ہجرت نہ کرنے کی درخواست کرنے لگے، لیکن آپ اس پر راضی نہ ہوئے، اس لئے کہ آپ کو اس کا علم ہو چکا تھا کہ سلطان محمد خاں کی سازش اور عمال و مخلصین کے بے دروازہ قتل کے منصوبے میں فتح خاں، اور اس کے قبیلہ کے لوگوں کی بھی شرکت تھی، اور اس نے خود بھی وہاں قیام کرنے کے لئے کوئی درخواست نہیں کی، بلکہ رازداری کے طور پر اس فیصلہ کی تائید کی، لیکن آپ نے بجائے کوئی انتقامی کارروائی کرنے کے فتح خاں کے ساتھ عفو و درگزر، اور احسان مندی کا معاملہ کیا، اور اس کو تحائف و ہدایا سے بھی سرفراز کیا، لیکن اس علاقہ سے ہجرت کرنے کے عزم میں کوئی تزلزل پیدا نہیں ہوا، آپ فتح خاں کے سپرد پختیار کا علاقہ کر کے کوچ فرما گئے، موضع راج دوار میں قیام فرمایا، راستہ میں سمت (جہاں غازی، قضاة اور مخلصین شہید کئے گئے تھے) کے لوگ دوڑے دوڑے آئے، اور واپس چلنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا: لا یدلغ المؤمن من حجرتین (ایک سورخ سے مومن دوبار نہیں ڈسا جاتا)

کشمیر کی طرف

آپ نے اپنے آئندہ اصلاحی و مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز بنانے کے لئے کشمیر کا انتخاب کیا

اور اپنے بچے کھچے انسانی سرمایہ، اور ان جان نثار و با وفار فقار کو لے کر جو اس بے سرو سامانی اور اشتباہ و التباس کی حالت میں بھی آپ کا ساتھ چھوڑنے کے لئے کسی طرح تیار نہ تھے، کشمیر کا رخ کیا جو ایک وسیع اور محفوظ وادی ہے، اور اس کو وہ قدرتی استحکامات حاصل ہیں جن سے ایک ہوش مند قیادت بہت فائدہ حاصل کر سکتی ہے، نیز اس کے ذریعہ سے ایک طرف ہندوستان پر اثر انداز ہوا جاسکتا تھا، دوسری طرف وسط ایشیا کے ان اسلامی ممالک سے جو نسلی اور فوجی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتے تھے، اور جنہوں نے زمانہ سابق میں مضبوط اسلامی سلطنتیں قائم کی تھیں، روابطہ پیدا کئے جاسکتے تھے۔

بالاکوٹ میں

اس زمانہ میں پھلی اور وادی کاغان کے روسا، اور اہل علاقہ کی امارت و ریاست کچھ تو سکھوں کے حملوں، اور کچھ آپس کی ناچاقیوں سے تزلزل میں تھی، یہ سب سید صاحب کی مدد کے طالب تھے، نیز ان کی ریاستیں کشمیر جانے والے راستہ میں پڑتی تھیں جس کو سید صاحب اپنا مرکز بنانا چاہتے تھے، اور یہ دوسری ہجرت اسی طرف ہو رہی تھی، ان سب کو مدد دینے اور ان کی حمایت، اور فوجی قوت حاصل کرنے، اور کشمیر کی طرف بڑھنے کی تیاری کرنے کے لئے سب سے موزوں مقام بالاکوٹ تھا، جو وادی کاغان کے جنوبی دہانے پر واقع ہے، یہاں پونچکر وادی کو پہاڑی دیوار نے بند کر دیا ہے، دریا کے کنارے کے منفذ کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، پہاڑ کی دو دیواریں متوازی چلی گئی ہیں، بیچ میں وادی ہے، جس کا عرض آدھے میل سے زیادہ نہیں ہے، اسی خلا میں دریا کے کنارے گزر رہے، بالاکوٹ کے مشرق میں کالو خان کا بلند ٹیلہ، اور مغرب میں مٹی کوٹ کا ٹیلہ ہے۔

یہ دوسرا سفر ہجرت بھی نہایت پر مشقت اور پر خطر تھا، پہاڑوں کی چوٹیاں اوڑھ
 وادیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں، راستے نہایت پیدار اور نشیب و فراز کے تھے،
 راستے میں رسد اور بار برداری کا کوئی انتظام نہ تھا، یہ سفر بھی آپ کی بلند ہمتی اور اولوالعزمی
 اور رفتار کی جفاکشی، قوت ایمانی، اور صبر و تحمل، اور اپنے مقصد سے عشق کا آئینہ دار ہے،
 آپ پنجتار سے مختلف مقامات ہوتے ہوئے سچون پہنچے اور وہاں سے بالاکوٹ کا رخ
 کیا، سچون سے ۵ رذی قعدہ ۱۲۴۶ھ، ۷ اپریل ۱۸۳۱ء کو کوچ کر کے بالاکوٹ میں
 داخل ہوئے۔

آخری جنگ اور شہادت

شاہزادہ شیر سنگھ کو (جو اپنے والد مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے مجاہدین سے
 آخری جنگ کی مہم پر مامور تھا) جب معلوم ہوا کہ سید صاحب اپنے غازیوں کے ساتھ
 بالاکوٹ میں مقیم ہیں، تو اس نے سکھوں کی ایک بڑی فوج لے کر دریائے کنہار کے مشرقی
 کنارے، بالاکوٹ سے دو ڈھائی کوس پر پڑاؤ ڈالا، اور دھیرے دھیرے وہ لشکر
 بالاکوٹ کے قریب پہنچ گیا۔

جب یہ بات واضح ہو گئی، کہ سکھوں کا لشکر مٹی کوٹ سے اتر کر بالاکوٹ پر حملہ
 کرے گا، تو ایک موثر اور فیصلہ کن جنگ کے انتظامات کئے گئے، قصبے کا جائے وقوع، اوڑھ
 میدان جنگ کی طبعی کیفیت مجاہدین کے لئے سازگار تھی۔

راجہ شیر سنگھ بالاکوٹ کی اس طبعی صورت کو دیکھ کر اس کو تسخیر کرنے سے مایوس
 ہونے لگا، اور واپس ہونے کا ارادہ کر رہا تھا، کہ مقامی لوگوں میں سے کسی نے قصبے

تک پہنچنے میں اس کی رہنمائی کی، اور دیکھتے ہی دیکھتے شیرنگھ کی فوج مٹی کوٹ پر
 ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۲۶ھ ہجری ۱۸۳۱ء کو مورخ کی طرح چھاگئی، مٹی کوٹ سے
 اتر کر شیرنگھ کی فوج نے غازیوں پر یورش کر دی، سید صاحب آگے آگے اور مجاہدین پیچھے
 پیچھے تھے سکھوں کی گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں، آپ نے آگے بڑھ کر تکیہ کھی،
 اور دشمنوں کی طرف بڑھے، اور جس طرح شیر اپنے شکار پر جاتا ہے، اسی سرعت سے
 آپ جا رہے تھے، پچیس تیس قدم کھیت میں ایک بڑا سا پتھر زمین سے نکلا ہوا ہے، آپ
 اس کی آڑ میں جا کر ٹھہرے، اور آپ نے، اور آپ کے ساتھ غازیوں نے بندوقوں کی پھر
 قراہینوں کی باڑھ ماری، ان باڑھوں سے بے شمار دشمن مقتول ہوئے، اور منہزم ہو ہو کر
 پہاڑ پر واپس ہونے لگے، مجاہدین پہاڑ کی جڑ تک پہنچ گئے، دشمنوں کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر
 کھینچنے لگے، اور تلواریں مار مار کر ہلاک کرنے لگے۔

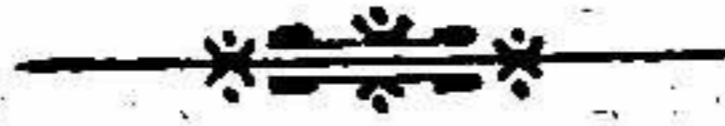
اسی اثناء میں سید صاحب لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے، مجاہدین کو آپ
 کی شہادت کا یقین ہونے لگا، اور وہ آپ کو تلاش کرنے لگے، ادھر مولانا محمد اسماعیل
 کے سر میں گولی لگی، اور وہ بھی شہید ہو گئے، دشمنوں نے دیکھا کہ مجاہدین ان کی شہادت سے
 سراپیمہ ہو رہے ہیں، تو انھوں نے تازہ اور بھرپور حملہ کر دیا، اور بندوقوں کی مسلسل بارشیں
 ماریں، جس سے بہت سے مجاہدین شہید ہو گئے، اور لڑائی کا نقشہ پلٹ گیا، بڑے بڑے
 علماء، مشائخ اور مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا، اور بڑی بے جگری سے لڑ کر جانیں دیں،
 اس معرکہ میں تین سو سے زیادہ مجاہد شہید ہوئے۔

بالاکوٹ کی اس سرزمین پر ان مبارک انسانوں کا وہ مبارک سفر تمام ہوا، جس کی
 ابتداء، رجمادی الآخرہ ۱۲۲۱ھ مطابق، جنوری ۱۸۲۶ء کی صبح کو سید احمد شہید

اپنے غازیوں کے ساتھ اپنے وطن رائے بریلی سے کی تھی، اور ۲۲ رذیٰ قعدہ ۱۲۴۶ھ
 ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو منزل مقصود پر پہنچ گئے، جس پر پوچھنے کے لئے اپنی محبوبیت و مقبولیت
 کو چھوڑ کر صحراؤں، دریاؤں، پہاڑوں، جنگلوں، وادیوں کو قطع کیا، درانیوں کی بے وفائی
 اور سردہری، بغاوت و سرکشی کا مقابلہ کیا، بالاکوٹ کے اس معرکہ میں سید صاحب مولانا
 محمد اسماعیل صاحب اور دوسرے ان مبارک نسلوں نے خدا کی راہ میں جام شہادت
 نوش کیا، جن کے دلوں میں عشق الہی کا شعلہ بے تاب، اور شہادت فی سبیل اللہ کا ایسا جذبہ
 صادق پیدا ہو گیا تھا کہ ان کو اپنی جان و بال جان، اور اپنا سروبال دوش معلوم ہونے
 لگا تھا، اور ان کے بن موسیٰ یہ صدا آتی تھی ہے

جان کی قیمت دیار عشق میں ہے کوئے دوست

اس نوید جاں فزا سے سروبال دوش ہے



اچھا پھر اس کا نام احمد رکھو

حضرت سید احمد شہیدؒ نے ۱۳۳۳ھ میں دہلی اور سہارنپور کا ایک تبلیغی و اصلاحی دورہ کیا، شہروں اور دیہاتوں میں کئی کئی دن اور کئی کئی ہفتے قیام کیا اور مسلمانوں کو اتباع سنت اور ترک بدعت کی دعوت دی، تزکیہ نفس اور تہذیبِ خلاق کی طرف متوجہ کیا اس سفر میں مولانا محمد اسمعیل صاحب جو سید صاحب کے ترجمان اور جماعت کے متکلم تھے عموماً وعظ کہتے اس مبارک سفر میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہزاروں انسانوں کو ہدایت ہوئی اور ایک کثیر تعداد کو توبہ کی توفیق حاصل ہوئی۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ یہاں پیش کیا جاتا ہے، جو خود صاحب واقعہ اپنی زبان سے بیان کر رہے ہیں۔

حاجی شیخ احمد کہتے ہیں کہ سید صاحب نے مولوی شاہ رمضان رٹکی والے کو خلافت عطا فرمائی تھی تاکہ اطراف و جوانب کے دیہاتوں میں تعلیم و نصیحت کے لئے دورہ کریں، مولوی صاحب موضع جالکا میں پہنچے جو اس خاکسار کا وطن ہے اور وہاں ایک مسجد میں وعظ فرمایا، میرا اس وقت نو سال کا تھا اور ہندو تھا، میں نے مسجد کے نیچے بیٹھ کر آپ کا وعظ سنا، آپ نے روزہ، نماز وغیرہ اور دوسرے نیک اعمال کے فضائل بیان کئے تین روز تک اسی طرح میں آپ کا وعظ سنتا رہا، میرے دل میں آیا کہ جب ان کا دین اتنا اچھا ہے

تو میں بھی اگر یہی دین قبول کر لوں تو بہت اچھا ہے، میرا یہ شوق دن بدن بڑھتا رہا، تیسرے روز میں نے ہمت کی کہ میں مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو جاؤں، میں مسجد میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ مسلمان آپ کا وعظ سننے کے لئے بیٹھے ہیں، اور بہت سے ہندو علیحدہ علیحدہ مسجد کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں، میں بھی جا کر کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد میرے دل میں ایسا سرور پیدا ہوا کہ میں اس نشہ سے سرشار ہو گیا، یہاں تک کہ بے اختیار ہو کر مولوی صاحب کے پاس جا کر عرض کیا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں، مجھے آپ مسلمان کر لیجئے، مولوی صاحب نے اپنے پاس بٹھا کر پوچھا کہ تم مسلمان ہوتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے مجھے اپنے ایک بھائی کے ساتھ بید صاحب کی خدمت میں سہارنپور بھیج دیا اور میں اسی ذوق و شوق کی حالت میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔

محسن خاں اور محمد حسین سہارنپوری بیان کرتے ہیں کہ جب یہ بچہ آپ کی خدمت میں سہارنپور پہنچا تو آپ نے اس کو اپنے پاس بٹھایا آپ بار بار اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اس ہادی مطلق کی شان دیکھو اس کا نور ہدایت جس کے دل میں پڑ جاتا ہے، وہ خود راہِ راست تلاش کرتا ہے پھر مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ نام خدا اس بچہ کو کلمہ توحید کی تلقین کیجئے اور اس نیک کام میں ذرا دیر نہ کیجئے، مولانا ممدوح نے کلمہ کی تلقین کی، آپ نے فرمایا کہ اس کا کوئی نام بھی تجویز کر دیجئے، مولانا کی زبان سے نکلا کریم الدین۔“

اس وقت مجلس میں اہل شہر کا ہجوم تھا، انھوں نے کہا کہ یہ نام رکھنے سے بعض لوگ ناراض ہوں گے کیونکہ عمائد شہر میں سے کسی آدمیوں کا یہی نام ہے، آپ نے

فرمایا کہ "اچھا پھر اس کا نام احمد رکھو" اس لئے کہ یہ میرا نام ہے، آپ نے اس بچے کو حکیم معین الدین کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ اس کو نماز سکھائیے اور قرآن کی تعلیم دیکھئے اور دین کے احکام و مسائل سے واقف کیجئے جب ہم آپ کو اپنے سفر حج کی اطلاع کریں تو اس کو بھی اپنے ساتھ لیتے رہئے گا، انشاء اللہ یہ حاجی ہوگا۔

پھر آپ نے اپنے تمام ہمراہیوں اور اہل شہر میں سے جو لوگ حاضر تھے، نیز مولانا عبدالحی و مولانا اسمعیل صاحب کو جمع کیا اور ان دونوں صاحبوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ جہالت کی چند باتیں لوگوں کے ذہن میں ایسی بیٹھ گئی ہیں کہ اگر یہ باتیں دل سے نہ نکلیں تو اس کا اندیشہ ہے کہ آخر میں دین و ایمان میں خلل نہ آجائے، اول یہ کہ جب کسی کا بچہ مرجاتا ہے اور اللہ دوسرا بچہ عطا کرتا ہے تو وہ اس پہلے بچے کا نام دوسرے بچے کا نہیں رکھتا اس ڈر سے کہ کہیں وہ بچہ بھی نہ مرجائے۔

دوسرے یہ کہ کوئی غریب مسلمان اپنے بچے کا نام روسا میں سے کسی کا نہیں رکھ سکتا۔

تیسرے یہ کہ دولت مند و امرا و غزبار کی دعوت قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں، اور ان کو اس میں شکی اور ذلت محسوس ہوتی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کھانا ہم پکاتے ہیں پیارے غریب لوگ نہیں پکاسکتے کیونکہ اس سے ہمسری اور برابری ٹپکتی ہے۔"

اس کے علاوہ کئی بعض ایسی ہی باتیں فرمائیں اور ان میں گڑبھت باتوں کی تردید فرمائی اور مولانا عبدالحی صاحب کو وعظ کا حکم دیا، مولانا نے ایسی روانی و خوش بیانی سے وعظ فرمایا کہ ہر ایک کا دامن آنسوؤں سے تر ہو گیا، ہر شخص کی زبان پر

آمناء و صدقاتھا، وعظ کے تتم ہونے پر آپ نے احکام الہی کی اطاعت کی دعا کی، جن لوگوں نے کریم الدین نام رکھنے سے منع کیا تھا، انھوں نے از سر نو بیعت اور سید صاحب کے ہاتھ پر توبہ کی۔

سچی توبہ

۱۲۳۴ھ میں سید صاحب پہلی بار اپنے قافلہ کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے اور ٹیلے والی عالمگیری مسجد (شاہ پیر محمد صاحب کی مسجد) کے قریب فروکش ہوئے اور اصلاح و تبلیغ کے مبارک کام کا آغاز کیا، یہ نواب غازی الدین حیدر اسٹہ جلوس (۱۲۲۹ھ) کی بادشاہی اور معتمد الدولہ آغا میر کی وزارت کا زمانہ تھا، لکھنؤ میں دولت منانی، حق تلفی اور تعیش کا دور دورہ تھا۔

لوگوں کی طبیعتیں عوام سے لے کر خواص تک عیش پر مائل تھیں، سید انشاء (م ۱۲۳۳ھ) کی دریائے لطافت (جس کی تالیف میں مرزا قتیل بھی شریک ہیں) کے مطالعہ سے اس زمانہ کے ادب کا بے ادبی، لیسٹ مذاقی، ادبی نسوانیت اور دماغی شہوانیت کا پورا پتہ چلتا ہے۔

سلطنت کا مرکز ہونے کی وجہ سے لکھنؤ اور وہاں کے شرفا زاہل حرفہ اور ملازمت پیشہ لوگوں کا مرجع اور امیدواروں کا قبلہ حاجات پورا ہاتھ قبضات کے

صد ہاشرفاودھ کی سرکار سے متوسل اور صد ہاشرف اور قسمت آزمائی کے لئے پڑے ہوئے تھے، اور اچھے برے ہر طرح کے لوگ یہاں آکر جمع ہو گئے تھے، ایک طرف وہ علم و ادب اور درس و تالیف کا مرکز تھا، دوسری طرف تعیش و بے راہ روی اور فسق و فجور کا۔

سید صاحب کی تشریف آوری اور آپ کے رفقاء کے اخلاق، کردار کا شہرہ دیکھتے دیکھتے پورے شہر میں ہو گیا، علمائے موعظ، رفقاء جماعت کی سادگی، جفاکشی اور اسلامی مساوات و اخوت، ان کی شب زندہ داری اور جوانمردی و شہسواری، ایثار و قربانی، خدمت و اطاعت، غرض ان تمام اوصاف نے شہر کی فضا کو متاثر کیا اور سیکڑوں ہزاروں آدمی آپ کے پاس آنے شروع ہوئے ان میں تاشانی بھی ہوتے، طالب حق بھی، اپنی گزشتہ غلطیوں پر نادم بھی، آخرت کے طلبکار اور رضا کے الہی کے امیدوار بھی اور شہادت کے گرفتار بھی، لیکن یہاں ان سب کو اپنے زخم کا مرہم، اپنے درد کا درماں اور اپنے مرض کی دوا ملتی سید صاحب سب سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے، عزت و محبت سے ان کو اپنے پاس جگہ دیتے، ان سے دجولی کی باتیں کرتے، ان کو جماعت کی نماز میں شریک کرتے، اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ سخت سے سخت دل والے بھی آپ کے پاس آکر درم پڑ جاتے، لوگوں کو سچی توبہ اور انقلاب حال کی توفیق ہوتی، وہ اپنی جاہلی عادات و اطوار سے باز آتے اور اس حال میں یہاں سے رخصت ہوتے کہ ان کی زندگی بدل چکی ہوتی، یقین کی روشنی اور تقویٰ کی متاع گرا تا یہ ان کے ہاتھ میں ہوتی، اور وہ سید صاحب اور آپ کے رفقاء کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہوتے، اسی زمانہ میں ایک تبر آپ حسب معمول مسجد میں اپنی جگہ پر تشریف فرما تھے کہ دو صاحبان

امان اللہ خاں اور ان کے بھائی سبحان خاں اور کئی شخص ان کے ہمراہ جو چوری جرم پیشگی میں طاق اور شہرہ آفاق تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے لوگوں نے ان کو آتے دیکھ کر... سید صاحب سے اطلاقاً کہا کہ یہ لوگ بڑے بد معاش اور حرام کار ہیں، اپنے فرمایا کہ خبردار ان کے سامنے اس کا کوئی تذکرہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ برے کام چھڑا کر ان کو نیک کام کی توفیق دے اور موت بھی ان کی اچھی ہو۔

انہوں نے آکر آپ سے مصافحہ و معائنہ کیا، آپ نے ان کو بڑے اخلاق و احترام کے ساتھ بٹھایا اور دیر تک متوجہ ہو کر ان کی طرف دیکھا، کچھ دیر کے بعد انہوں نے رخصت چاہی، فرمایا بہتر، فرمایا: تم کیا پیشہ کرتے ہو؟

انہوں نے بہت عذر کیا کہ آپ اس بات کو نہ پوچھیں اسی طرح رہنے دیں ان کے واقف کاروں میں سے کسی نے کہا کہ بتادو کیا مصافحہ ہے کچھ تمہارے لئے بہتر ہے، آپ نے بھی فرمایا بیان کرو۔

انہوں نے اپنی چوری اور حرام کاری کا تمام حال صاف صاف بیان کیا کہ اب تک ہمارا یہ پیشہ تھا مگر اب سے آپ کے دست مبارک پر توبہ کرتے ہیں، ہم جب کل آپ کے پاس آئے تھے اس وقت ہمارا کچھ خیال نہ تھا صرف سیر تماشہ کی غرض سے آئے تھے، مرید ہونے کا مطلق ارادہ نہ تھا، مگر جب ہم آپ کے پاس بیٹھے اور آپ کا اخلاق دیکھا تو ہمارے دل کا عجب حال ہو گیا کہ اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتے، یکایک دل میں ہی سمایا کہ سب گھربار بیوی بچے چھوڑ کر آپ کے پاس رہیں، اسی واسطے ہم آئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ آج موقوف رکھو جمعہ کو انشاء اللہ تم کو مرید کریں گے، یہ سن کر وہ چلے گئے۔

جمعہ کو کچھ دن چڑھے وہ آئے، آپ نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز کے بعد بیعت کرنا، نماز کے بعد وہ بیعت ہوئے اور کچھ زر نقد آپ کے نذر کیا، آپ نے ان سے لے کر پھر ان کے حوالہ کیا، فرمایا کہ ہماری طرف سے اپنے لڑکوں، بالوں کو دینا، انھوں نے کہا کہ اپنے اہل و عیال کو کیونکر آپ سے بیعت کرا دیں، فرمایا: کسی روز اس طرف جانا ہوگا تو مرید کر لیں گے۔

ایک روز آپ گولہ گنج کی چڑھائی پر جا رہے تھے، امان اللہ خاں نے عرض کیا کہ میرا عزیز خانہ قریب ہے، اگر وہاں قدم رنجہ فرمائیں تو عین عنایت ہو، ہمراہی وہیں کھڑے رہے، آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے، اور ان کے گھر والوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

امان اللہ خاں، سبحان خاں اور مرزا ہمایوں بیگ نوید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، ان کے زمرہ کے تین آدمی غلام رسول خاں غلام حیدر خاں اور صدر خاں اور تھے، ان کو یہ حال معلوم نہ تھا، ایک روز یہ تینوں صاحب امان اللہ خاں کے پاس آئے اور کہا کہ ان دنوں خرچ کی تنگی ہے، اس کی تدبیر کرنی چاہئے یعنی کہیں چل کر چوری کریں، انھوں نے کہا اب ہم سے کچھ نہ ہوگا، کہا کیا سبب ہے، آج کل نہ چلو گے یا کبھی نہیں، قصہ کیا ہے؟

مرزا ہمایوں بیگ نے کہا کہ بات یوں ہے کہ ہم توبہ کر چکے ہیں، اب ہم سے انشاء اللہ شریہ کام نہ ہوگا، انھوں نے کہا کہ تم نے توبہ کی، انھوں نے کہا شاہ پیر محمد کے ٹیکہ پر بریلی کے جوید صاحب اترے ہیں، ان کے ہم مرید ہو چکے ہیں، اور کچھ آپ کے فضائل و کمالات بیان کئے کہ ایک روز ہم چار پانچ آدمی بطور سیر و تماشہ ان کے پاس گئے کہ

دیکھیں تو کیا حال ہے۔ ملاقات ہوئی تو جیسا سنا تھا، ویسا ہی پایا اور نئے ہاتھ پر بیعت کی، انھوں نے ہم کو توبہ دلائی اس سے ہم کو بہت فائدہ ہوا۔ یہ بات سن کر غلام رسول غلام اور ان کے ساتھیوں کو بھی سید صاحب سے ملنے کا اشتیاق ہوا، سید صاحب سے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ ایسا معاملہ ہے، سید صاحب نے ان کو بھی اجازت دیا، وہ خدمت میں حاضر ہوئے تو سید صاحب کو جتنا سنا تھا، اس سے کچھ سواہی پایا، انھوں نے اسی وقت توبہ کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، اور اسی روز سے ان کی زندگی بالکل بدل گئی، وہ حرام مال سے نفرت کرنے لگے، اپنے گھروں میں کسی مشتبہ چیز کو استعمال کرنا ان کو بہت دشوار نظر آنے لگا، جب سید صاحب نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا، تو انھوں نے بھی رفاقت کی خواہش کی اس لئے کہ گھر میں رہ کر وہاں کی ناجائز اور مشکوک چیزوں کے استعمال سے بچنا مشکل تھا، سید صاحب نے ان کی تعریف کی اور بہت افزائی کی، ان کو برکت کی دعا دی اور رزق حلال حاصل کرنے کی ترغیب دلائی۔

جب سید صاحب نے جہاد کے لئے ہجرت کی تو ان میں سے اکثر آپ کے ساتھ تھے، ان میں سے بعض لوگ راہ خدا میں شہادت سے سرفراز ہوئے اور بعض لوگ زندہ رہے، اور انھوں نے اپنی ساری زندگی صلاح و تقویٰ، اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور نصیحت اور اعلا کلمۃ اللہ کی جدوجہد اور محنت میں گزار دی۔



عاشقی شبوہ رندان بلاکش باشد

مولانا ولایت علی عظیم آبادی ایک امیر اور عالی نسب خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کی پرورش اسی ناز و نعم میں ہوئی تھی، جس طرح نوابین و رؤساء کی ہوتی ہے، ان کے والد مولانا فتح علی ایک ممتاز عالم اور شہر کے سربراہ اور وہ وڈی جاہت بزرگ تھے، اور ان کے نانا رفیع الدین حسین خاں صوبہ بہار کے ناظم (حاکم) تھے۔

مولانا ولایت علی نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور اپنے شہر میں حاصل کی پھر لکھنؤ آئے جو اس وقت اودھ کا پایہ تخت، مرکز تہذیب و ثقافت اور شہر علم و ادب بنا ہوا تھا، یہاں ان کا پورا دور خوش پوشاکی اور خوش باشی، اور آرائش و نفاست کا دور تھا، قیمتی سے قیمتی اور اعلیٰ سے اعلیٰ پوشاک زیب تن کرتے اور خوشبوؤں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرتے۔

جب سید صاحب کا لکھنؤ تشریف لانا ہوا تو مولانا محمد اشرف لکھنوی اپنے شاگرد ولایت علی کو لے کر سید صاحب سے ملنے آئے مقصد صرف یہ تھا کہ ذرا آپ کی قابلیت کا امتحان لینا چاہتے، ان کے ہونہار شاگرد بھی شاید اس لئے آئے تھے کہ اپنے استاد کی فتح سے لطف اندوز ہوں، مولانا محمد اشرف نے سید صاحب سے دریافت کیا کہ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" کی تفسیر آپ کی زبان سے

سننا چاہتا ہوں!

سید صاحب نے اس پر کچھ تقریر فرمائی، اور خاص انداز میں اس کی تشریح کی، یہ وہ مضامین تھے جو مولانا محمد اشرف صاحب نے کسی کتاب میں نہیں پڑھے تھے، مولانا پر اس کا بہت اثر پڑا، اس قدر روئے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر دونوں نے اسی وقت سید صاحب سے بیعت کی اور ان کے شاگرد مولوی ولایت علی نے سید صاحب کا دامن ایسا پکڑا کہ پھر مرتے مرتے نہ چھوڑا، وہ ان کے ساتھ ان کے وطن رائے بریلی گئے اب یہ نوجوان (جو پٹنہ کے بانکے مشہور تھے اور ناظم بہار کے لاڈلے اور عیش و تحل میں اپنی مثال آپ تھے) انما لشی باتوں، اور طم طراق سے بالکل بے پروا ہو چکے تھے، کھانے پینے پینے کی لذت سے کہیں بلند اور لطیف حقائق ان کے دل و نگاہ کو اپنا اسیر بنا چکے تھے، یہاں اس چھوٹے سے گاؤں (دائرہ شاہ علم الشر) میں انھوں نے ایک ایسی زندگی کا مشاہدہ کیا جو ان کی گزشتہ زندگی کی بہ نسبت کہیں زیادہ حسین و جمیل اور فطرت سے قریب تر تھی، یہ اس زندگی میں پوری طرح گھل مل گئے اور جس طرح ان کے دوشرے سا تھکی محنت و خدمت میں مشغول تھے، اسی طرح یہ بھی اس میں مشغول ہو گئے، انھوں نے محسوس کیا کہ وہ پہلے سے زیادہ آرام و راحت میں ہیں اور ان کو جو لطف یہاں آرہا ہے، وہ اپنے گھر میں نہ آتا تھا۔

مولانا عبدالرحیم صادق پوری مصنف ”در منتور“ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ان کے والد ماجد مولوی فتح علی صاحب نے ایک خدمت گار کو جو بچپن سے آپ کی خدمت میں رہتا تھا، چار سو روپے نقد اور دس پندرہ عمدہ کپڑے اور جوتے وغیرہ ضروری اسباب دے کر آپ کے پاس بریلی کو روانہ کیا تھا، جب وہ خود مع ابا کے

بریلی میں پہنچا تو اس نے قافلہ میں جا کر پوچھا کہ پٹنہ والے مولوی ولایت علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ دریا کے کنارے مٹی کا کام کر رہے ہیں" وہ نوکر دریا کے کنارے پر پہنچا وہاں بہت سے لوگ گارے مٹی کے کام میں لگے ہوئے تھے، ان میں جناب مولانا بھی سیاہ رنگا ہوا ایک موٹا تہ بند باندھے ہوئے اور گارے میں لتھڑے ہوئے اپنا کام کر رہے تھے، ان ایام میں ان کی صورت ایسی متغیر ہو گئی تھی کہ اس قدیمی نوکر نے جو تیس برس آپ کا خدمت گار رہ چکا تھا، آپ کو نہیں پہچانا، خود مولانا سے اس نے پوچھا کہ پٹنہ والے مولوی ولایت علی صاحب کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بھائی ولایت علی تو میرا نام ہے، اس نے بہت غصہ ہو کر کہا کہ میں تم کو نہیں کھوجتا، میں ان ولایت علی کو کھوجتا ہوں جو مولوی فتح علی صاحب صادق پوری عظیم آبادی کے صاحبزادہ ہیں، آپ نے فرمایا کہ بھائی صادق پوری ولایت علی تو میں ہی ہوں، وہ نوکر اور تھا ہوا اور بولا کہ تم مجھ سے سنسی کرتے ہو۔

جب آپ نے دیکھا اس کو ہرگز یقین نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا، اچھا جاؤ قافلہ میں تلاش کرو، جب وہ اور طرف گیا اور دریافت کیا تو ہر شخص نے آپ ہی کی طرف اشارہ کیا کہ مولوی ولایت علی تو وہی شخص ہیں، جن سے تم دریا کے کنارے بات کر آئے ہو، تب وہ دوبارہ آپ کے پاس آیا اور اپنی جسارت پر نادم ہو کر معافی چاہی، آپ نے اس کو گلے سے لگایا اور بہت اخلاق سے پیش آئے، اس نے وہ خطوط سمیت روپے وغیرہ آپ کے حوالہ کئے اور عرض کی کہ ان کپڑوں کو پہنئے اور روپوں کو اپنے خرچ میں لائیے، کیونکہ وہ نادان سمجھتا تھا کہ خرچ نہ ہونے کے باعث آپ کی ایسی صورت ہو رہی ہے، آپ کی پہلی کیفیت اور پوشاک وغیرہ کو

یاد کر کے وہ زار زار رونے لگا، آپ نے اُس کی تسلی کر کے اس کو چپ کیا، جب رات ہوئی آپ وہ روپے اور کپڑے وغیرہ جیسے بندھے ہوئے آئے تھے، ویسے کے ویسے ہی لے کر بیڈ صاحب کے حضور میں حاضر ہوئے اور ان سب کو آپ کے سامنے رکھ کر خاموش اٹھ کر چلے آئے اور دوسری فجر کو اسی کتہے تہ بند سے اپنا معمولی کام کرنے لگے۔



متحرک اسلامی معاشرہ

ہندوستان میں فریضہ حج ایک عرصہ سے متروک تھا، اور بعض علماء نے جن کو علوم عقلیہ میں زیادہ غلو اور انہماک تھا اس بنیاد پر کہ بادبانی کشتیوں پر سمندر کا سفر خطرہ سے خالی نہیں اور *مِنْ اَمْتَطَاعِ اِلَيْهِمْ سَبِيْلًا* کے منافی ہے، حج کی عدم فرضیت اور ہندوستانی مسلمانوں کے ذمہ سے اس کے ساقط ہونے کا باضابطہ فتویٰ دے دیا تھا، لیکن غیرت دینی اور فراست ایمانی رکھنے والے اور راسخین فی العلم محسوس کر رہے تھے کہ یہ ایک بہت بڑی دینی تحریف اور ایک بڑا فتنہ ہے، جس کو اگر بروقت روکا نہ گیا تو پھر اس کو ختم کرنا مشکل ہوگا، اور اسلام کے اس عظیم الشان فریضہ اور دین کے اس اہم رکن کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے مستقل تجدید و جہاد کی ضرورت پیش آئے گی، اور اسلام کے مستحکم قلعہ میں ایک ایسا شکار پڑے گا جس کو بھرنا آسان نہ ہوگا۔

چنانچہ پید صاحب اور آپ کے دونوں رفقاء مولانا عبدالحی برہانوی اور مولانا محمد اسمعیل صاحبان نے علمی اور عملی دونوں طریقوں سے اس فتنہ کے انسداد کی کوشش شروع کی۔

اس کے بعد پید صاحب نے حج کی روانگی کا اعلان کیا، اس کے لئے آپ نے

لوگوں کو خطوط لکھے اور فود بھیجے، اور تمام ہمراہیوں کے سفر خرچ کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی، دیکھتے دیکھتے سارے ملک میں یہ شہرت ہو گئی کہ سید صاحب حج کو جاتے ہیں اور سب کو اس کی دعوت دیتے ہیں، اس تحریک و ترغیب سے محبت کی دہلی ہوئی چنگاریاں ابھر آئیں اور کبھی ہوئی آتش شوق بھرک اٹھی، پست ہمت لوگوں کی ہمتیں بلند ہوئیں، لوگوں نے فرط شوق میں اپنی اپنی زمین جائداد بیچ کر حج کی تیاری کی اور مسلمانوں میں ایک نئی ایمانی زندگی کی لہر دوڑ گئی، لوگوں کے خطوط اور فود آنے شروع ہوئے، کوئی دن ایسا خالی نہ جاتا جس میں ندائے خلیل پر لبیک کہنے والوں کا کوئی وفد نہ آتا ہو، آخر کار وہ مبارک دن آیا، اور شوال کی آخری تاریخ دو شنبہ (۱۲۳۶ھ) کے روز چار سو آدمیوں کے ساتھ آپ تکیہ سے روانہ ہوئے، سئی ندی کو پار کر کے، دوسرے کنارہ پر لوگوں کو (جو وہاں جمع ہو گئے تھے) رخصت کرنے کے لئے اور ان سے بیعت لینے کے لئے آپ نے کچھ دیر توقف فرمایا، اس کے بعد دکنو کی طرف روانہ ہوئے جہاں سے کشتیوں پر آپ کو کلکتہ جانا تھا، جس وقت آپ نے اپنا شہر چھوڑا اس وقت ہمراہیوں کی تعداد چار سو تھی۔

یہ قافلہ دراصل ایک گشتی مدرسہ، ایک متحرک چھاؤنی اور خالص اسلامی ماحول تھا، جس میں علماء و وعظ کہتے، لوگ دین و شریعت کے احکام اور اسلام کے آداب سیکھتے

۱۷ کلکتہ پہنچے پہنچتے یہ تعداد سات سو رفتار تک پہنچ گئی، جن کو لے کر آپ سفر حج پر روانہ ہوئے۔

۱۸ یہ وہ ندی ہے جو حضرت شاہ علم اللہؒ کی بنائی ہوئی مسجد کے عین نیچے بہتی ہے، یہ ندی ضلع ہردوی کے

ایک مقام سے نکلتی ہے رائے بریلی پر تباب گڑھ، اور جو نپور کے اضلاع سے گذرتی ہوئی گنگا میں گرتی ہے۔

۱۹ ضلع رائے بریلی کی ایک تحصیل اور ایک تاریخی قصبہ ہے، جو بلندی پر عین گنگا کے کنارہ واقع ہے۔

قافلہ کے سب ہمراہی راستہ کے سرد و گرم برداشت کرنے کے لئے تیار اور تنگی و ترشی میں بھی خدا کے ذکر کے ساتھ رطب اللسان رہتے تھے، کبھی سخت بارش ہوتی، کبھی کڑا کے کی دھوپ، دلہل اور کچھ ہندی نالے راستے میں ملتے، اگر کسی کا پاؤں پھسلتا تو وہ سینس سنس کر خدا کا شکر ادا کرتا اور کہتا کہ تیرے احسان کے قربان کہ تیرے راستے میں گرا ہوں، پھلنی نام لغزشوں اور ہرزہ گردی کی تلافی ہی ہے، کوئی خواجہ حافظ کا یہ شعر اپنے حسب حال پڑھتا

در بیاباں گرز شوق کعبہ خواہی زد قدم

سرز نشہاگر کند خار مغیلاں غم مخور

چار روز کے بعد جب قافلہ نے ایک مختصر مسافت طے کر لی، بعد نماز عشاء بید صاحب نے فرمایا کہ بھائیو تم نے کئی روز مولانا عبدالحی کا وعظ سنا ہے چند باتیں ہماری بھی انشاء اللہ تعالیٰ نماز صبح کے بعد سن لینا۔

سب لوگ نماز پڑھ کر حاضر رہے آپ نے فرمایا:

”بھائیو! اگر تم سب اپنے گھر بار چھوڑ کر حج و عمرہ ادا کرنے، اس نیت سے

جاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو تو تم کو لازم ہے کہ آپس میں سب مل کر ایسا

اتفاق اور خلق رکھو جیسے ایک ماں باپ کے نیک بخت بیٹے ہوتے ہیں، ہر ایک

کی راحت کو اپنی راحت، اور ہر کسی کے رنج کو اپنا رنج سمجھو، اور ہر ایک کے

کاروبار میں بلا انکار حامی و مددگار اور ایک دوسرے کی خدمت کو ننگ و عا

ذہبانو، بلکہ عزت و افتخار سمجھو، یہی کام اللہ کی رضا مندی کے ہیں، جب ایسے

اخلاق تم میں ہوں گے تو اور غیر لوگوں کو شوق ہوگا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں، ان میں

شریک ہونا چاہئے۔

الشریک کامل توکل رکھو، رزاق مطلق اور حاجت روا ہے برحق و ہی۔

پروردگار عالم ہے، اس کے حکم کے بغیر کوئی کسی کو کچھ نہیں دیتا۔

مجھ کو عنایت الہی سے قوی امید ہے کہ اس سفر میں اللہ تعالیٰ میرے

ہاتھوں سے لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا، اور ہزاروں ایسے

لوگ کہ دریائے شرک و بدعت میں اور فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور

شعائر اسلام سے مطلق ناواقف ہیں وہ بچے موقد اور متقی ہونگے، اور جناب الہی

میں میں نے اہل ہند کے لئے بہت دعا کی کہ الہی، ہندوستان سے تیرے کعبہ

کی راہ مسدود ہے، ہزاروں مالدار صاحب زکوٰۃ مرگے اور نفس و شیطان

کے بہکانے سے کہ راستے میں امن نہیں ہے حج سے محروم رہے، اور ہزاروں

صاحب ثروت اب چلتے ہیں اور اسی وسوسے سے نہیں جاتے، سو اپنی رحمت

سے ایسا راستہ کھول دے کہ جو ارادہ کرے دغدغہ چلا جائے، اور اس نعمت عظمیٰ

سے محروم نہ رہے، میری یہ دعا اس ذات پاک نے مستجاب کی اور ارشاد ہوا کہ

حج سے آنے کے بعد یہ راستہ علیٰ عموم کھول دیں گے، سو انشاء اللہ جو مسلمان

بھائی زندہ رہیں گے وہ یہ حال بچشم خود دیکھیں گے۔“

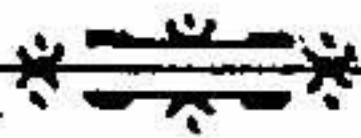
چنانچہ یہی ہوا، آپ کے اس سفر کی برکت سے حج کا دروازہ کھل گیا اور ایسا کھلا

کہ حاجیوں کی تعداد برابر بڑھتی گئی اور اس کے ترک کی داستان ایک داستان پارینہ بن کر

رہ گئی جس کی جگہ اب صرف تاریخ کے ایک دور افتادہ گوشہ یا حاشیہ پر ہے۔

خدمت خلق

کلکتہ جاتے ہوئے آپ جب مرزا پور پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ گھاٹ پر روٹی سے لدی ہوئی ایک کشتی گھڑی ہے، روٹی کا مالک مزدوروں کا منتظر تھا کہ اس روٹی کو لا کر گودام لے جائیں آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ روٹی کے گٹھے اتار لو صد ہا آدمی اس کشتی میں لپٹ گئے، اور دو گھڑی کے عرصہ میں ناؤ خالی کر کے روٹی گودام کے دروازے پر پہنچا دی، لوگ یہ حال دیکھ کر متحیر ہو گئے، اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ لوگ تو عجیب طرح کے ہیں کہ روٹی والے سے نہ جان نہ پہچان بے مزدوری اللہ فی الشراہ اس کا اپنا کام کر دیا، بے شک یہ الشراہ لے لوگ ہیں!



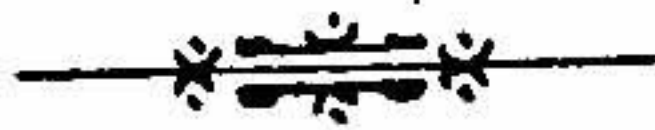
اسلامی مساوات

ہندوستان میں صدیوں تک رہنے کی وجہ سے مسلمان غیر اسلامی خیالات و عادات سے ایک حد تک متاثر ہو چکے تھے، ان کی دینی تعلیم بھی ناقص اور ناکافی تھی، خاص طور پر حکمران اور سربراہان اور وہ طبقہ اس مرض میں زیادہ گرفتار تھا، اور اس میں برادران وطن کے اثر سے جاہلیت کی بعض قبیح عادتیں پیدا ہو گئی تھیں، جن میں ایک بری عادت طبقہ واریت یعنی مخصوص برادریوں کو ارفع و اعلیٰ سمجھنا، کچھ مخصوص پیشوں کو حقیر سمجھنا اور نسب پر فخر کرنا ہے، بہت سے شرفدار اس طرح کے اہل حرفہ اور پسماندہ برادریوں سے ملنا جلنا اور ان کے ہاں کھانا کھانا اور ان کی خوشی غمی میں شرکت کو باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔

مرزاپور میں سات گھر مسلمان خشت پروں (بھٹہ کا کام کرنے والوں) کے تھے جو بڑے دولت مند تھے، ہر کسی کے یہاں پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ گدھے خچر تھے، جو ان اینٹیں مول لیتا، اور بار برداری کی مزدوری دیتا، وہ ان گدھوں خچروں پر لا کر کھجوا دیتے شہر میں وہ گدھے والے کر کے مشہور تھے، اگرچہ قوم کے وہ شریف تھے مگر اس نام اور پیشے کی حقارت و کراہت کے سبب سے مرزاپور کے مسلمان شرفدار و عزماں ان کے گھر کا کھانا پانی کھاتے پیتے نہ تھے۔

انہوں نے ایک روز سید صاحب سے عرض کیا کہ عزیز خانہ پر تشریف لائیں اور بیعت سے مشرف کریں، آپ نے منظور فرمایا، وہاں کے مسلمانوں نے عرض کیا کہ آپ ان کے یہاں نہ جائیں، یہ لوگ گدھے والے ہیں، شہر کا کوئی مسلمان ان کے گھر کا کھانا پانی نہیں کھانا پیتا، آپ نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے؟ یہ بھی تو مسلمان بھائی ہیں، حلال پیشہ کرتے ہیں، اس پیشے میں کوئی برائی عیب نہیں، اسکو معیوب جاننا بہت معیوب ہے، اس لئے کہ گدھے خچر پالنا، ان پر سوار ہونا سنت ہے، انبیار اور اولیاء نے خچر پالے ہیں اور ان پر سوار ہوئے ہیں، اب تک حرمین شریفین کا یہی دستور ہے، آپ نے ان کو نصیحت اور فہمائش کی اور اینٹ پکانے والوں کو تسلی دی کہ ہم ضرور تمہارے یہاں آئیں گے اور دعوت کھائیں گے، چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور کھانا تناول فرمایا۔

سید صاحب کی اس تدبیر اور عملی نمونہ کی برکت سے ان لوگوں اور اہل شہر کے درمیان بیگانگی کی جو دیوار حائل تھی، وہ خود بخود ڈھا گئی، اور اس کے بعد تمام لوگوں نے ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا شروع کر دیا۔



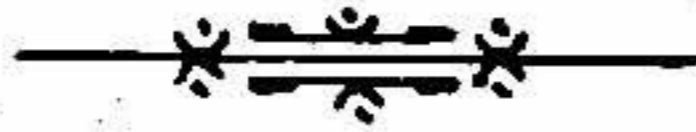
بھیاسے کہہ دو کہ اس کو یہاں بھیجیں

مولانا عبدالحی صاحب اس پورے قافلہ اور لشکر مجاہدین کے شیخ الاسلام تھے اور سفر و حضر میں ہر جگہ وعظ و ارشاد ان کا معمول تھا، جب یہ قافلہ کسی آبادی میں اترتا اور قیام کرتا مولانا عبدالحی صاحب وعظ کہتے اور لوگوں کو اصلاح حال اور توبہ انابت اور معاصی سے اجتناب کی تلقین کرتے، بدعات و مشرکانہ رسوم سے توبہ کی دعوت دیتے، ان کے مواعظ سے اکثر لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، دلوں میں ایسا ہی حرارت پیدا ہوتی وہ اسلام و ایمان کی تجدید کرتے اور خدا کی اطاعت اور ترک معصیت کا عہد کرتے، توفیق الہی ایک فاحشہ عورت کو مولانا کی ایک مجلس وعظ میں لے آئی یہاں تھوڑی دیر رہ کر اس کو اپنی سابقہ زندگی پر ندامت ہوئی اُس نے پیشہ سے اسی وقت توبہ کی اور ایمان و اطاعت اور طہارت و عفت کی زندگی گزارنے کا مولانا کے ہاتھ پر عہد کیا۔

لیکن مسلمان خاندانوں میں بہت سی جاہلی عادات سرایت کر چکی تھیں، اور ان میں خاندانی شرافت کا غرور پیدا ہو گیا تھا، اور یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہ دوسروں سے افضل ہیں، خاص طور پر جن لوگوں کے متعلق ان کو علم ہوتا کہ وہ گنہگار اور کسی معصیت میں گرفتار ہیں، وہ ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے، شریف گھرانوں کی خواتین ان کی عورتوں کے ساتھ جو نسب میں ان سے کمتر ہیں، بیٹھنا پسند نہ کرتیں اور اس کو بہت معیوب سمجھتیں

پردہ اتنا سخت تھا کہ اس کی وجہ سے بعض وقت فرائض اور نمازوں کا ترک لازم آتا تھا۔
 جب یہ عورت نائب ہوئی سید صاحب نے اپنے بھانجہ سید عبدالرحمن سے کہا کہ
 اس کو کشتی پر بٹھا دو وہ عورتوں کی کشتی پر لے گئے تو عورتیں چہنچہن لگیں کہ یہاں کوئی جگہ خالی
 نہیں ہے، دوسری ناؤ پر بٹھاؤ، سید عبدالرحمن صاحب نے سید صاحب سے عرض کیا،
 آپ نے مولوی وحید الدین صاحب سے فرمایا کہ اس نیک بخت کو کسی جگہ لیجا کر بٹھا دو انھوں
 نے عورتوں سے کہا، انھوں نے کہا کہ بازاری عورت ہے ہم تو اپنی ناؤ پر نہیں بٹھائیں گے
 سید عبدالرحمن صاحب نے سید صاحب سے ذکر کیا، مولانا عبدالحی صاحب نے یہ بات سنی
 اور وہاں سے اٹھ کر کشتی کے قریب گئے اور سب عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ
 تم اس نیک بخت کو اپنی ناؤ پر کیوں نہیں بٹھاتیں؟ آج اس نیک بخت نے سب
 برے کاموں سے توبہ کی ہے، اس وقت یہ ہم سب سے افضل ہے، اور جو کچھ خدا و رسول کا
 شرعی حکم تم پر ہے وہی اس پر ہے، ان سب نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو اس کو پردہ کر کے
 چھت پر الگ بٹھا دو، مولانا نے کہا کہ چھت پر کیا تم میں کوئی نہیں بیٹھ سکتی وہی کیوں
 جا کر بیٹھے، اس میں کچھ اور زیادہ گفتگو ہوئی مولانا نے خفا ہو کر فرمایا کہ اس میں عبدالحی
 کی جو بیوی ہو وہ چادر اوڑھ کر کشتی پر سے اتر آئے تین باہر ہی حکم فرمایا۔ دوبار کہنے سے
 تو وہ نہیں اتریں تیسری بار جب مولانا نے فرمایا کہ جس طور سے شرعی پردہ تم کو بتایا ہے
 اسی طور پر چادر اوڑھ کر چلی آؤ، پھر اسی طرح سر سے پاؤں تک چادر اوڑھ کر مولانا صاحب
 کی بیوی ناؤ سے اتر کر خشکی میں کھڑی ہو گئیں، مولانا کچھ دور کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ کیا گھر
 میں ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اس سفر میں تم کو چکی بھی بیسی پڑے گی، روٹی بھی پکانی
 پڑے گی، جو ضروری کام ہیں، سب کرنے پڑیں گے، پیدل بھی چلنا ہوگا، جب تم نے

یہ سب قبول کیا تب ہم نے تم کو ساتھ لیا، اس کے بعد لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر
 آواز دی کہ دیکھو عبدالحی کی بیوی کھڑی اور شرعی پردہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق اس کو
 کہتے ہیں اور یہ بات تین بار فرما کر اپنی بیوی سے کہا کہ اب وہیں ناؤ پر جا کر بیٹھو، اس کے بعد
 آپ نے مولوی وحید الدین صاحب سے کہا کہ ہماری بہن بی بی رقیہ سے کہدو کہ اس عورت
 کو اپنے پاس بلا کر بٹھالیں، اور اس کو نیک باتیں نصیحت کریں، اور دین اسلام کی باتیں
 سکھائیں، بی بی رقیہ بھی یہ باتیں سنتی تھیں مولوی صاحب سے کہا کہ بھتیاسے کہدو کہ اس کو
 یہاں بھیجیں۔



توبہ و ایمان کی ہوا چلتی ہے

حجاج کے اس قافلہ کو رائے بریلی سے کلکتہ تک صوبجات متحدہ بہار، اور بنگال ان تین صوبوں کے بیسیوں شہروں اور قصبوں سے گزرنا پڑا، شہر کی آبادی اور اہمیت اور اہل شہر کی طلب و خواہش کے مطابق اس کا مختلف جگہوں پر قیام ہوتا، ان مقامات پر اس قافلہ کا جس گرمجوشی اور ذوق و شوق کے ساتھ استقبال کیا گیا اس کا نظارہ بہت مدت کے بعد دیکھنے میں آیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ملک از سر نو بیدار ہو گیا ہے اور توبہ کی صلائے عام ہو گئی ہے، لوگ گروہ درگروہ، اور جوق در جوق بید صاحب کے پاس حاضر ہو کر بیعت ہوتے، آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتے توجید اور دین خالص کا عہد کرتے، شرک و بدعت اور معاصی و منکرات سے تائب ہوتے، شاعر الشکر کی عظمت اور سنت کی محبت ان کے دل میں راسخ ہوتی، اس بیعت و توبہ کا اثر ان کی زندگی پر بہت جلد ظاہر ہوتا، شرک و بدعت اور تشیع کے نشانات مٹائے جاتے، تعزیرے توڑے جاتے، چپوترے اور امام باڑے مساجد میں تبدیل کئے جاتے، بسا اوقات لوگوں نے کاغذ کے تعزیرے جلا کر اسی سے آپ کے قافلہ کی دعوت کی، شہر کے تمام باشندے استقبال میں نکل آتے اور کوئی باقی نہ بچتا، لوگوں کا اندازہ تھا کہ بعض اوقات قصبہ اور شہر کا کوئی آدمی ایسا نظر نہ آتا جس نے توبہ اور ایمان کی تجدید نہیں کی۔

بنارس میں ۱۵-۱۶ روز تک پانی کی جھڑی لگی رہی، اس موسملا دھار بارش میں وہاں کے لوگ سید صاحب کو بیعت کے لئے لے جاتے، بعض دفعہ آدھی رات گئے مکان پر تشریف لاتے، کچھ اور سیلاب کے باوجود آپ آنے جانے میں کسی سے عذر و حیلہ نہ کرتے، میاں دین محمد کہتے ہیں کہ بنارس میں جس وقت لوگ آپ کو لینے آتے، اسی وقت آپ ان کے ساتھ چلے جاتے، اندھیری رات بجلی چمکتی ہوئی مینہ برستا ہوا، لائٹیں روشن آپ لوگوں کے ہمراہ گھر گھر جاتے اور لوگ بیعت ہوتے، بعض وقت لوگوں سے فرماتے کہ بھائیو! یہ پانی کچھ میں تمہارا پھرنا محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اگر وہ پروردگار تمہارے اس پھرنے کو پسند کر کے اپنے غلاموں، تابعداروں میں شامل کر لے تو کیا عجب ہے یہ بات سن کر ہم لوگ خوش ہو جاتے، اور اس وقت کی تکلیف کو عین راحت جانتے اور ہرگز نہ گھبراتے۔

بعض مرتبہ کسی کسی محلہ میں کئی کئی ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی، دوسرے یا تیسرے روز ایک محلہ کے لوگ آپ کو لے گئے اور کہا کہ آج دونوں وقت آپ کی ضیافت ہے، انھوں نے کئی سو تعزیئے توڑ کر ان کے کاغذ اور لکڑیوں کے انبار لگائے تھے، آپ کو وہاں لیجا کر دکھایا اور عرض کیا کہ آپ کی دعوت کے یہ کھانے پکانے کا ایندھن ہے، دونوں وقت یہی لکڑیاں جلائی جائیں گی، پھر دونوں وقت انھیں لکڑیوں سے انھوں نے پلاؤ پکایا، اور تمام قافلے کو کھلایا، اور بے شمار آدمی جو بیعت کرنے سے باقی رہے تھے، انھوں نے بیعت کی۔

یہاں مسلمانوں کی مختلف برادریوں اور خاندانوں میں زمانہ سے نزاع چلی آ رہی تھی

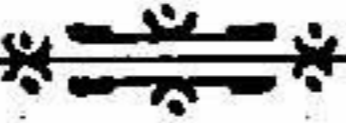
لہ و قائلہ ایضاً

اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے اور سلام کلام کے بھی روادار نہ تھے، کئی کئی سال ایک دوسرے سے ملاقات کی نوبت نہ آتی تھی، اور یہ عداوت اور قطع رحمی میراث کی طرح ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہو رہی تھی۔

سید صاحب نے اس صورت حال کے پیش نظر مسلمانوں کے درمیان صلح صفائی اور رفع نزاع باہمی کے لئے بڑا کام کیا، اور کئی برادریوں اور خاندانوں کے چودھریوں اور رؤساء و اشراف کو جو باہم دست و گریباں تھے ایک دوسرے سے ملایا، ایک موقع پر ان سب کو جمع کر کے آپ نے فرمایا کہ ہم نے اکثر لوگوں سے سنا ہے کہ بہت برسوں سے تمہاری آپس میں خصومت اور نا اتفاقی ہے، اور کسی طور سے رفع نہیں ہوتی، یہ سب فریب شیطانی ہے، اس میں طرح طرح کے نقصان ہیں، دین کے بھی اور دنیا کے بھی اور سب سے بڑھ کر نقصان قطع رحمی کا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو مالدار کیا ہے، اور ہر طرح کا ہنر دیا ہے، اس کو دنیا کے کام میں جس طرح چاہتے ہو، صرف کرتے ہو، اور اپنی ناموری پر مرتے ہو، تم کو لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو، اور اس کے کفران نعمت سے ڈرو اور آپس میں مل جاؤ؛ یہ سن کر سب ایک دوسرے سے نعل گیر ہو گئے، اور آپس میں صلح صفائی کر لی اور اس کے نتیجے میں ان کے ہزاروں برادری والوں اور ماننے والوں نے بھی نا اتفاقی سے توبہ کی، ان کی برادری والوں کے علاوہ جتنے ہندو مسلمان وہاں موجود تھے، یہ حال دیکھ کر عالم حیرت میں تھے، اور کہتے تھے کہ برسوں سے یہاں کے سیٹھ ساہوکار، اور شرفازا امراء اس کی کوشش کرتے رہے اور کسی سے کچھ نہ ہو سکا، اور سید صاحب نے ایک ہی جلسہ میں برسوں کا یہ قصہ طے کر کے ملا دیا

لے نتائج

توبہ و بیعت کی صدا سے بازگشت شدہ شدہ ہسپتال کے مریضوں تک پہنچی، بنا اس
 میں جو پرانی نکل سال مشہور تھی، اس میں انگریزوں نے اسپتال بنایا تھا، اس میں ۵۰-۶۰
 مسلمان مریض تھے، انہوں نے اپنا آدمی بھیج کر سید صاحب سے درخواست کی کہ ہم
 لوگ تو معذور ہیں، وہاں تک ہمارا آنا دشوار ہے، مگر آپ اللہ فی الشریہاں تشریف
 ارزانی فرمائیں تو ہم بیعت کریں، آپ ایک روز چند آدمیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے
 اور ان مریضوں سے بیعت لی۔



نفل سے فرض تک

عظیم آباد (ٹپنہ) پہنچنے پر آپ کی ملاقات چند تبتیوں سے ہوئی جو حج کے ارادہ سے ٹھہرے ہوئے تھے، بید صاحب نے ان سے ان کے ملک اور مسلمانوں کا حال پوچھا، انھوں نے کہا کہ مسلمان اس ملک میں بہت تھوڑے ہیں، اور اکثر صرف نام کے مسلمان ہیں، اور قبر پرستی اور پیر پرستی میں مبتلا ہیں۔

بید صاحب نے ان سے پوچھا کہ تم جو بیت اللہ شریف جانے کا ارادہ کرتے ہو کس قدر زادراہ تمہارے ساتھ ہے، اگر اس قدر ہے کہ کھاتے جاؤ اور کھاتے آؤ تو خیر جاؤ۔

انھوں نے عرض کیا کہ اتنا خرچ تو ہمارے پاس نہیں ہے، مگر ہم نے سنا ہے کہ آپ نے اذن عام دے دیا ہے کہ جو چاہے چلے ہم اس کو اپنے ساتھ چلیں گے سو ہم بھی امیدوار ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ یہ بات تو سچ ہے کہ جن شرطوں کے ساتھ ہم نے اذن عام دیا ہے، ان شرطوں کے ساتھ جو چاہے چلے، مگر چونکہ زادراہ تمہارے پاس کم ہے، اس لئے حج تم پر فرض بھی نہیں ہے، اور بیت اللہ شریف جانے سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو، اب اگر تم سب صاحب مالو تو ایک بات ہم کہیں کہ اس طرح کے

حج کرنے سے ثواب دو چند بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو، انھوں نے عرض کیا کہ اس سے بہتر کیا ہم حاضر ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ہم تم سب کو خلافت نامہ دے کر اپنا خلیفہ کریں گے اور جہاں ہم تم کو بھیجیں وہاں جاؤ، انھوں نے عرض کیا کہ ہم حاضر ہیں فرمایا کہ ہم تم کو تمہارے ہی ملک رخصت کریں گے، اور اعلام نامے لکھ دیں گے، وہاں جا کر مسلمانوں کو احکام توحید و سنت سکھاؤ اور شرک و بدعت سے بچاؤ، مگر ایک بات ضرور کرنا کہ کوئی تم کو لکڑی پتھرات گھونسہ کتنا ہی مارے تم اس پر صبر کرنا اور ان کو کچھ نہ کہنا اسی طور تعلیم و تلقین کرتے رہنا پھر عنایت الہی سے دیکھنا کہ تھوڑی ہی مدت میں دین اسلام کو کیسی ترقی ہوگی اور وہ سارے ایذا دینے والے خود آ کر تم سے خطا معاف کرائیں گے۔

یہ تمام گفتگو سن کر انھوں نے اپنا عذر بیان کیا کہ ہم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور وعظ و نصیحت کے لئے علم کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا، اندیشہ نہ کرو، اسلام اللہ کا ہے، وہ آپ ہی مدد کرے گا، اور انشاء اللہ تعالیٰ ہزاروں آدمی تمہارے ہاتھ سے ہدایت پائیں گے، کئی ورق میں توحید و سنت کی تاکید اور شرک و بدعت کی رد کی آیتیں اور حدیثیں لکھو اگر انکو دے دیں اور بنام خدا ان کو روانہ کر دیا۔

بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ سید صاحب کا فرمانا بالکل سچ ثابت ہوا، شروع میں ان کو بہت سختیوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ پامردی استقامت اور صبر کے ساتھ راہ حق پر چلے رہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہی لوگ جو کل ان کو ایذا پہنچانے میں سب سے آگے تھے، ان کے قدموں پر گر گئے اور ہزاروں آدمیوں کو ان سے ہدایت ہوئی، جب تبت میں دین حق کی دعوت اچھی طرح پھیل گئی تو ان میں سے

کچھ لوگ یہ پیغام لے کر چلین روانہ ہوئے اور اس ملک کے لوگ بھی اسلام کی حقیقت اور ایمان کی حلاوت سے آشنا ہوئے۔

اب ہم ٹیکس نہیں دے سکتے

سید صاحب اور آپ کے رفقاء حج کے ارادہ سے کلکتہ پہنچے اور یہاں کئی دن قیام کی نوبت آئی طالبین حق پر والوں کی طرح آپ پر ٹوٹے پڑتے تھے، ہجوم کی وجہ سے آپ کو آرام اور کھانے پینے کا موقع ملنا دشوار ہو گیا تھا، مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل کے مواعظ کا سلسلہ بھی پورے زور شور سے جاری تھا، لوگوں کو بہت دن کے بعد ایمان کی حلاوت نصیب ہوئی اکثر لوگ کہتے تھے کہ ہم از سر نو مسلمان ہوئے ہیں، پہلے ہمیں صرف اسلام کا نام اور دین کی صورت کا علم تھا، اس کی حقیقت سے ہم ناواقف تھے۔

مولانا عبدالحی صاحب جمعہ کو اور شنبہ کو نماز ظہر کے بعد شام تک وعظ فرماتے تھے، لوگ پروانہ وار جمع ہو جاتے تھے، روزانہ ۱۰۰-۵۰ ہندو مسلمان ہوتے، ان کے رہنے کے لئے ایک علیحدہ مکان تھا، قافلہ کے دس بارہ آدمی ان کی خدمت و راحت کے لئے مقرر تھے۔

اس وقت بنگال میں کثرت سے رواج تھا کہ پہلا نکاح تو والدین کر دیا کرتے تھے

اس کے بعد جس کا جی چاہتا کسی عورت کو اپنے گھر ڈال لیتا اور اس سے بغیر عقد و نکاح از دو اجی تعلقات قائم کر لیتا، چند علماء اس خدمت کے لئے متعین ہوئے، وہ بیعت کے بعد سو سو پچاس پچاس آدمیوں کو الگ بٹھا کر ان کے حالات دریافت کرتے جس عورت یا مرد کے بغیر نکاح کے تعلقات ہوتے اور وہ دونوں وہاں موجود ہوتے ان کا نکاح پڑھا دیا جاتا، اگر دونوں میں سے کوئی غیر حاضر ہوتا اس کو طلب کیا جاتا، اور نکاح پڑھایا جاتا، اگر اس کی حاضری ممکن نہ ہوتی تو سخت تاکید کی جاتی کہ جلد اس فرض کو ادا کیا جائے۔

برادر یوں اور خاندانوں کے چودھریوں اور سرداروں نے اپنے اپنے کنبہ خاندان میں اعلان کر دیا کہ جس نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور شرعی پابندی اختیار نہیں کی اس سے برادرانہ تعلقات منقطع ہیں، ہمیں اس سے اور اس کو ہم سے کوئی سروکار نہیں، اس اعلان پر اس قدر ہجوم اور رجوع اور دین کا ایسا رواج عام اور سنت کا بازار گرم ہوا کہ بقول صاحب مخزن سے

زدیں خلق و عالم پر آوازہ گشت
تو گفتی کہ عہد نبی تازہ گشت

کلکتہ میں شراب کی دکانوں کا یہ حال ہوا کہ یک سخت شراب بکنی موقوف ہو گئی، دکانداروں نے سرکار انگریزی میں اس کا شکوہ کیا کہ ہم لوگ سرکاری محصول بلا عذر ادا کرنے ہیں، اور دکانیں ہماری بند ہیں، جب سے ایک بزرگ اپنے قافلہ کے ساتھ اس شہر میں آئے ہیں، شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ان کے مرید ہوئے اور ہر روز ہوتے جاتے ہیں، انھوں نے کل مسکرات سے توبہ کی ہے، اب کوئی ہماری دکانوں کو

ہو کر بھی نہیں نکلتا۔

چنانچہ حکمنامہ نکلا کہ جب تک سید صاحب اور آپ کی جماعت کلکتہ میں مقیم ہے اس وقت تک ٹیکس نہ پڑیگا، آپ کے جانے کے بعد اگر وہ سابق حالت لوٹ آئے اور شراب کی خرید و فروخت حسب معمول ہونے لگے تو ٹیکس دوبارہ لگا دیا جائے گا۔

اسباب جہالت، یا سامان فلاح و ہدایت؟

یہ وہ عہد تھا جس میں ہندوستان کے مسلمانوں میں شہسواری و جواخردی کے اوصاف تیزی سے رو بہ زوال تھے، اور فاتح قوموں کا وہ کردار جس نے ان کے ماضی کو روشن اور تابناک بنایا تھا، اور جس کے ذریعہ انہوں نے بہت قلیل تعداد کے ذریعہ اس طویل و عریض ملک کو فتح کیا تھا، اب ان کے اندر نظر نہ آتا تھا، آرام طلبی ان کی سرشت میں داخل ہو گئی تھی، حمیت اسلامی اور غیرت دینی کمزور پڑ چکی تھی، انگریز ایک ایک ریاست اور صوبہ کو ہضم کرتے جا رہے تھے، دوسری طرف مسلمان خواب فرگوش میں محو اور عیش و آرام میں مست تھے، اور اس تکلیف دہ صورت حال سے ان کے اندر کوئی بے چینی نظر نہ آتی تھی، یہ بات اتنی بڑھ چکی تھی کہ وہ شہسواری و جاں بازی، شجاعت و بہادری اور سامان جنگ کو حقارت سے دیکھنے لگے تھے، اور اس کو جاہل اور گنوار لوگوں یا پست طبقہ کا شعا

۱۷۰ قتال احمدی

سمجھنے لگے تھے، اور ان کا یہ عقیدہ ہوتا جا رہا تھا کہ علم اور عبادت اور وقار و سنجیدگی کے ساتھ ان چیزوں کا کوئی جوڑ نہیں۔

دوسری طرف سید صاحب کے دل میں جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ موجزن تھا، اور اس ملک کو ظالموں سے آزاد کرانے، اعلاء کلمۃ اللہ اور شوکت اسلام کی تجدید و احیاء کی فکر آپ کے اعصاب و احساسات پر طاری تھی، اور آپ کی ساری فکریں اسی ایک فکر میں ڈھل گئی تھیں۔

سید صاحب کو بچپن ہی سے کھیل کا بڑا شوق تھا، خصوصاً مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کا، کبڈی بڑے شوق سے کھیلتے اور اکثر لڑکوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیتے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے قلعہ پر حملہ کرتا اور فتح کرتا، اس طرح نادانستہ آپ کی جسمانی و فوجی تربیت جاری تھی، ۱۲۲۷ھ میں آپ نواب امیر خاں والی ریاست ٹونک کے لشکر میں شامل ہو گئے، اور ان کے ساتھ متعدد معرکوں میں شریک رہے، آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح آپ کو اس ملک میں حکومت شرعیہ قائم کرنے کا موقع ملے گا، اور غاصبوں و ظالموں سے اس کی آزادی کا راستہ ہموار ہوگا، چنانچہ جب انھوں نے انگریزوں سے مصالحت کر کے ایک چھوٹی سی ریاست پر قناعت کر لی تو آپ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

آپ کا یہ ذوق و شوق قدرتی طور پر دوسرے ساتھیوں میں بھی سرایت کر گیا، اور یہ چھوٹا سا گاؤں جو پہلے صرف عبادت اور ذکر و تسبیح کا مرکز تھا، دیکھتے دیکھتے ایک فوجی چھاؤنی میں تبدیل ہو گیا، اب وہاں نشانہ بازی، شہسواری اور دوسرے جنگی فنون اور اس کی عملی مشقوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا اور بڑے بڑے علماء و مشائخ اور

شریف خاندانوں کے چشم و چراغ امرار و اغیار، فقر و غریبا، بوڑھے اور جوان اس میں
 مشترکہ طور پر حصہ لیتے تھے، یہ نئی بات اور نیا طرز زندگی بعض علماء و مشائخ اور باہل عباد
 و ریاضت کو جو بہت دور دراز سے سید صاحب کا شہرہ سن کر آئے تھے، ناگوار معلوم ہوئی
 اور ان کو محسوس ہوا کہ وہ پہلا دور اس سے کہیں بہتر تھا، جب ان کو عبادت کی حلاوت
 نصیب تھی اور ذکر و تسبیح کے سوا یہاں کے درو دیوار سے کوئی اور صدانہ آتی تھی، ان
 سب نے مل کر اس معاملہ میں سید صاحب سے گفتگو بھی کی، لیکن آپ نے ان کی رائے کو
 قبول نہ کیا اور ان کو وہ احادیث یاد دلائیں جو جہاد اور پرہ داری اور راہ جہاد میں
 محنت و مشقت کی فضیلت میں آئی ہیں۔

لکھنؤ میں ایک مرتبہ جب آپ قندھاریوں کی چھاؤنی میں تشریف لے جا رہے تھے
 آپ بھی ہتھیار باندھے ہوئے تھے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ تھے، عباد باقی خان صاحب
 نے یہ دیکھ کر کہا کہ: حضرت آپ کی سب باتیں تو بہتر ہیں مگر ایک بات مجھ کو ناپسند ہے اور
 وہ آپ کے خاندان والا نشان کے خلاف ہے، آج تک یہ طریقہ کسی نے اختیار نہیں کیا،
 آپ کو وہی کام زیبا ہے، جو آپ کے حضرات آبا و اجداد کرتے آئے آپ نے فرمایا کہ
 وہ کون سی بات ہے؟ کہا: یہ سپر تلوار، بندوق وغیرہ کا باندھنا، یہ سب اسباب
 جہالت ہیں آپ کو نہ کرنا چاہئے؟ یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو گیا اور
 فرمایا کہ: خاں صاحب اس بات کا آپ کو کیا جواب دوں؟ اگر سمجھئے تو یہی کافی ہے کہ

لے ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: دو آنکھیں ہیں جن کو آگ نہ چھو سکے گی ایک وہ
 آنکھ جو خدا کے خون سے روئی ہو اور دوسری وہ آنکھ جو راہ خدا کے پرہ میں جاگی ہو۔ — دوسری حدیث
 یہ ہے: جس اللہ کے بندہ کے دونوں قدم راہ خدا میں گرنا لود ہوئے اس کو آگ چھو نہ سکے گی۔

یہ وہ اسباب خیر و برکت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عنایت فرمائے تھے، تاکہ کفار و مشرکین سے جہاد کریں اور خصوصاً ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سلاخ سے تمام کفار و مشرک کو زیر کر کے جہان میں دین حق کو روشنی بخشی، اگر یہ سامان نہ ہوتا تو تم نہ ہوتے اور اگر ہوتے تو خدا جانے کس دین و ملت میں ہوتے۔

آپ کو سب سے زیادہ خیال جہاد کا رہتا تھا، جس کو مضبوط و توانا دیکھتے فرماتے کہ یہ ہمارے کام کا ہے، مورائیں (ضلع اناؤ) کے شمشیر خاں، الہ بخش، شیخ رمضان، اور مہربان خاں ملاقات کے واسطے آئے چاروں بڑے لمبے لمبے جوان تھے، آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا: ایسے جوان ہمارے کام کے ہیں پیراؤں لوگ ہمارے کام کے نہیں، اور بہت تعریف کی وہ آپ کا اخلاق دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ ہم غریب آدمی چار روپے کے سپاہی آپ ہماری اس طرح تعریف کرتے ہیں! بعد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد میں اپنا کام تم سے بہت لے گا، پھر مہربان خاں سے کہا کہ: اللہ تعالیٰ تم سے اور کام لے گا، ان تینوں سے اور کام لے گا، اور وہ دونوں کام خدا کی مرضی کے ہوں گے! پھر

لہذا وقائع "صفحہ ۴۴ - ۴۴۱، چنانچہ مہربان خاں حضرت کے متعلقین کی خدمت کے لئے سندھ میں لے پھر وہاں سے ان کے ساتھ ٹونک گئے اور باقی اکوڑہ کے پہلے ہی چھاپے میں شہید ہو گئے۔

انوکھی سوغات

جب لوگوں میں سید صاحب کے عزم جہاد کا چرچا ہوا اور یہ بات مشہور ہوئی کہ آپ سا ان جنگ اکٹھا کر رہے ہیں، تو قدرتی طور پر ہر شخص نے اس کی خواہش کی کہ وہ اس طرح کے ہدایا پیش کرے جن سے آپ خوش ہوں، اس زمانہ میں آپ کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب وہ تھا جو اس موضوع پر آپ سے بات کرے اور سب سے قیمتی ہدیہ وہ تھا جو جنگ میں کام آئے، مثلاً کوئی اچھی تلوار کوئی نئی طرز کی بندوق یا اعلیٰ پستول یا اصیل گھوڑا۔

اس معاملہ میں شیخ غلام علی الہ آبادی کا قدم سب سے آگے تھا، وہ قسم قسم کے ہتھیار خریدے اور کپڑے، نقد، سِلے اور بے سِلے کپڑے، قرآن مجید کے نسخے، کتابیں اور برتن اور جانور سید صاحب کی خدمت میں پیش کرتے، مولوی سید جعفر علی کے والد سید قطب علی کہتے ہیں کہ شیخ صاحب جتنی بار سید صاحب کی خدمت میں آتے، کوئی نہ کوئی تلوار یا کٹار یا کوئی ہتھیار ضرور لاتے، انھوں نے آٹھ نہایت عمدہ بڑی رائفلیں اور دوسرے ہتھیار پیش کئے، خیموں کی ایک مسجد بنائی تھی، وہ مع فرش کے حاضر کی، بلاشبہ جس طرح حضرت صدیق اکبر نے اپنی دولت سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری اور طاقت کی اسی طرح شیخ غلام علی الہ آبادی نے اپنی دولت سید صاحب کے قدموں کے

نیچے ڈال دی اور جہاد فی سبیل اللہ کے راستے میں دل کھول کر مال ٹھایا۔

مولوی محمد جعفر صاحب تھا نیسری لکھتے ہیں:۔

”انھیں دنوں میں شیخ فرزند علی صاحب غازی پور زینیا سے دونہا گیا۔

عدہ گھوڑے اور بہت سے ودی کے کپڑے اور چالیس جلد قرآن مجید

تھفے کر آئے اور سب عجیب تکفہ ہو شیخ صاحب موصوف نے کر آئے

وہ امجد نام ان کا ایک نوجوان بیٹا تھا جس کو انھوں نے مثل حضرت

ابراہیم خلیل اللہ کے راہِ خدا میں نذر کر کے سید صاحب کے حوالہ کر دیا اور

عزم کیا کہ اس کو اپنے ساتھ جہاد میں لے جائے اور تیغ کفار سے اس کی

قربانی کرائیے چنانچہ ایسا ہی ہوا بیٹے نے باپ کی نذر پوری اور شہید ہو کر

ان کو سزا دیا۔

آپ کے اعلان جہاد سے لوگوں میں اس درجہ جذبہ ایمانی پیدا ہوا اور ندا سے

ربانی ”انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ باپ بیٹے اور بھائی بھائی میں مسابقت شروع ہوئی اور قرعہ اندازی

کی نوبت آگئی۔

مولانا جعفر علی اپنی کتاب ”منظورۃ السعداء“ میں لکھتے ہیں کہ جب سید صاحب

کے سفر ہجرت اور قصد جہاد کی ہمیں اطلاع ملی تو ہمارے والد سید قطب علی اور برادر سید

حسن علی نے ارادہ کیا کہ وہ بھی قافلہ مجاہدین میں مل جائیں، میرا بھی کچھ ارادہ تھا، ہم میں

ہر شخص کی خواہش تھی کہ یہ سعادت اس کے مقدر میں آتی، منافست اس قدر بڑھی کہ

لے ”منظورۃ السعداء“ ص ۸۹ سوانح احمدی، صفحہ ۸۹۔

بالآخر معاملہ والدہ محترمہ کے سامنے لایا گیا، اور قرعہ فال میرے نام نکلا، چنانچہ سرحد جا کر
سید صاحب کے ساتھ مل گیا، آپ استقبال کے لئے باہر آگے تک تشریف لائے، خوشی سے
بندوقین سر کی گئیں، آپ نے مجھے اپنا کاتب مقرر کیا اور مولانا محمد اسمعیل صاحب
کے لشکر میں مجھے شامل کیا۔

خوش رہو اہل وطن، ہم تو سفر کرتے ہیں

جج سے واپسی پر ایک سال دس مہینہ آپ کا وطن میں قیام رہا، یہ پورا وقفہ
ہجرت و جہاد کی تیاری میں گزرا، اس کے لئے آپ نے بڑے موثر و بلیغ خطوط لوگوں کو
ارسال کئے، جن میں ان کی حمیت اسلامی کو ابھارنے، راحت و آرام سے دست کش
ہونے اور اہل و عیال اور وطن کو اس راہ میں خیر باد کہنے کی دعوت ہوتی تھی، اس کے
لئے آپ نے بہت سے مبلغ اور واعظ مختلف علاقوں میں بھیجے جنہوں نے مسلمانوں
میں جہاد کی روح پھونک دی اور شہادت کا شوق پیدا کر دیا، راہ خدا میں جہاد اور
شہادت کے فضائل جو حدیث میں وارد ہوئے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے
جو انعام و سرفرازی کا وعدہ ہے، اور اس کے ترک پر جس ذلت و نکبت اور اوبار کی
وعید ہے، وہ سب ان کے سامنے بیان کی، اور یہ ثابت کیا کہ اسلامی حکومتوں کے
خاتمہ، شعائر دین کے زوال، اور معاشرہ و زندگی کے فساد میں اس فریضے کے ترک کو

بہت دخل ہے، اور اس کی بے برکتی سے غیر مسلم بھی بلکہ مویشی، جانور اور کھیت کھلیاں تک محفوظ نہیں رہتے، اور یہ سب مسلمانوں کی فرض ناشناسی اور تعیش کی زندگی اور خود غرضی و مصلحت کو شکی کا نتیجہ ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب پنجاب میں مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر تھی، وہ وہاں بہت ذلت و خواری کی زندگی گزار رہے تھے، حکام کے ظلم و زبردستی اور اسلام دشمنی، اور فوجیوں کی درندگی و قسادت اور قتل و غارت گری، لوٹ مار، عورتوں کی آبروریزی اور اغوا کے واقعات عام تھے، مساجد کی بے حرمتی آزادی کے ساتھ کی جاتی، اور مسلمان خاموشی اور بے بسی کے ساتھ اس کا نظارہ کرتے اور زبان حال سے یہ کہتے:۔

اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو
 وَاللّٰمُ لَا تَقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اِلٰهِ
 السّٰرِ كِي رَاہِ مِیْنِ اُوْر كُزُوْرُوْی كِی خَاطِرُ سَے جِن مِی
 كُچھ مُرْدِ ہِیْنِ، اُوْر كُچھ عُوْرَتِیْنِ ہِیْنِ اُوْر كُچھ بچے ہِی
 اُوْر كُچھ عُوْرَتِیْنِ ہِیْنِ اُوْر كُچھ بچے ہِی
 جُوْد عَا كُ رہے ہِیْنِ كہ اے ہَاكے پُرُوْر دِگَارِ اِہْمِ كُو
 اَخْرَجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ
 اِسْتِی سَے بَاہِر نِكَا ل جِن كے رَہنے وَاے سَخْتِ
 اِہْلُهَا وَاَجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وِلِيًّا
 ظَا لِمِ ہِیْنِ اُوْر ہَاكے لَے غِیْب سے كُسی دُوْر سْتِ كُو
 وَاَجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيْرًا
 كُھڑا كُیجئے اُوْر ہَاكے لَے غِیْب سے كُسی حَا مِ كُو بھِیجئے
 (النساء - ۷۵)

یہ تفصیل کیلئے "صراط مستقیم" باب چہارم اور سید صاحب کے خطوط کیلئے "سیرت سید احمد شہید" (طبع چہارم) ملاحظہ کیا
 اس صورت حال کی تفصیل کرنل مالک لیل گریفن اور کنھیالال جلیے مورخین کی کتابوں میں مل سکتی ہے،
 ڈاکٹر اقبال نے تاریخ ہند کے اس عجیب و غریب دور کی تصویر اپنے ایک شعر میں لیل کھینچی ہے۔
 خالص شمشیر و قرآن را ببرد اندراں کشور مسلمانان ببرد

سید صاحب نے مناسب سمجھا کہ اپنے کام کا آغاز اس مظلوم خطہ سے کریں جہاں مسلمان ایک مطلق العنان فوجی حکومت کی وجہ سے سخت مصیبت میں گرفتار ہیں، اس کے بعد ہندوستان کی طرف توجہ کریں جس کو انگریزوں نے محض ایک دودھ دینے والی گائے سمجھ رکھا ہے، اس کے لئے پہلے یہ بات ضروری تھی کہ ان کے دائرہ اثر اور مرکز سلطنت سے باہر ہو کر ایک ایسے آزاد علاقہ سے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا جائے جو غیرت و خودداری اور جو انہر دی و شہسواری میں ضرب المثل ہے اور جس کے باشندے فنون حرب سے پیدا نشی طور پر واقف اور اس راہ کے نشیب و فراز سے بخوبی آگاہ ہیں۔ یہ علاقہ افغانستان اور پنجاب کی شمال مغربی سرحد پر واقع تھا اور وہاں کے قبائل قوت و طاقت، اور حریت پسندی میں مشہور اور نامور تھے، کسی بیرونی دشمن اور فاتح کے سامنے کبھی انہوں نے اپنا سر تسلیم خم نہیں کیا تھا، اور جنگ آزمائی میں ان کی پوری پرورش اور نشوونما ہوئی تھی، سید صاحب کے رفقاء میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو افغانی النسل تھے اور جن کے آباء اجداد مختلف لڑائیوں میں تلاشِ معاش میں یا طالع آزمائی کے جذبہ سے ہندوستان آکر آباد ہو گئے تھے، اور لشکر سے وابستہ ہو کر سلطنتِ مغلیہ یا سرکارِ اودھ کی خدمت و ملازمت میں مشغول تھے، ان میں بہت سے تجربہ کار فوجی قائد (جن میں سے بعض کا ذکر گزر چکا ہے) ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مامور تھے، اور لکھنؤ اور اس کے اطراف کے لشکر میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے، ان افغانیوں میں سید صاحب کے متعدد بہترین رفقاء، اور روحانی حلقہ بگوش اور اعوان و انصار موجود تھے، انہوں نے آپ کو اس علاقہ (سرحد) کی طرف ہجرت بردآمدہ کیا، جو ان کے عزیزوں رشتہ داروں اور دوست و احباب کا وطن تھا،

سید صاحب نے اس تجویز کو پسند کیا اور عزم کیا کہ اپنی جد و جہد کا مرکز اسی علاقہ کو بنائیں گے، اور جہاد و غزاکے مبارک کام کا آغاز ہمیں سے کیا جائے گا۔

۷۔ حجابی الآخرہ ۱۲۳۱ھ (۷ اربوری ۱۸۲۶ء) روز دو شنبہ آپ کی ہجرت کا دن تھا، جانب جنوب کسی ندی کے دوسری طرف آپ کا خیمہ لگا ہوا تھا، دو شنبہ کا دن بھائیوں عزیزوں اور دوستوں کو رخصت کرنے میں گزرا، رات کے وقت کشتی میں سوار ہوئے بہت سے آدمی پہنچانے کے لئے چلے، کچھ کشتی پر تھے، کچھ پانی میں، آپ نے کنارے پر جا کر دو رکعت شکرانہ ادا کیا اور بڑے تضرع و زاری کے ساتھ اللہ سے دعا کی، یہ شکرانہ کسی سلطنت کی فتح کا نہ تھا، نہ کسی ایسے مقام کے چھوڑنے کا، جہاں راحت و آسائش اور عزت و سر بلندی کے اسباب ناپید تھے، اور جس سے دل کو کوئی لگاؤ نہ تھا، یہ وہ مقام تھا، جہاں آپ کا خاندان ڈیڑھ سو برس سے آباد تھا، اور جس کے ذرے ذرے سے آپ کو انس تھا، جہاں ذاتی راحت و عزت کے وہ اسباب موجود تھے، جو کسی بڑے سے بڑے انسان کو میسر آسکتے ہیں، لیکن جس کام کو آپ نے مقصد زندگی بنایا تھا، اس کے حصول کا وہاں کوئی ذریعہ نہ تھا، اس لئے اس کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنے کا فیصلہ کیا، اور جب اس عزیز و محبوب سر زمین سے جس پر زندگی کی چالیس بہاریں گزاری تھیں، قدم نکالا تو اس پر محبوب حقیقی کی بارگاہ میں اس جوش و مسرت کے ساتھ سجد شکر ادا کیا، جس جوش و مسرت کے ساتھ کم لوگوں نے وطن کی واپسی اور سلطنت کی فتح پر سجدہ شکر ادا کیا ہوگا۔

تمام رات عزیز مردوں اور عورتوں کی آمد و رفت خیمہ تک رہی، سب کے دلوں پر آپ کی ہجرت اور فراق کا بڑا اثر تھا، ان میں سے سوائے محدودے چند اعزاء کے

جو سفر ہجرت و کارِ جہاد میں شریک تھے، پھر کسی عزیز سے اس جدائی کے بعد ملاقات نہیں ہوئی، خود دونوں بیویوں، ایک صاحبزادی (سارہ) عزیز بھتیجیوں سید اسمعیل و سید یعقوب سے بھی ملنا نہیں ہوا، اس وقت جانے والے اور رخصت کرنے والوں کو ضرور اس کا احساس ہوگا کہ اب ملاقات کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ منظر و منصور وطن واپس لائے اور سارا ہندوستان دارالاسلام بن جائے یا اہل وطن اس مہاجر فی سبیل اللہ کے پاس پہنچ جائیں اور یہ دونوں صورتیں ایسی تھیں کہ جو بظاہر آسان معلوم نہیں ہوتی تھیں۔

آخر روانگی کا وقت آیا اور آپ نے اپنے گائڈ (دائرہ شاہ علم اللہ) پر وداعی نظر ڈالی یہ وہ جگہ تھی جہاں آپ کا بچپن گزرا تھا، جس کی گود میں آپ نے پرورش پائی تھی، جس کا چہ چہ آپ کو عزیز تھا، جس کے دریا میں آپ بارہا پیرے تھے، جس کی مسجد کا گوشہ گوشہ آپ کے رکوع و سجود سے آباد و معمور رہا، جہاں آپ کے بڑے یادگار اور درخشاں دن اور بہت پر لطف ساعتیں گزری تھیں، آپ اس سے بیزار ہو کر نہیں جا رہے تھے، آج بھی آپ کا دل قدرتی طور پر اس کی محبت سے معمور اور یہاں کے رہنے والوں کے لئے جذبہ شکر سے معمور تھا، لیکن آپ نے اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے نفس کے مطالبہ کو اسلام کے مطالبہ کے تابع کر دیا تھا، اور ضمیر کے سکون اور قلب کی راحت کو جسمانی راحت پر ترجیح دی تھی، درحقیقت یہ حلاوت ایمانی، احساس فرض، اور جذب و شوق کی کمی یا گری تھی جس نے آپ کو رائے بریلی کے ایک گمنام موضع سے بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک پہنچا دیا۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ

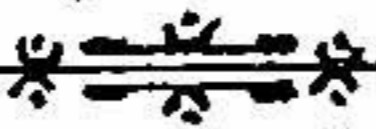
آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے

اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور
 تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں
 اور وہ تجارت جس میں نکاحی نہ ہونے کا
 تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو
 تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس
 کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے
 ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
 اپنا حکم (سزا) کا بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ
 بے حکم کرنے والوں کو ان کے مقصود تک

نہیں پہنچاتا۔

وَإِخْوَانِكُمْ وَأَنْزَلْنَا جَلْمَكُمْ وَعَشِيرَتَكُمْ
 وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ
 تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ
 تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ
 وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا
 حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
 الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

(التوبہ - ۲۴)



مہاراجہ گوالیار کے محل میں پہلی صدائے توحید

سید صاحب اپنے قافلہ کے ساتھ ریاست گوالیار سے بھی گزے، یہ ریاست حیدرآباد کے بعد سب سے بڑی ریاست تھی اور اس کا مہاراجہ دولت راؤ سندھیا مرہٹوں کا بہت بڑا رہنما اور انگریزوں کے زیر اثر سب سے بڑا غیر مسلم حاکم تھا مرہٹہ عرصہ دراز تک مسلمانوں سے برسر پیکار رہ چکے تھے، سید صاحب مہاراجہ اور اس کے وزیر ہندو راؤ سے پہلے مراسلت کر چکے تھے، اور ان کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ انگریزوں کے حقیقی خطرہ کو محسوس کریں اور یہ سمجھیں کہ جب تک اس ملک میں انگریزوں کا وجود ہے، کسی ریاست کی بقا اور کسی حریت کی ضمانت بے معنی ہے، ان دونوں نے اس کے جو جوابات دیئے وہ ہمدردانہ تھے، اور معلوم ہوا تھا کہ وہ اس مسئلہ کی اہمیت محسوس کرتے ہیں۔

جب آپ گوالیار پہنچے تو وزیر اعظم ہندو راؤ نے آپ کا شاہانہ استقبال کیا، آپ پہلے نواب فتح محمد خاں کے باغ میں فروکش ہوئے، دوسرے روز ہندو راؤ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ مہاراجہ دولت راؤ نے سلام عرض کیا ہے، اور کہلوایا ہے کہ میں بیمار ہوں، حاضر ہونے کی طاقت نہیں رکھتا اگر سرفراز فرمائیں تو بڑا کرم ہوگا، آپ نے فرمایا: بہتر ہے ہم ملاقات کے لئے آئیں گے، مہاراجہ صاحب کو تکلیف کرنے کی

ضرورت نہیں۔ دوسرے دن یا ایک دو روز کے بعد ظہر کے وقت آپ نماز کے بعد دولت راؤ کے محل میں تشریف لے گئے، یکے گان سرکاری استقبال کے لئے باہر آئے اور اپنے ساتھ محل میں لے گئے، ایک بہت بڑا فرش بچھا تھا، ہندو راؤ نے آپ کے تمام ہمراہیوں کو اسی پر بٹھایا اور آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دولت راؤ کے کمرے میں لے گیا، دولت راؤ نے بڑی تعظیم و تکریم کی، رانی چلین کے پیچھے بیٹھی تھی، طرفین سے سلام و مزاج پرسی ہوئی اور گفتگو شروع ہوئی۔

مہاراجہ نے عرض کیا، میں نے سنا ہے کہ آپ کی توجہ میں بڑی تاثیر و قوت ہے، امیدوار ہوں کہ مجھے بھی اپنے فیض سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے؟ باطنی توجہ تو قرب خداوندی حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور کفر اس کے منافی ہے، مقوی غذا تندرست آدمی کے لئے باعث تقویت ہے، نہ کہ بیمار کے لئے۔ مہاراجہ نے کہا، دوسرے بزرگان دین مجھے توجہ دے چکے ہیں، آپ ایمان کی شرط کرتے ہیں، کیا عجب ہے کہ خالق برتر آپ کی توجہ سے مجھے ایمان کی توفیق ارزانی فرمائے؟ سید صاحب نے فرمایا: چونکہ آپ ایمان کو سب سے قیمتی پیر سمجھتے ہیں، اس لئے میں توجہ کرتا ہوں۔ آپ نے اس کو سامنے بٹھا کر توجہ فرمائی۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ لشکر اسلام کے موذن شیخ باقر علی نے دروازہ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے عصر کی اذان دی، محل میں اندر سے باہر تک ایک کھلبلی سی مچ گئی، عورتیں تماشہ دیکھنے کے لئے کوٹھوں پر جمع ہو گئیں، سرکاری اہل کار کام چھوڑ کر تماشہ میں لگ گئے، دو فرانسسی بھی وہاں مقیم تھے، ان کو تعجب ہوا کہ آج تک کسی پیر فقیر نے یہاں ایسی صدا بلند نہیں کی، یہاں تک کہ مہاراج کے پیر صاحب کو بھی آج تک یہاں نماز پڑھتے ہوئے

کسی نے نہیں دیکھا، حالانکہ ان کی آمد و رفت یہاں بہت رہتی ہے، ہندوراؤ نے فوراً چوہدری کو حکم دیا بہشتی حاضر ہوئے اور ان کی آن میں مہالوں نے وضو کر کے صفیں درست کیں، لوگوں نے جاننا نہیں جو ان کے ہاتھوں میں تھیں بچھائیں، سید صاحب آگے بڑھ کر مصلے پر کھڑے ہوئے اور مکتبہ نے عربی لہجہ میں تکبیر کہی، آپ نے تکبیر کہی اور نماز شروع ہوئی، تمام حاضرین مجلس کی نگاہیں، آپ کے چہرے پر تھیں، آپ نے سفر کی دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا۔

دوسرے روز رات کے وقت ہندوراؤ نے دعوت کی، آپ اس کے مکان پر تشریف لے گئے، اس نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور فرش پر لایا، اتنے میں یکے گان کی آمد شروع ہوئی، ہندوراؤ ہر ایک کی تعظیم کے لئے اٹھتا تھا، سید صاحب بھی اس کے ساتھ تعظیم میں شریک ہوتے تھے، اس نے عرض کیا کہ آپ تشریف رکھیں آپ کو تکلیف کی ضرورت نہیں، البتہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کی الگ الگ تعظیم کریں، اس لئے کہ یہ ہماری ریاست کا دستور ہے، آپ بیٹھ گئے یہاں تک کہ بہت سے یکے گان حاضر ہو گئے، ہندوراؤ نے آپ کو پندرہ اشخاص اور پندرہ یکے گان کے ساتھ اپنے ساتھ لیا اور مکان میں لے جا کر فرش پر بٹھایا اور مہالوں کے ہاتھ خود دھلانے لگا، آپ نے منع فرمایا، اس نے کہا کہ میری سعادت اسی میں ہے کہ میں خود ہاتھ دھلاؤں اور آپ کے حاضرین کے سامنے کھانا چٹوں، آپ نے فرمایا کہ یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا، آپ تشریف رکھئے، آپ نے ہندوراؤ کے ہمراہیوں سے کہا کہ ان کے لئے کرسی بچھا دیجئے، ہندوراؤ حکم کی تعمیل میں بیٹھ گیا اور سرکاری اہلکاروں نے سید صاحب کے اور دوسرے حاضرین کے ہاتھ دھلائے، سب سے پہلے جو کھانا حاضر کیا گیا وہ مرہٹی کھانا تھا، جس میں پیسی ہوئی

سرخ مرچ بہت تھنی، ابھی کسی نے چکھا ہی تھا کہ منتظمین اٹھا کر لے گئے، ہندوراؤ نے عرض کیا کہ ہمارا اصلی قومی کھانا یہی ہے، اس کے بعد ہندوستانی امراء کے کھانے شیرماں پراٹھے، کئی قسم کے پلاؤ، تینجن، کئی قسم کے قلیے، فیرنی اور یا قوتی وغیرہ لائے، لوگ تھوڑا تھوڑا کھانے پائے تھے کہ ان کو اٹھایا اور دوسرے کھانے کئی قسم کے کباب، پسندے، سیخ کباب، بھنا ہوا مرغ وغیرہ لائے اسی طرح کئی دور ہوئے یہاں تک کہ کھانے سے فراغت ہوئی اور ہاتھ دھلائے گئے اور پان کے بیڑے جن پر سوتے کے ورق لگے ہوئے تھے، لائے گئے، اور عطر لگایا گیا، اس کے بعد کپڑوں کے خوان آئے جن میں اکثر سرخ رنگ کے سیلے اور مندیل تھے، آپ نے دیکھ کر فرمایا "اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہندوراؤ نے کہا "یہ پختہ رنگ ہے، سوشوب میں بھی رنگ میں فرق نہ آئے گا یہ سب برہان پوری ہے، سنا ہے کہ پختہ رنگ شرع شریف میں درست ہے" جوڑوں میں ایک جوڑا کم تھا، سید عبدالرحمن کے لئے فوراً ایک جوڑا منگوایا گیا۔

سید صاحب کے جوڑے میں قیمتی مروارید کا ایک ہار تھا، اور ایک زریں چوعدہ، ہندوراؤ اپنے ہاتھ سے پہنانے لگا، آپ نے عذر فرمایا اس نے عرض کیا کہ میری تمنا ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے آپ کو پہناؤں ورنہ میں جانتا ہوں کہ آپ استعمال نہیں فرمائیں گے، اس کوشش میں موتی کی لڑی ٹوٹ گئی، اور مروارید بکھر گئے حاضرین نے چن کر خوان میں رکھ دیا اور آپ کی فرودگاہ میں بھیج دیا گیا۔

جہاد سے پہلے جہاد

قافلہ مجاہدین کا یہ سفر جس میں لکھنؤ و دہلی کے بہت سے شریف زادے علماء و مشائخ اور ناز و نعم میں پلے ہوئے نوجوان بھی تھے، نہایت دشوار گزار اور خود ایک مستقل جہاد اور طویل سلسلہ مجاہدات تھا، ان کے راستے میں ایسے طویل ریگستان آئے جس میں پانی اور غذا کا دُور دور پتہ نہ تھا، ایسے خوفناک جنگل آئے جس میں بڑے سے بڑا سر بھی راستہ بھول جائے، ان کو اس سفر میں متعدد بار ڈاکوؤں اور چوروں سے واسطہ پڑا، ایسے قبیلوں کے درمیان سے گزر ہوا، جن کی زبان اور معاشرت بالکل اجنبی تھی، بعض وقت ان کو ایسے کنوؤں پر قناعت کرنی پڑی جن کا پانی بید گہرا بالکل کھاری تھا، کبھی ان کو پانی حاصل کرنے کے لئے خود کنواں کھودنا پڑتا، ان کو سیکڑوں میل سخت ریتی زمین سے گزرنا پڑا اور ایسے علاقوں کو بھی پار کرنا پڑا جن میں سخت نشیب و فراز اور جا بجا ریت کے توڑے تھے، ان میں ایک قدم چلنا دو بھر تھا، اور اگر کوئی تھک کر قافلہ سے بچھڑ جائے تو درندوں یا ڈاکوؤں کا لقمہ ترین جانے کا پورا اندیشہ تھا، مزید براں یہ کہ جن آبادیوں سے قافلہ گزرتا وہاں کے لوگ ان سے خوف زدہ ہوتے، اکثر کنوؤں کا پانی خراب اور ناقابل استعمال بنا دیتے، کئی جگہ وہ باقاعدہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے اور بڑی شکل سے ان کو سمجھایا بچھایا گیا۔

غرض اس حال میں اس قافلہ نے مارواڑ کا مشہور ریگستان عبور کیا، اس پہلے مرحلہ میں انھوں نے دو سو اسی میل کی مسافت طے کی اور بالآخر سندھ میں داخل ہو گئے یہاں حالات بہت مختلف تھے، یہاں کے مسلمان امرار اور عام باشندوں نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا، یہ علاقہ سادات اور علماء و مشائخ کے اکرام اور مہمان نوازی میں مشہور تھا، لوگوں نے بڑی تعداد میں بیعت اور توبہ کی، سید صاحب نے بھی وعظ و نصیحت، توحید و سنت کی دعوت، حجت اسلامی اور غیرت ایمانی کی تحریک، جھگڑوں کو ختم کرانے اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو ملانے اور دست و گریبان لوگوں کو شیر و شکر بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، لیکن جب مجاہدین بلوچستان میں داخل ہوئے تو پھر ان ہی سخت حالات کا سامنا تھا، برسات کا موسم شروع ہو چکا تھا، اس لئے ان کو جگہ جگہ سیلاب یا تالاب سے واسطہ پڑتا، راستے بید خراب اور سفر و سواران کو ایک ایسے پہاڑی علاقہ سے گزرنا تھا، جہاں تہذیب و تمدن کا گزرنہ تھا، بہرن بے خوف و خطر وہاں گھومتے اور جس کو چاہتے آزادی کے ساتھ لوٹتے اس لئے یہاں قافلے پورے ہتھیار اور پیرہ کے ساتھ گزرتے تھے، پانی کی بید قلت اور خاردار جھاڑیوں اور جنگلی درختوں کی کثرت تھی، ان صحراؤں میں مشہور بلوچ قوم رہتی تھی، ان کو اکثر درخت کاٹ کر نہروں کا پل بنانا پڑتا اس کے بعد اس پر قافلے اور اونٹ وغیرہ گزرتے، سید صاحب اس کام میں اپنے رفقاء کے ساتھ پوری طرح شریک رہتے، کبھی کسی جگہ ضیافت اور دعوت کا بھی موقع آتا اور ان کو عزت و اکرام کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا، اہل قافلہ اس پر خدا کا شکر بجالاتے اور ان تمام تکلیفوں پر حروف شکایت زبان پر نہ لاتے۔

بالآخر وہ تاریخی "درہ بولان" آگیا، جو افغانستان سے ہندوستان آنے کا واحد راستہ ہے، یہ "درہ خیبر" کے بعد دوسرا درہ ہے جس کے شمال و جنوب سے فتح ہندوستان آتے تھے، "درہ بولان" ایک قدرتی راستہ ہے، جو قدرت الہی نے اولوالعزم فاتحین اور ضرورت مند مسافروں کے لئے اس طویل سلسلہ کوہ کے اندر پیدا کر دیا ہے، جو ہندوستان کو افغانستان سے جدا کرتا ہے، گویا اس سد سکندری کے اندر ایک قدرتی شکاف ہے، جس سے احتیاط کے ساتھ قافلے اور لشکر گزر سکتے ہیں، یہ ایک طویل اور گہری گھاٹی ہے، جو کوہ براہو (BRAHUICK) کو کاٹتی ہوئی پچپن میل تک چلی گئی ہے، اس کے دونوں طرف پہاڑوں کی زبردست دیواریں ہیں، جن کی بلندی سطح سمندر سے پانچ ہزار سات سو فٹ تک ہے، بعض جگہ ان میں کافی چوڑے شکاف پائے جاتے ہیں، مگر عموماً ان کی چوڑائی چار اور پانچ سو گز کے درمیان ہے، پہاڑی باشندے اور ڈاکو قافلوں کو لوٹنے کے لئے اس کے دونوں غاروں میں چھپے رہتے ہیں اور موقع پا کر نیچے گھاٹی سے گزرنے والے بے بسوں پر اچانک ٹوٹ پڑتے ہیں، اور آسانی سے ان کا کام تمام کر دیتے ہیں، بعض جگہ یہ گھاٹی اتنی تنگ ہوتی ہے کہ صرف چالیس فٹ رہ جاتی ہے۔

سید صاحب اور آپ کے رفیقار شمال تک پہنچنے کے لئے اس درہ کو پار کرنے پر مجبور ہوئے جو بعض جگہ سزنگ کی طرح معلوم ہوتا تھا، وہاں سے آپ کو قندھار غزنی اور اس کے بعد کابل جانا تھا، شمال کے مسلمان اور مجاہد امیر نے آپ کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور ضیافت کی۔

لہٰذا یہ شہر اب کوٹہ کہلاتا ہے، اور بلوچستان میں واقع ہے، اور فوجی و جغرافیائی اہمیت کا حامل ہے

ملک افغانستان میں

سید حمید الدین صاحب لکھتے ہیں "آخر خیر و خوبی کے ساتھ ہم ظہر کے وقت شہر شال میں داخل ہوئے یہاں کے لوگوں کی زبان افغانی ہے، دوسروں کی بات سمجھ نہیں سکتے وہ کمال خلوص اور اعتقاد کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے یہاں کا حاکم جو محراب خاں کی طرف سے مقرر ہے، ایک عظیم الشان سردار ہے، اور رؤسا و امراء کے طبقے میں ایسا دیندار آدمی کم دیکھنے میں آیا ہے، وہ بھی حضرت کی قدمبوسی کیلئے حاضر ہوا اور لشکر کی ضرورتوں کی تکمیل، بروقت خبر گیری اور دجوئی کا انتہائی خیال رکھا اور حضرت کی خوشنودی سے مالا مال ہوا، وہاں سے دو کوس پر ایک دیہات میں سادات کا ایک گھر تھا، تیسرے روز اس گھر کے لوگوں نے کھانے اور میوے کی بڑی صیافت کی اور حضرت کو سو آدمیوں کے ساتھ اپنے گھر لے گئے اور بڑی خوشی سے کھانا کھلایا، اسی روز شال کے حاکم نے حضرت کے ہاتھ پر امدت اور جہاد کی بیعت کی اور حضرت کو بہت سے مجاہدین کے ساتھ اپنے گھر لے جا کر مہمانداری کا حق ادا کیا اور اس سفر میں

لے یہ درہ بولان کے شمالی دروازے کے عین متصل ہے، مجھ قدیم سے تقریباً سترہ میل ہوگا (سید احمد شہید)

لے محراب خاں جو اس وقت بلوچستان کا حاکم تھا محمود خاں کا بیٹا اور نصیر خاں اول کا پوتا تھا، نصیر خاں

نے بلوچستان کو ایک مستقل حکومت کی حیثیت دی اس نے ۱۹۴۷ء میں وفات پائی۔

اپنی معیت کی درخواست کی، حضرت نے اس کے حق میں دعائیں کیں اور فرمایا کہ جب ہم بلائیں تو تم آجانا۔

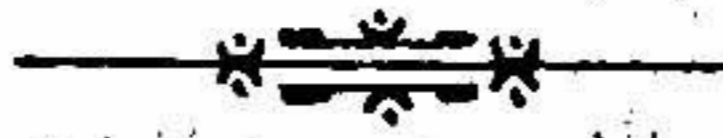
دوسرے روز ۲۸ محرم الحرام کو آپ قصبہ خوشاب و کاربز ملا عبدالشر سے کوچ کر کے قندھار کی طرف روانہ ہوئے سیکڑوں سواروں نے اپنے گھر سے نکل کر راستہ میں ملاقات کی اور فرودگاہ تک ساتھ آئے، ہزاروں شرفار و علماء و فضلاء شہر پیادہ پا استقبال کرتے تھے، اور سواری کے ساتھ ساتھ چلتے تھے کہ راستے اور سڑکیں تنگ ہو گئیں، ہجوم کی کثرت سے خویش و بیگانہ کی تمیز مشکل تھی، اس نزک و اختتام کے ساتھ آپ شہر کے قریب آئے، شہر سے ایک میل مغرب کی جانب دروازہ ہراتی کے قریب آپ کا خیمہ نصب ہوا اور لشکر نے قیام کیا۔

پردل خان حاکم قندھار نے اپنے بھائی شیردل خان کی وفات کی وجہ سے جس کو چوتھا روز تھا، حاضری سے معذرت کی اور صیافت کا سامان بھیج دیا، آپ نے سلام کہلایا اور فرمایا کہ کل صبح میں خود تعزیت کے لئے آؤں گا، دوسرے دن چالیس آدمیوں کے ساتھ آپ تعزیت و ملاقات اور مرحوم کی فاتحہ خوانی کی تقریب میں تشریف لے گئے، پردل خان اپنے تمام بھائیوں کے ساتھ دالان سے نکل کر استقبال کے لئے آیا، بڑی عقیدت کے ساتھ ملاقات و معائنہ کیا، اندر لے جا کر اپنی مسند پر بٹھایا، آداب و تعظیم بجالایا اور اس دور دراز سفر کے حالات و مقاصد دریافت کئے اور اس کی تفصیل معلوم کر کے ظاہری بے سرو سامانی کے باوجود حضرت کی اولوالعزمی پر حیرت کی اور اس کو تائید الہی شمار کیا، دو گھنٹے اسی قسم کی گفتگو اور رسم فاتحہ خوانی کے بعد آپ باہر تشریف لائے۔

۱۔ مکتوب سید محمد الدین، مکتوبات قلمی، ۲۰۲، ۲۰۲۔

چار روز قندھار میں قیام رہا، خاص و عام میں سے کوئی نہ تھا، جو حاضر نہ ہوا ہو
 ہر شخص نے باصرار معیت جہاد کی درخواست کی، نوبت اس کی پہنچی کہ بغیر آپ کی اجازت
 کے ہزار ہا اشخاص نے جہاد کے عزم سفر کا ساز و سامان درست کرنا شروع کر دیا، حکام کو
 معلوم ہوا تو شہر آشوبی کے خطرہ سے پریشان ہو کر بوابوں کو حکم دیا کہ شہر سے کسی کو نکلنے
 نہ دیں، لوگ اس پر بھی باز نہ آئے، تو حضرت کو پیغام بھیجا کہ آپ کے تشریف رکھنے
 سے سارا شہر شوق جہاد میں آپ کی معیت کے لئے بیقرار ہے، انتظام حکومت
 درہم برہم ہو رہا ہے، ہماری گزارش ہے کہ آپ کابل تشریف لے جانے میں تعجیل فرمائیے
 اور اہل شہر میں سے جو آپ کی معیت کی درخواست کرے قبول نہ فرمائیے۔

حضرت بے لطفی کے اندیشہ سے ۳ صفر کو قندھار سے روانہ ہو گئے اور
 کاربز حاجی عبدالعزیز پر قیام فرمایا، ۴ صفر کو وہاں قیام فرما کر قندھار سے کابل
 تک کے لئے اونٹ کرایہ پر لئے اور ۵ صفر کو وہاں سے کابل کی جانب روانہ ہو گئے اور
 قلعہ اعظم خاں پر منزل کی۔



افغانستان کے پایہ تخت میں

غزنی میں بھی آپ کا اسی طرح استقبال ہوا جس طرح قندھار میں ہوا تھا، غزنی دوروز قیام کر کے آپ کابل روانہ ہوئے۔

راستہ میں ملا حاجی ملا علی ایک سردار فوج شاہی، حکومت کابل کی طرف سے پچاس سوار اور پیادوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور سردار کابل کا سلام پہنچایا اور سرکاری طور پر آپ کا استقبال کیا، اکثر رؤسا و عمائد دار السلطنت اور ہزار ہا خاص عام آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے تھے، اور آپ کی سواری کے ہمراہ تھے نصف راستہ پر امین الشرفاں نائب سلطان محمد ظاہر بڑے تزک و احتشام سے سواروں اور پیادوں کے ساتھ آپ کا منتظر تھا، سلام و مزاج پرسی ہوئی، جہاں سے شہر کا دروازہ ایک کوس رہ جاتا ہے، وہاں سوار اور پیادہ استقبال کرنے والوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ راستہ چلنا مشکل ہو گیا، حصار کے دروازہ پر جہاں کوہ شمالی اور کوہ جنوبی آکر ملتے ہیں، اور ان کے درمیان سے کابل کی ندی بہتی ہے، اور اس کے شمالی ساحل پر شہر عام ہے اور اس دے سے مغرب کی طرف، جو وسیع میدان ہے، جب سواری وہاں پہنچی تو سلطان محمد ظاہر اپنے تین بھائیوں کے ساتھ پچاس سواروں کی جمعیت کے ساتھ استقبال کے لئے کھڑے ہوئے تھے، بید صاحب نے دور سے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا،

انہوں نے ادب سے سلام کا جواب دیا اور سواری سے اتر آئے، آپ نے بھی سواری سے اتر کر مصافحہ و معانقہ کیا، پھر حضرت کو سوار کر کے خود سوار ہو کر ہم کاب چلے، بے شمار رؤسا و عمائد شہر جوق جوق آ رہے تھے، اور سلام و مزاج پرسی کرتے تھے، گھوڑوں اور ہجوم کی وجہ سے ایسی گرداڑتی تھی کہ کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، سلطان محمد خاں نے اجازت چاہی اور اپنے نائب امین الشراخاں سے کہا کہ حضرت کو شہر کے بازار میں سے ہو کر لے جاؤ تاکہ تمام اہل شہر آپ کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کریں، آپ بازار سے گزر کر وزیر فتح خاں کی شاندار سوئی اور دلفزا پائیں باغ میں مقیم رہے۔

اس وقت ان بھائیوں میں (جنہوں نے افغانستان اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کو آپس میں تقسیم کر رکھا تھا) سخت رقابت و دشمنی تھی، جس کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو اس علاقہ میں سخت نقصان پہونچا اور اسی وجہ سے لاہور کی سکھ حکومت کو اس کی جرأت ہوئی کہ وہ اس آزاد علاقہ پر جو سپہ گری و شہ سواری کا مرکز، فاتحین و کشور کشاؤں کا وطن اور شیر مردوں کا مسکن سمجھا جاتا تھا لپچائی ہوئی نظریں ڈال سکے اور اسی وجہ سے سکھ اور اس کے بعد انگریز ان کے بعض ایسے علاقے چھین لینے میں کامیاب ہو سکے جہاں ابھی تک کسی غیر ملکی کا قدم نہ پہونچا تھا، اور کفر کا علم

لے یہ خاندان بیس سے زیادہ بھائیوں پر مشتمل تھا، جو ایک باپ پائندہ خاں کی اولاد تھے، لیکن ان میں سولہ زیادہ نام آور اور ممتاز تھے اور اکثر افغانستان، سرحد اور کشمیر کے مختلف علاقوں میں حکومت کرتے تھے، ان میں سردار دوست محمد خاں (امیر ان الشراخاں کے دادا) سردار سلطان محمد خاں (شاہ نادر خاں اور ظاہر شاہ کے دادا) یار محمد خاں حاکم پشاور، محمد عظیم خاں حاکم کشمیر، میر محمد خاں حاکم غزنی اور شیر دل خاں حاکم قندھار قابل ذکر ہیں۔

بلند نہ ہوا تھا۔

سید صاحب یہاں ڈیڑھ ماہ کے قریب ان سب کو متحد کرنے اور ان کو ایسی قوت بنانے کی سعی کرتے رہے، جو نئے خطرہ سے مقابلہ کر سکے، اسلام کی کھوئی ہوئی عزت اور افغانیوں کے مجروح وقار و اعتبار کو بحال کر سکے، اور ان کی مدد سے پہلے سکھوں سے اور آخر میں انگریزوں سے کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں، اور ایک ایسی اسلامی حکومت اور عسکری قوت کی بنیاد ڈال سکیں، جو ہندوستان کی سرحد سے قسطنطنیہ کی فصیل تک وسیع ہو، لیکن آپ کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، اور آپ وہاں سے پشاور کے لئے روانہ ہوئے تاکہ اپنے لشکر کے لئے مناسب مرکز اور چھاؤنی تلاش کر سکیں، اور ان اعلیٰ مقاصد کے لئے تیاری شروع کر سکیں جن کے لئے انھوں نے پنے گھر بار اہل و عیال اور اپنے محبوب و عزیز وطن کو خیر باد کہا تھا، پشاور میں تین روز آپ کا قیام رہا، وہاں سے ہشت نگر تشریف لے گئے، آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر اس مقام کے تمام مرد و مویشی کی طرح آپ کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے، جو انب و اطراف کی عورتیں بھی مجتمع ہو گئیں، آپ اس وقت اونٹ پر سوار تھے، اونٹ کے زین پوش کی جھال کو عورتوں نے تبرک کے طور پر توڑ لیا، اونٹ کی دم کے بال تک نوچ لئے، اونٹ کے پیروں کے نیچے کی خاک بھی تبرک سمجھ کر کوئی اپنی آنکھ میں لگاتی تھی، کوئی منہ پر لیتی تھی، کسی نے گھر لے جانے کے لئے

لے اس بات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے تاریخ افغان ARTHUR CONOLLY'S HISTORY

جو اس کی ضخیم کتاب "JOURNEY TO THE NORTH OF INDIA" (شمالی ہند کا ایک سفر) کا ضمیمہ و تکرار ہے۔

وہ خاک اپنے کپڑے میں باندھ لی، سب لوگوں نے آپ کو لے جا کر سنی کے کنارے آپ کا خیمہ نصب کیا اور سب قافلہ وہیں اُترا چند روز قیام کر کے اور وہاں کے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت و تبلیغ فرما کر خوشگلی ہوتے ہوئے نو شہرے تشریف لائے جہاں سے اس محبوب عمل عبادتِ عظمیٰ کا آغاز کیا گیا، جو برسوں کی دعوت و تبلیغ اور جدوجہد کا حاصل اور اس پر مشقت و پرمحنت سفر کا مقصد تھا، جس کی نظیر پچھلی صدیوں کے فاتحین اور کشور کشاؤں کی تاریخ میں بھی ملنی مشکل ہے، اور جو صرف قوت ایمانی شوق و محبت اور اعتماد علی اللہ کا کرشمہ تھا، یہ سید صاحب کی عظمت و عزیمت اور حسن تربیت کی ایک ایسی یادگار ہے جس سے ہندوستان کی ہزار سالہ اسلامی تاریخ خالی ہے۔



حکومت لاہور کو اعلام نامہ

۱۸ جماد الاول ۱۲۲۲ھ (۸ دسمبر ۱۸۱۲ء) کو آپ نو شہرہ پہنچے اور فیصلہ کیا کہ مجاہدین کی پہلی چھاؤنی اور لشکرگاہ کی ہی چھاؤنی ہوگی، آپ نے یہ بھی عزم کیا کہ یہ جہاد سنت کے موافق ہوگا اس لئے کہ یہ مجاہدین اپنے گھروں کو حب جاہ اور نفس کی جاہ کے لئے چھوڑ کر نہیں آئے ہیں، ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ کسی ریاست اور سلطنت کی بنیاد ڈالیں اور اس کے سایہ میں آرام کے ساتھ زندگی گزاریں اور لوگوں پر اپنا حکم چلائیں، وہ جاہلیت یا عصبیت کے پرچم کے نیچے جہاد نہیں کر رہے ہیں، جس کا مقصد صرف لوگوں کو ایک انسان کی غلامی سے نکال کر دوسرے انسان کی غلامی میں اور نفس کی خواہش سے دوسری خواہش کی گرفتاری میں لانا ہوتا ہے، وہ صرف اس لئے اپنا پسینہ اور خون بہا رہے ہیں، تاکہ اس سرزمین پر خدا کا نام بلند ہو، خدا کا دین اور قانون غالب ہو، اس لئے آپ نے عزم کیا کہ یہ سارا جہاد قتال کتاب و سنت، اسوۂ نبویؐ اور صحابہ و تابعین کے نقش قدم پر ہو، اور وہ اس معاملہ میں صرف تابع ہوں بتدع نہ ہوں۔

۱۸ نو شہرہ اس زمانہ میں انگریزوں کی بڑی فوجی چھاؤنی تھی، اب وہ مغربی پاکستان کے صوبہ سرحد کا ایک ضلع ہے۔

حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو اس کو وصیت فرماتے تھے کہ جب تم مشرکین سے برسرِ پیکار پہنچاؤ تو ان کو تین باتوں کی دعوت دو، اگر ان تینوں میں سے وہ ایک بات بھی مان لیں تو ان سے درگزر کرو، پھر ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ یہ دعوت قبول کر لیں تو ان کی بات مان لو اور ان سے اپنا ہاتھ روک لو، پھر ان کو مہاجرین کے وطن کی طرف ہجرت کرنے کی دعوت دو اور ان کو آگاہ کر دو کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو مہاجرین کے سارے حقوق ان کو حاصل ہوں گے، اور ان کی ذمہ داریاں بھی ان پر عائد ہوں گی، اگر وہ اس سے انکار کریں تو ان کو بتا دو کہ ان کی حیثیت اعرابوں کے برابر ہوگی اور ان پر وہی قانون نافذ ہوگا جو عام مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے، اور ان کو غنیمت میں اس وقت تک حصہ نہ ملے گا جب تک وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد نہ کریں، اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرنا، اگر وہ جزیہ دیں تو اپنا ہاتھ روک لینا، اگر انکار کریں تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا اور ان سے قتال کرنا، مسلمانوں نے عہدِ آخر میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کو بالکل فراموش کر دیا تھا، بالخصوص

لے صحیح مسلم (بروایت سلیمان بن بریدہ)

۱۵ اس بات سے صرف حضرت عمر بن عبدالعزیز مستثنیٰ ہیں، جو شریعت کے مکمل قانون اور مانی و دیوانی و انتظامی و حربی معاملات میں سنتِ نبوی پر سختی سے کار بند رہے، اور جنھوں نے سمرقند کو فتح کرنے کے سات سال بعد واپس کر دیا، اہل سمرقند نے ان سے شکایت کی کہ قبیلہ نے اس شہر پر اسلام کی دعوت دیئے بغیر قبضہ کر لیا اور ان کو جزیہ اور قتال میں انتخاب کا موقع نہیں دیا، انھوں نے قاضی کو حکم دیا کہ اس معاملہ کی تفتیش کریں، اگر سمرقند کے مشرکین کی بات صحیح ثابت ہو تو اسلامی لشکر کو شہر چھوڑنے کا حکم دیا جائے اور دوبارہ شریعت کے اس حکم پر عمل کیا جائے چنانچہ یہی ہوا اور اس کے نتیجہ میں شہر کے اکثر باشندے داخل اسلام ہوئے۔
(فتوح البلدان للبلاذری ص ۱۱۱)

مسلم سلاطین و فاتحین اس کو نظر انداز کر کے یہ سمجھنے لگے تھے کہ جنگ کا شاید دین سے کوئی تعلق نہیں اور اس میں احکام شرعیہ کے اجرا کی کوئی ضرورت نہیں، گویا اسلام نے ان کو اس معاملہ میں آزاد اور شتر بے مہار کر دیا ہے کہ جو چاہیں کریں، وہ عہد آخر میں ملک گیری کی ہوس رکھنے والے عام فاتحین و سلاطین کے نقش قدم پر چلنے لگے، چنانچہ نہ اسلام کی دعوت دینے کی ضرورت باقی رہ گئی، نہ جزیہ کی مہلت دینے کی، اول و آخر ایک چیز ان کے سامنے رہ گئی اور وہ تھی جنگ اور صرف جنگ۔

سید صاحب نے ارادہ کیا کہ اس افضل ترین عبادت، بہترین عمل اور اپنے سب سے محبوب و عزیز کام کا آغاز اسی سنت کے اجیاسے کریں جو صدیوں سے متروک و فراموش ہو چکی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس جدوجہد اور جہاد میں برکت عطا فرمائے اور اس کا نور پوری زندگی میں سرایت کر جائے، چنانچہ شرعی دستور کے مطابق آپ نے حاکم لاہور رنجیت سنگھ کو اس مضمون کا اعلام نامہ تحریر فرمایا:-

لے رنجیت سنگھ (۱۷۸۰-۱۸۳۹) ان حوصلہ مند و ممتاز جنگی قائدین میں ہے، جو اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں سامنے آیا اور اپنی حربی صلاحیت سے ایک مستحکم اور وسیع سلطنت کی بنیاد رکھی احمد شاہ ابدالی نے جو افغانستان کا بھی فرمانروا تھا، جس وقت لاہور کی حکومت اس کے حوالہ کی اس وقت اس کی عمر بیس سال تھی لیکن ٹھوڑی ہی مدت میں نہ صرف اس نے آزادی کا اعلان کر دیا، بلکہ اپنی حکومت کے حدود بھی وسیع کرنے شروع کئے اور جلد ہی اس کی نوزائیدہ سلطنت کی قلم و شمال و مغرب میں کابل تک اور جنوب و مشرق میں جہنا کے کناروں تک وسیع ہو گئی اس کی فوجوں نے ملک کے شمالی مغربی حصہ میں کافی دہشت پھیلا رکھی تھی، اور اپنی راہ میں حائل ہونے والی فوجی قوت اور سکھ ریاست کا خاتمہ کر دیا تھا، اس کی نوزیدہ سلطنت کے استحکام و قوت کے (باقی صفحہ پر)

۱۔ یا تو اسلام قبول کر لو۔ (اس وقت ہمارے بھائی اور ہمارے مساوی ہو جائیں گے، لیکن اس میں کوئی جبر نہیں۔)

۲۔ یا ہماری اطاعت اختیار کر کے جزیہ دینا قبول کرو، اس وقت ہم اپنے جان و مال کی طرح تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔

۳۔ آخری بات یہ ہے کہ اگر تم کو دونوں باتوں میں سے کوئی بھی منظور نہیں تو لانے کے لئے تیار ہو جاؤ مگر یاد رکھو کہ سارا یاغستان اور ملک ہندوستان ہمارے ساتھ ہے اور تم کو شراب کی محبت اتنی نہ ہوگی جتنی ہم کو شہادت کی ہے۔

حاکم لاہور نے اس کو ایک معمولی مکتوب سمجھ کر نظر انداز کر دیا، اس نے محسوس کیا کہ یہ مسلمانوں کے کسی شیخ اور دینی رہنما کا ایک دھمکی آمیز خط ہے جس کی پشت پر نہ کوئی حکومت ہے، نہ کوئی عسکری قوت اور جدید ہتھیاروں سے لیس باقاعدہ فوج، یہ کسی ایک عالم اور پیر کا وقتی جوش ہے جو جہاد کے لفظ سے بہت جلد آمادہ پیکار ہو جاتے ہیں، اور ان کے گرد پرجوش

(باقی صفحہ کا) غلام چار تھے، پہلی چیز اس کی فطری قائدانہ صلاحیت دوسری اس کی فوج کی جنگ آزمائی

اور وفاداری (جو زیادہ تر پنجاب کے کسانوں اور جنگی خاندانوں اور قبائل پر مشتمل تھی) تیسری چیز نفرت

جو سکھوں اور خاص طور پر کالی گروہ کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے جاگزیں تھی، چوتھی چیز مسلمانوں کا زوال

حربی و اخلاقی انحطاط اور انتشار و پراگندگی تھی جس کی کچھ تفصیل اوپر گزر چکی ہے، خود رنجیت سنگھ اس درجہ متعصب

نہ تھا، اس نے اس کو ایک عملی حقیقت کے طور پر تسلیم کر لیا تھا، اور اپنی فوجوں کے مسلم دشمن جذبات کا پورا ساتھ

دے رہا تھا اور اپنے سیاسی و حربی مصالح کے لئے انکو بہت کچھ چھوٹ دے رکھی تھی اس کے دور سلطنت میں

مسلمان خون و دہشت میں دن گزار رہے تھے، اور ایک ذلیل قوم کی طرح مختلف قسم کے مظالم اور ہانتوں کا

شکار تھے (دیکھئے کتاب "RANJEET SINGH" از SIR LEPEL GRIFFIN)

مریدین کی ایک جماعت اکٹھا ہو جاتی ہے، لیکن جب حقیقت سامنے آتی ہے تو یہ سب ساتھی ان کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، اس کو گذشتہ سالوں میں اس طرح کے معاملات کا تجربہ ہو چکا تھا، اس نے کہا یہ وقتی گرج چمک ہے، جو ابھی غائب ہوتی ہے، اس نے اپنے کمانڈر بدھ سنگھ کو حکم دیا کہ وہ اس عجیب سر پھیری جماعت پر نظر رکھے، اس کے بعد اطمینان کر کے اپنے امور سلطنت اور عیش و طرب میں مشغول ہو گیا۔

وقت گزرتا گیا اور ایک دن ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ کو مجاہدین نے بدھ سنگھ کے لشکر پر جو آمادہ پیکار تھا، پہلا خون مارا اور اپنی شمشیر کے خوب جوہر دکھائے اس معرکہ میں ان کی شجاعت و بہادری اور جنگی قابلیت اندازہ سے بڑھ کر سامنے آئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ وہ لقمہ تر نہیں جس کو آسانی سے نگلا جاسکے، اس پہلے معرکہ جہاد میں سکھوں کے ساتھ سو فوجی مقتول ہوئے اور ستر سے کچھ اور مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔



ایک مسلمان کا شوق شہادت

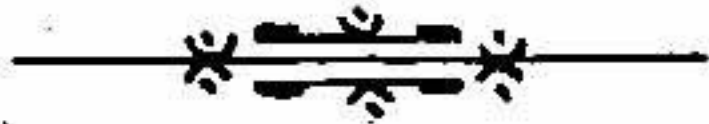
سید صاحب نے اکوڑہ پر شیخون مارنے کی عرض سے مجاہدین کی ایک منتخب جماعت تیار کی، یہ مجاہدین کا وہ پہلا دستہ تھا، جس سے اس ملک میں بہت طویل عرصہ کے بعد خالص دینی بنیادوں پر جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز ہوا۔

سید صاحب نے لشکر کے ذمہ داروں کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ انتخاب کر کے مضبوط و توانا اور سخت جان نوجوانوں کی ایک جماعت تیار کریں اس لئے کہ ان کو رات کو ایک طاقتور اور کثیر التعداد دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔

مجاہدین کی ایک فہرست سید صاحب کے سامنے پیش کی گئی آپ نے اس پر ایک نظر ڈالی تو اس میں عبدالمجید خاں جہان آبادی کا نام بھی تھا، جو کئی روز سے بخار میں مبتلا تھے، آپ نے ان کا نام فہرست سے حذف کر دیا، جب عبدالمجید خاں کو یہ اطلاع ملی کہ ان کا نام مجاہدین کی فہرست سے نکال دیا گیا ہے، وہ یہ خبر سن کر اسی بخار کی حالت میں بستر سے اٹھ کر سید صاحب کے پاس آئے اور پوچھا کہ ان کا نام فہرست سے کیوں حذف کر دیا گیا، سید صاحب نے ان کی تسلی کی اور فرمایا کہ تم کو بخار آتا ہے، اس لئے ہم نے تمہارا نام نہیں شامل کیا، انھوں نے کہا کہ حضرت آج اللہ کی راہ میں دشمن سے

پہلا مقابلہ ہے گویا آج جہاد فی سبیل اللہ کی بنا قائم ہوتی ہے، میں ایسا سخت بیمار نہیں ہوں کہ جانہ سکوں میرا نام آپ مجاہدین میں ضرور داخل فرمائیں، آپ نے ان کا نام بھی فرد میں داخل کرایا اور کہا بارک اللہ و جزاک اللہ، اللہ تعالیٰ تم کو دین کی کوشش کی زیادہ توفیق عنایت کریں۔

غرض عبدالمجید خاں اکوڑہ کی جنگ میں مجاہدین کے ساتھ شریک ہوئے، دشمن کی تعداد مجاہدین سے دس گنا زیادہ تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو غالب اور فتحیاب کیا اور عبدالمجید خاں خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے۔



جماعت پر الشکر کا ہاتھ ہے

اکوڑہ کی جنگ کے بعد بڑی تعداد میں لوگ سید صاحب کے گرد جمع ہو گئے لیکن یہ لوگ مختلف اغراض رکھتے تھے بعض لوگ محض یہ دیکھ کر اس میں شامل ہوتے تھے کہ یہ ایک اہم جمعیت ہے، اور اس ابھرتی ہوئی قوت میں روز بروز اضافہ ہونے کا امکان ہے، اس لئے مصلحت اندیشی اور دور بینی کا تقاضا یہ ہے کہ اس نئی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی جائے، بعض لوگ صرف مال غنیمت اور ہتھیار وغیرہ کی لاپچ میں مجاہدین کے ساتھ ہو گئے تھے، بہت سے لوگ وہ تھے جن کی نیت واقعی درست تھی، اور ان کو صرف دینی جذبہ اور شوق شہادت یہاں کھینچ لایا تھا، اور وہ خلوص دل کے ساتھ راہ خدا میں نکلے تھے جس میں کسی لاپچ، ریاکاری، جھوٹے فخر اور جاہلی حمیت کی آمیزش نہ تھی۔

اکوڑہ کی جنگ میں مجاہدین کی ایک مختصر جماعت کی کثیر و طاقتور دشمن پر کامیابی اور مجاہدین کی سرفروشی و جاں بازی کے واقعات کی صدائے بازگشت دور دور تک سنی گئی، اور اس کی وجہ سے بہت سے طالع آزما اور مہم جو نوجوانوں میں اس نوجنر طاقت میں شرکت کی خواہش پیدا ہونے لگی جس کا ستارہ اقبال بلندی پر نظر آ رہا تھا، چنانچہ

یہ لوگ فوج در فوج اس میں آکر شامل ہونے لگے، ان کے سامنے نہ کوئی مقصد تھا، نہ دینی جذبہ، نہ کسی عہد و معاہدہ کا پاس، لوگوں کا ایک جم غفیر تھا، جس کو موقع اور مصلحت نے یہاں اکٹھا کر دیا تھا، البتہ ان مجاہدین کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا، جو ہندوستان سے سید صاحب کے رفیق تھے، اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دے چکے تھے، اور آخری دم تک اطاعت و فرماں برداری پر آپ سے عہد کر چکے تھے، سید صاحب کو بھی ان کی دینی تربیت اور ان کی طرف پوری توجہ کرنے کا موقع ملا تھا، اور اسلامی کردار ان کے اندر راسخ ہو چکا تھا۔

وہ حکم کے بندے اور چشم و ابرو کے اشکے پر سر کٹانے والے تھے، حالی کے یہ اشعار ان کے بالکل مطابق حال تھے۔

شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی بھڑکتی نہ بھٹی خود بخود آگ ان کی
جہاں کر دیا گرم گرم گئے وہ جہاں کر دیا نرم نرم گئے وہ

اس طرح کی جماعت جہاں کہیں بھی ہو پورے اعتماد کی اہل ہے، اور بڑی سے بڑی ذمہ داری اس پر پورے اطمینان کے ساتھ ڈالی جاسکتی ہے اور قلت تعداد اور مادی ضعف کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حضور کے چھا پہ میں (جو سید صاحب کی اجازت سے مقامی لوگوں کی سرکردگی میں مارا گیا تھا) انتشار و لاقانونیت، مال غنیمت کی طمع اور جہاد کے بعض اسلامی احکام و آداب کی خلاف ورزی کی شکلیں سامنے آئیں اور ان کی وجہ سے سید صاحب اور آپ کے اہل الرائے رفقاء میں بڑی فکر و تشویش پیدا ہو گئی اور انھوں نے محسوس کیا کہ یہ بات ان مقاصد کے لئے جن کے لئے وہ ہجرت کر کے یہاں آئے ہیں، ہم قاتل الشراؤ

اس کے رسول کو ناراض کرنے والی اور وعدہ نصرت کی تکمیل میں حائل ہونے والی ہے، اس کا مداوا اور سدباب جلد ضروری ہے اور اس کا آسان راستہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، آپ کو اپنا شرعی امیر اور امام المسلمین تسلیم کر لیں اور ہر حال میں آپ کی اطاعت اپنے اوپر لازم جانیں تاکہ ان کا یہ جہاد شرعی بن سکے اور اس کے احکام و آداب کی پوری رعایت اس میں موجود ہو۔

وہ اپنی دینی بصیرت، کتاب و سنت کے علم اور شریعت کے اصول و فروع سے گہری واقفیت کی بنا پر اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک ایسے امیر کا انتخاب جو کتاب و سنت کی روشنی میں مسلمانوں کی رہنمائی کرے، احکام الہی کا نفاذ اور فصل خصومات کا کام انجام دے، اور جہاد کو از سر نو جاری کرے جو اسلام کا ایک ایسا رکن ہے جس کو مسلمانوں نے ایک طویل عرصہ سے فراموش کر دیا ہے، اور اس کے نتیجہ میں ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا ہے، اور ان کی حیثیت ایک ایسے ریوڑ کی ہو گئی ہے جس کا کوئی گلہ بان نہیں، ان کو معلوم تھا کہ حدیث و قرآن میں جہاد کی کتنی ترغیب آئی ہے، ان کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیات تھیں۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ (سورہ نسا، ۵۹)
حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا، اور جو اختیار والے ہیں تم میں۔
دوسری جگہ آتا ہے:-

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى
أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ (سورہ نسا، ۵۹)
اور اگر اس کو پہنچائے رسول تک اور اپنے
اختیار والوں تک۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان کے سامنے تھا:-

صلوا خمسکم و صوموا شہرکم اپنے پانچ وقت کی نمازیں پڑھو، رمضان کے

وادوا زکوٰۃ اموالکم و اطیعوا اذا روزے رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ نکالو، اپنے امیر کی

امرکم تدخلوا جنتہ ربکم اطاعت کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے

مسلمانوں کے اتحاد و جمعیت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا خیال تھا کہ

آپ نے ان کے لئے ایک امیر کا ہونا ضروری قرار دیا، جو ان کے درمیان کتاب و سنت

کی روشنی میں فیصلہ کرے، آسمانی شریعت کو نافذ کرے، ان کی دینی و دنیاوی ضرورتوں

کی خبر گیری رکھے، یہاں تک کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ بغیر کسی امیر کے نہ گزے، حدیث شریفہ

میں آیا ہے:-

من استطاع منکم ان لا ینام نومًا اگر تم میں سے کوئی ایسا ہتھام کر سکے کہ نہ سوئے

ولا یصبح صبحًا الا وعلیہ امام اور نہ صبح کرے مگر اس حالت میں کہ اس پر

فلیفعل کوئی امام ہو تو اس کو چاہئے کہ ایسا کرے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے:-

اذا کان ثلاثتی سفر فلیؤمروا اگر کسی سفر میں تین آدمی بھی ہوں تو ایک کو امیر

بنالینا چاہئے۔

أحدہم۔

آپ نے ان کو ایسی زندگی سے ڈرایا ہے جس میں مسلمان شتر بے ہمار کی طرح

زندگی گزارے، جو چاہے کرے، جس سے چاہے جنگ کرے، اس کا کوئی قائد اور امیر نہ ہو

وہ کسی امر و نہی کا پابند نہ ہو، آپ نے ایسی زندگی کو جاہلیت سے تعبیر کیا ہے جس میں لوگ

موشیوں اور جانوروں کی طرح جہاں چاہتے ہیں منہ مار دیتے ہیں، اور محض عصبیت اور

لہ ترمذی۔ ۳۷ ابن عساکر۔ ۳۷ ابوداؤد۔

بیجا حیت کی بنا پر ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں۔
ارشاد ہے۔

من خرج من الطاعة وفارق
الجماعة فمات مات ميتة
جاهلية، ومن قاتل تحت راية
عصية يغضب لعصية او يدعوا
لعصية أو ينصر عصية فقتل
فقتله جاهلية۔^۱

جو دائرہ اطاعت سے نکلا اور جماعت کو چھوڑا
اس کے بعد مر گیا تو جاہلیت کی موت مراد اور
جو کسی اندھے جھنڈے کے نیچے لڑا کسی عصیت
کے لئے غصہ میں آیا، عصیت کی دعوت دی
یا عصیت کی حالت کی اس کے بعد مارا گیا
تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

دوسری حدیث میں آیا ہے۔

الغزو وغزوان فاما من اتبعني
وجه الله واطاع الامام واتقى
الكرمية وياسر الشريك واجتنب
الفساد فان لومه ونبه اجر كله
واما من غزا فخر او رياء او سمعة
وعصى الامام واقسد في الارض
فانه لم يرجع بالكفاف۔^۲

لڑائی دو قسم کی ہے جس نے صرف اللہ کی
خوشنودی مد نظر رکھی، امام کی اطاعت کی،
اپنا قیمتی و محبوب مال خرچ کیا اپنے ساتھی کی
مدد کی، فساد سے دامن بچایا، تو اس کا سونا
جاگتا سب اجر و ثواب ہے، اور جو فخر کے لئے
یا ریاد کھاوے اور شہرت کے لئے لڑا، امام
کی مخالفت کی، زمین میں فساد پھیلایا تو اس کو

واجبی حصہ بھی نہ ملے گا۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیتیں اور حدیثیں اس باب میں آئی ہیں، جن سے

۱۔ مسلم ۲۔ احمد و نسائی۔

امام کے تقرر اور اس کی اطاعت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

اس جماعت کی سب سے بڑی خصوصیت اور امتیاز یہی تھا کہ اس نے اسلام کے اس رکن عظیم کو جس کو مسلمانوں نے ایک طویل زمانہ سے فراموش کر رکھا تھا از سر نو زندہ کیا۔

جمعرات ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۲۴۲ھ کا دن ہندوستان میں اصلاح و تجدید میں

کی تاریخ کا وہ اہم دن تھا، جب عام مسلمانوں، علماء و مشائخ، خوانین و رؤسا و قبائل

نے یہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور احکام شرعیہ میں آپ کی کلی اطاعت اور

صلح و قتال ہر حال میں آپ کی فرماں برداری کا عہد کیا اور آپ کو باضابطہ طریقہ پر امیر و

امام المسلمین تسلیم کیا، دوسرے روز (۱۳ جمادی الآخرہ) آپ کے نام کے ساتھ جمعہ کا

خطبہ پڑھا گیا۔

بیعت کے بعد آپ نے اعلان فرمایا کہ تمام لوگوں کو اب احکام شرعیہ میں

کامل اطاعت کرنا ہے، جاہلی عادات و اطوار اور قبائل میں جو غیر اسلامی رسوم و عادات

بغیر کسی سز کے رائج ہو گئی ہیں، ان سب کو ترک کرنا ہے، خواہ اس سلسلہ میں مالی نقصانات

برداشت کرنے پڑیں اور ان فوائد سے دست بردار ہونا پڑے جو قبلیہ کی سرداری اور

امارت و ریاست سے ان کو اب تک حاصل تھے، خواہ یہ بات نفس پر کتنی شاق اور

مریدین و معتقدین کے لئے از حد ناگوار اور ناقابل قبول ہو، اسی طرح اپنے اوپر اپنے اہل و

عیال پر خاندانی معاملات اور دیوانی و فوجداری کے تمام قضیوں میں شریعت کا حکم نافذ

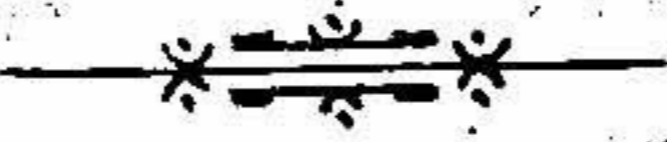
کرنا ہے، بیعت کرنے والوں نے ان تمام باتوں کا عہد کیا اور اطاعت کی قسم کھالی۔

دیکھتے دیکھتے یہ خبر لوہے علاقہ میں پھیل گئی، اور وہاں کے سربراہ اور وہ حضرات

رؤسا و امرا اور چھوٹے بڑے سب نے وہاں آکر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس مضمون کے

خطوط پشاور، بھاو پور، اور چترال کے امراء و نوابین کو بھیجے گئے اور انہوں نے
مناسب طریقہ پر اس کا جواب دیا اور اس مبارک اقدام کی تعریف کی۔

سید صاحب نے خصوصی طور پر کچھ خطوط ہندوستان کے علماء، اعیان، اور امراء کو
بھی ارسال کئے، مسلمانوں نے اپنے اخلاص، دینی غیرت اور فہم و بصیرت کے مطابق
مسلمانوں کی زندگی اور ملک کے مستقبل پر اس کے اہم اور دور رس اثرات کو بالعموم
محسوس کیا، اور بہت خوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور خوش آمدید کہا۔



بہترین موقع جو ضائع کر دیا گیا

سید صاحب کی بیعت کا شہرہ دُور دُور تک پھیل گیا اور لوگ پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہو گئے اور بیعت میں داخل ہونے لگے امرارپشاور نے (جو قدیم زمانہ سے "سودوزیاں" کی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں سمجھتے تھے، اور ہر چیز کو نفع و نقصان کے موازنہ اور عملی فائدہ سے جانچنے کے عادی تھے اور جس کا ستارہ اقبال بلند ہوتا تھا، اسی کا ساتھ دیتے تھے) جب یہ منظر دیکھا تو محسوس کیا کہ اس ابھرتی ہوئی طاقت سے کنارہ کش رہ کر اپنے خول میں زندگی گزارنا ان کے لئے مفید نہ ہوگا، دوسری طرف ان کے لئے اپنی ریاست، جاہ و منصب، خاندانی روایات اور قبائلی عادت سے بے تعلق ہونا بھی بہت شاق تھا، ان قبائلی روایات میں شریعت اور علماء شریعت کا کوئی عمل دخل نہ تھا، اور اس میں دین و سیاست کی جاہلی اور مسیحی یورپ کا اصول چلتا تھا کہ جو خدا کا ہے، وہ خدا کو دو، اور جو قیصر کا ہے، وہ قیصر کو دو، "دین ان کے نزدیک صرف عبادات اور بعض فقہی مسائل تک محدود تھا جس کی تشریح اور تلقین ان مولویوں کی ذمہ داری تھی، جو مساجد کے امام یا عربی مدرسوں میں معلم تھے، ان مسائل کے سوا اور جتنے مالی، انتظامی، سیاسی اور شہری معاملات تھے نیز وہ تمام مسائل جو حکمرانی کے اختیارات سے متعلق تھے،

وہ سب ان امرار اور رؤسا کے دائرہ اختیار میں تھے، جو باپ دادا سے اس کے وارث چلے آتے تھے اور جنہوں نے یہ اقتدار نوک شمشیر اور زور بازو سے حاصل کیا تھا یہ لوگ بڑی کشمکش کے ساتھ سید صاحب کے پاس حاضر ہوئے، ایک طرف ذاتی منافع شخصی مصالح، جاہلی عادات اور قبائلی روایات تھیں، دوسری طرف یہ نئی قوت تھی جس کے اندر دینی اور سیاسی دونوں رنگ موجود تھے اور جس کی طاقت و شہرت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا، اور عام طور پر لوگ اس کی طرف مائل تھے، انہوں نے دیکھا کہ اگر انہوں نے اس موقع پر عجلت اور پیش قدمی سے کام نہ لیا تو زندگی کے قافلہ سے بچھڑ جائیں گے اور ان کو بہت پیچھے کی صف میں جگہ ملے گی، تیسری طرف یہ فکر ان کو دامنگیر تھی کہ اس سے ان کے اور رنجیت سنگھ کے تعلقات بھی کشیدہ ہونے کا امکان ہے، جس کی حمایت اور اعتماد ان کو حاصل تھا۔

بالآخر انہوں نے سید صاحب کی رفاقت کو ترجیح دی، سید صاحب کے پاس امرار سب کے خطوط تائید و نصرت کے آچکے تھے، یہ ایک آزاد علاقہ تھا، اور ان لوگوں کے سیاسی اقتدار کی زد سے دور تھا، انہوں نے محسوس کیا کہ شاید اس راستہ سے ان کو ان سرسبز و زرخیز علاقہ میں بھی دست درازی اور توسیع اقتدار کا موقع مل سکے گا، سید صاحب سے آئندہ ملاقات اور ملامت و نیاز مندی میں ان کے اندر یہ جذبہ بھی کارفرما تھا، بہر حال ان سب باتوں کو پیش نظر رکھ کر سردار یار محمد خاں، سردار سلطان محمد خاں اور پیر محمد خاں تینوں بھائی اپنے لشکر اور توپوں کے ساتھ موضع سرمائی میں جو نو شہرہ سے لے کر پشاور اور مردان کے درمیان واقع ہے، اس علاقہ میں یوسف زئی قبیلہ آباد تھا، یہاں سید صاحب نے قیام فرمایا اور آپ کے حامیوں کی بڑی تعداد وہاں پیدا ہو گئی۔

پانچ میل کے فاصلہ پر ہے آکر مقیم ہوئے، جب سید صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور ان سب سے بیعتِ امامت لی۔

اس کے بعد مجاہدین اس علاقہ کے گوشہ گوشہ سے جمع ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ ان کی تعداد اسی ہزار تک پہنچ گئی اور اسلامی لشکر شید و روانہ ہوا وہاں پہنچ کر امرار پشاور کا لشکر بھی جس کی نفری بیس ہزار تھی، اس میں شامل ہو گیا، اور اس کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی، بہت دن کے بعد ایک پرچم کے نیچے اسلام کا اناٹا بڑا لشکر جمع ہوا تھا، اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا، افغانیوں کو توفیق حاصل ہوتی، وہ اسلام اور مسلمانوں کے واقعی مخلص ہوتے، امرار میں انا نیت نہ ہوتی اور وہ وقت کی اہمیت و نزاکت کو محسوس کرتے تو ایک فیصلہ کن محرکہ زیادہ دور نہ تھا، جو ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا رخ یکسر تبدیل کر دیتا، اس لئے کہ مخلصین و مجاہدین کی یہ جماعت (جو بہت عرصہ کے بعد سرکف میدان میں آئی تھی) اسلام اور مسلمانوں کے حق میں پوری طرح وفادار اور انا نیت اور نفس پرستی سے آزاد تھی، اس کو ایک ایسے قائد و رہنما کی سرپرستی حاصل تھی، جس کی فہم دین بہت دقیق و نکتہ رس اور غلبہ اسلام کی ہمت بہت قوی اور عالی تھی، اور اس میں امامت و قیادت کی تمام ضروری صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں، اور اس کا معاملہ خدا سے اور اس کے بندوں سے بالکل صاف اور ہر طرح کی آمیزش و آلائش سے پاک تھا، مزید یہ کہ درد مند دل، نکتہ رس و داغ، خود دار طبیعت اور جسمانی قوت اور زور بازو، سب اس جماعت کو حاصل تھے، اور تمام طبقے اس میں شامل تھے، دوسری طرف مسلمانوں کی ذلت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، اور اسی وجہ سے سب کی نگاہیں، اس جماعت

لے شید و اکوڑہ سے چار میل کے فاصلہ پر شرق کی سمت میں ہے۔

مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں، اللہ کے مخلص و مقبول بندے اور پورے ہندوستان کے منتخب و برگزیدہ مشائخ و علماء اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی کامیابی و فتح مندی کے لئے دعا گو تھے، مورخ نے اپنا قلم روک لیا تھا کہ اس کو بہاری قدیم تاریخ کا ایک نیا باب تحریر کرنا ہے، وہ قدیم تاریخ جس نے ناکامی کی تلخیوں، انتشار و تفرقہ آرائی، قیمتی مواقع کے ضیاع، احسان فراموشی اور محسن کشی، امرار و ارباب حکومت کی غداری، وزراء کی خیانت اور دوستوں کی طوطا چستھی اور بے وفائی کے حیرت انگیز مناظر بار بار دیکھے ہیں۔

کیا آج یہ تاریخ ایک نئے اور روشن ورق اور فتح و اقبال کے ایک نئے عنوان کو تحریر کرنے کی اجازت دے سکے گی!

لیکن افسوس کہ اس تاریخ نے نیا ورق الٹنے کے بجائے حق و باطل کے اس نئے معرکہ میں بھی حسب دستور اپنے پرانے اوراق کی ورق گردانی کی، چنانچہ امیر جماعت مجاہدین کے کھانے میں زہر ملا دیا گیا، جس نے آپ کے جسم و اعصاب پر پورا اثر ڈالا اور آپ پر غشی کے دورے پڑنے لگے، اس وقت میدان کارزار گرم تھا، اور فریقین نبرد آزما میں مشغول تھے، سید صاحب کبھی غشی اور غفلت کی حالت میں ہوتے تھے کبھی ہوش میں، کہ یار محمد خاں کا یہ پیغام (جس کے سچے خلاص نہ تھا) پہنچا کہ آپ جنگ میں شریک ہوں، اس نے سواری کے لئے ایک ہاتھی بھی بھیجا جس کے پیر میں لنگ تھا، مقصد یہ تھا کہ سید صاحب سکھوں کی قید میں آجائیں اور میدان ان کے لئے صاف ہو جائے، سید صاحب اسی حالت میں ہاتھی پر سوار ہوئے اور معرکہ میں شریک ہو گئے، اس درمیان میں جنگ نے بہت شدت اختیار کر لی اور فتح کی علامات بھی ظاہر ہونے لگیں اور بعض لوگوں نے اس ہوش اور ہوشیاری کی کیفیت میں سید صاحب کو فتح کی بشارت بھی دے دی۔

اس جنگ میں امرار پشاو اور ان کے لشکر نے بہت سرد مہری کا مظاہرہ کیا، اسی دوران سکھوں کی طرف سے ایک گولہ پار محمد خاں کے پاس آکر گرا اس نے اسی وقت اپنے گھوڑے کی باگ موڑی اور میدان جنگ سے فرار اختیار کیا اور اس کے ساتھ اس کا لشکر بھی واپس گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کا سارا بوجھ مجاہدین پر پڑ گیا اور وہ نہایت دلیری اور جوانمردی کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر ڈٹے رہے۔

سید صاحب کی علالت نے طول کھینچا لیکن اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کے ساتھ خیر منظور تھی اور سید صاحب کو ابھی کچھ دن اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور رہنمائی کرنی تھی، آپ کو بار بار قے آتی اور ہر قے کے ساتھ زہر کی کچھ مقدار خارج ہو جاتی، لشکر کے اہل الرائے حضرات نے اس وقت یہ مناسب جانا کہ لشکر مجاہدین کسی محفوظ اور مضبوط جگہ پر قلعہ بند ہو جائے، اور جب پراگندگی اور عمومی انتشار ختم ہو اور سید صاحب کی صحت بحال ہو جائے تو اس وقت دوبارہ حملہ کیا جائے، دوسری طرف سکھوں نے امرار پشاو سے ساز باز کر کے سید صاحب کو گرفتار کرنے کی سازش کی تھی، لیکن مخلص اور ہوشمند فیلبان نے اس بات کو تاڑ لیا اور سید صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ اس جگہ سے فی الحال ہٹ جائیں، چنانچہ کچھ مجاہدین آپ کو لے کر قریب کی ایک پہاڑی کے دامن میں مقیم ہو گئے، عام مجاہدین جن میں بڑی تعداد زخمیوں کی تھی، قریب کے دیہاتوں میں چلے گئے جہاں ان کو مرہم پٹی اور سانس لینے کا موقع مل گیا وہاں کے مسلمانوں نے کمال گرجوشی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ان کو خوش آمدید کہا اور ان کی ضیافت و خاطر داری میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، اس کے بعد سید صاحب بھی وہاں تشریف لے گئے اور آپ کے دیدار سے ان لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں سب آپ کی صحت و سلامتی پر خدا کا شکر بجلائے۔

جب سب لوگ ایک جگہ جمع ہوئے تو سید صاحب نے ان سے فرمایا کہ یہ جو کچھ
 حال ہم پر اور سب بھائیوں پر گزرا کچھ جناب الہی میں ہم لوگوں سے خطا اور بے ادبی ہوئی
 ہے، اسی کا یہ بدلہ ہے اور یہ بھی ایک امتحان الہی تھا، وہ سجانہ و تعالیٰ ایسی ایسی آزمائشوں
 پہ ہم لوگوں کو اور ہمارے مجاہدین کو ثابت قدم رکھے، اور ہماری تکلیف کو راحت سے
 بدل دے اور ان لوگوں کا زہر دنیا بھی حکمت الہی سے خالی نہیں، یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی ایک سنت ہم سے ادا ہوئی، پھر آپ نے ننگے سر ہو کر جناب باری میں اصلاح
 وزاری کے ساتھ دعا کی کہ الہی ہم سب ترے بندے ذلیل و خاکسار، عاجز و ناچار ہیں
 اور تیرے سوا ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں، محض تیرے ہی فضل و کرم کے امیدوار ہیں،
 ہم تیری آزمائش و امتحان کے قابل نہیں، ہماری خطاؤں کو نہ پکڑ، اپنی رحمت سے
 معاف کر، اور ہم کو اپنی راہ مستقیم پر ثابت قدم رکھ اور جو لوگ تیری اس راہ کے مخالف ہیں
 ان کو ہدایت کر، اسی طرح کے الفاظ بار بار کہے، لوگ آمین آمین کہتے تھے، دعا کے بعد
 آپ نے سب کو تسلی اور دلاسا دیا کہ بھائیو، مت گھبراؤ، اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل و کرم
 کرے گا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سب یار محمد خاں کی سازش تھی، جو اس نے رنجیت سنگھ کی
 خوشنودی کے لئے تیار کی ہے۔

یہ "مسرت انگیز خبر" دربار لاہور میں بڑی مسرت کے ساتھ سنی گئی، حکومت لاہور

لے اس عہد کے ایک ہندو مورخ لالہ سوہن لال نے اپنی کتاب "عمدة التواریخ" میں لکھا ہے کہ اس
 پورے علاقہ میں یہ بات مشہور عام ہے کہ یار محمد خاں نے سید صاحب کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا اور اسکے بعد اپنے
 شکر سمیت وہاں سے فرار اختیار کیا تھا، اس لئے کہ انکے اور رنجیت سنگھ کے درمیان گہرے دوستانہ روابط تھے

اس پوری مدت میں فکر و تشویش میں رہی کہ اس فیصلہ کن معرکہ کلاں (جو ملک کی پوری تاریخ کا رخ تبدیل کر دینے کے لئے کافی تھا) نتیجہ کیا نکلنے والا ہے جب حکام لاہور نے یہ مشورہ سنا کہ پشاور کے مخلص دوستوں نے ان کو جنگ کی زحمت سے بچالیا اور ایک بڑی قوت اور لشکر جبار سے مقابلہ کی ضرورت باقی نہ رہی جو ایک عرصہ سے ان سے نبرد آزمانی کے لئے تیار تھا تو حکومت کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی چنانچہ باقاعدہ اس کی تقریب منائی گئی، گولے داغے گئے، دکانوں پر سجاوٹ کی گئی، مہاراجہ نے جشن عام کا اعلان کر دیا اور اظہار مسرت کے طور پر زرخیز غریبوں میں تقسیم کیا گیا۔

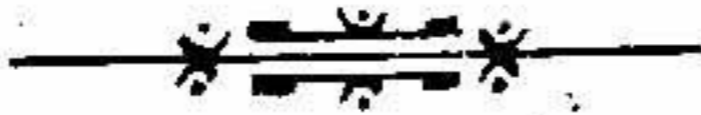
لیکن ان باتوں کے باوجود سید صاحب کے عزم و ارادہ میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی آپ نے نئے ذوق و شوق اور جوش و جذبہ کے ساتھ جہاد کی دعوت دینی شروع کی، بنسیر اور سوات کے علاقوں میں (جو جغرافیائی لحاظ سے بہت اہمیت رکھتے تھے) اور وہاں بہت جنگجو افغانی قبائل آباد تھے) طویل تبلیغی و اصلاحی دورے کئے گاؤں اوڈ دیہاتوں میں کئی روز بلکہ کئی کئی ہفتے قیام فرمایا اور وہاں کے علماء و مشائخ سے مل کر ان اندر ایمان کی دبی ہوئی چنگاری بھڑکانے اور دینی حمیت اور دینی جذبات اور صحیح شعور پیدا کرنے کی کوشش کی۔

اسی زمانہ میں ہندوستان سے مجاہدین کی بڑی بڑی جماعتیں آپ سے آکر ملیں، جن میں بعض بڑے بڑے علماء، آزموہ کار اور پرچوش سپاہی اور پرچوش حوصلہ مند نوجوان شامل تھے، اسی زمانہ میں آپ نے والی چترال کے پاس بہت سے تحفوں کے ساتھ ایک فنڈ بھیجا اور ان کو جہاد میں شرکت اور مجاہدین کی نصرت کی دعوت دی۔

۱۔ نظر نامہ از دیوان امراتھ ص ۱۸۱۔

اس سفر میں جو لوگ آپ کے ساتھ آکر شامل ہوئے ان میں مولانا عبدالحی اور شیخ قلندر بھی تھے جن کے ساتھ اشی مجاہدین کا قافلہ تھا، شیخ رمضان سہارنپوری کے ساتھ تنوادی تھے، شیخ احمد السمری تھی کے ساتھ شکر کے قریب اور شیخ مقیم رامپوری کے ساتھ چالیس کے قریب تربیت یافتہ مسلح جوان تھے، جو امور جنگ اور فنون سپہ گری سے بخوبی واقف تھے، اس مبارک دورہ میں ہزاروں آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ اور جہاد کی بیعت کی، بکثرت لوگوں کی اصلاح ہوئی، بچھڑے ہوئے بھائیوں اور اہل خاندان گلے ملے اور شکر ہو گئے۔

تین ماہ کے اس دورہ کے بعد جس میں بہت سے نئے آدمی آپ کے شریک کار بنے اور بڑی بڑی جماعتیں داخل بیعت ہوئیں، آپ پنجتار واپس آگئے جو سوات کی سرحد پر واقع ہے اور اس کے تین طرف پہاڑ ہیں، اور اس وجہ سے اس نے مضبوط قلعہ کی شکل اختیار کر لی ہے، سردار فتح خاں جو خود خیل قبیلہ کے سردار تھے، آپ سے بیعت تھے، انھوں نے آپ کو یہاں قیام کرنے اور اس کو مجاہدین کی مستقل چھاؤنی اور مرکز بنانے کی دعوت دی، سید صاحب نے ان کی درخواست قبول کی اور سوات اور بنیر سے واپسی کے بعد اسی کو اپنا مستقر بنایا۔



اسلامی لشکر کے شب و روز

پنجتار میں مجاہدین کو ایک طویل عرصہ کے بعد استقرار نصیب ہوا، ان کو مسلسل نقل و حرکت اور طویل رہ نوردی کے بعد کچھ سانس لینے کا موقع ملا اور امن و سکون کی لذت سے وہ آشنا ہوئے اور اس موقع پر ان کا اسلامی اخلاق و کردار جس کی تربیت سخت سے سخت وقت میں کی جا چکی تھی، پورے آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوا، اور ان پہاڑوں سے گھرے ہوئے گوشے میں اپنی پوری رعنائی کے ساتھ سامنے آیا، یہ وہ زندگی تھی، جس میں جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ عبادت و مجاہدہ، اور زہد و جفاکشی کے ساتھ اخوت و مساوات، خدمت و غنچواری، اور ایثار و بہدردی جمع تھی، وہ اپنے دشمنوں کے لئے سخت گیر تھے، اور دوستوں اور بھائیوں کے لئے نرم خوار، رات کے عبادت گزار، دن کے شہسوار، نرم دلی و تواضع کے ساتھ خود داری و خود نگری کا ایسا اجتماع اور اسلامی معاشرہ کی ایسی زندہ اور متحرک تصویر تاریخ نے طویل زمانہ کے بعد دیکھی تھی۔

یہ زندگی ان دو قدیم اسلامی بنیادوں پر قائم تھی، جن پر دینیۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسلامی معاشرہ قائم کیا گیا تھا، اور جن کا اسلامی تاریخ اور انسانیت کی چارہ سازی اور رہنمائی میں بڑا حصہ ہے، ان میں پہلی چیز ہجرت تھی، دوسری چیز نصرت،

مسلمان دو حصوں میں منقسم تھے ایک وہ مہاجرین تھے جنہوں نے ہندوستان سے الشری راہ میں ہجرت کی، دوسرے انصار جو قدیم باشندے تھے، اور جن کے بہت گہرے روابط مہاجرین سے قائم کئے گئے تھے، اسلامی اخوت کا قدیم و عمیق رشتہ اس کے علاوہ تھا، مہاجرین کی کل تعداد ایک ہزار تھی جس میں تین سو بید صاحب کے ساتھ پنجتارہیں رہے، اور سات سو قریب کے مواضع اور دیہاتوں میں پھیل گئے جو بہت قریب تھے، اور اس طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے جس طرح ایک شہر کے مختلف محلے، غلہ اور ضروریات کا دوسرا سامان مثلاً کپڑے وغیرہ ان سب کو بیت المال سے تقسیم کیا جاتا تھا جو بید صاحب نے شرعی اصولوں پر قائم کیا تھا۔

اس اسلامی نو آبادی میں زندگی کا نظام کھانے پینے میں کفایت اور اعتدال پر قائم تھا، یہاں کھانے پینے اور راحت و آرام کا زیادہ انتظام نہ تھا جو مہاجرین کے یہاں آئے تھے ان کے گھروں میں راحت و آرام کا پورا سامان موجود تھا، لیکن یہ محض خدا کی خوشنودی کے لئے اس کو چھوڑ کر یہاں آئے تھے، ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تھا۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ
وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا
يَطْرُقُ مَوْطِئًا يَغْتَابُ الْكُفَّارَ وَلَا
يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نِيلاً إِلَّا كُتِبَ
لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ
لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (سورہ توبہ: ۲۵)

(اور) یہ (ساتھ جانے کا ضروری ہونا) اس
سبب ہے کہ ان کو الشری راہ میں جو پیاس لگی اور
جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو
کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں
کی جو کچھ خبری ان سب پر انکے نام ایک ایک نیک کام
لکھا گیا یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے

لے یہ معلومات مولانا عبدالحی کے ایک خط سے ماخوذ ہیں جو انہوں نے سرحد سے اپنے بعض دوستوں کو لکھا تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان کے سامنے تھا کہ "ابن آدم نے اپنے شکم سے زیادہ کسی بڑے برتن کو کبھی نہیں بھرا" ابن آدم کو کمر سیدھی رکھنے کے لئے چند نغمے کافی ہیں، لیکن اگر اس سے کوئی چارہ نہ ہو تو ایک تھالی کھانے کے لئے رکھے، ایک تھالی پینے کے لئے ایک تھالی سانس لینے کے لئے۔"

اس زندگی میں ان کے قائد اور امام بھی ان کے ساتھ شریک تھے، جب وہ بھوکے ہوتے تو سید صاحب بھی بھوکے رہتے، وہ کھاتے تو آپ بھی کھاتے، مقامی لوگ جنہوں نے ان کو اپنے یہاں جگہ دی تھی اور ٹھیرایا تھا جاگیرداروں اور نوابین و امراء میں نہ تھے، بلکہ ان میں سے اکثر معمولی کاشتکار تھے، اور متوسط درجہ کی معیشت رکھتے تھے، اور اپنی استطاعت کے موافق مہاجرین کی خبر گیری اور سہروردی و غمخواری میں کوئی کمی نہ کرتے تھے۔

مہاجرین کی زندگی بہت سادہ اور فطری انداز کی تھی اس میں کوئی تکلف اور تصنع نہ تھا، کبر و نخوت اور جاہلی عادات و رسوم جو مسلمانوں کے اندر ان کے عہد اقتدار میں مصنوعی تمدن کی وجہ سے داخل ہو گئی تھیں، مثلاً جاہلی نخوت، اور پیشوں اور برادریوں پر طنز و تفریق اور ان کی وجہ سے کسی کو ذلیل سمجھنا، غریبوں کے کاموں سے گھن کرنا، اب اس کے برخلاف ہر شخص ایک دوسرے کی خدمت میں چاق و بند اور ایک دوسرے کی ضرورت پوری کرنے کا شائق تھا، ضرورت پر وہ ایک دوسرے کی حجامت بنا لیتے کپڑے دھوتے چکی پیستے، کھانا پکاتے، لکڑیاں کاٹتے، جانوروں کا چارہ تیار کرتے گھوڑوں کی مالش کرتے، مریضوں کی تیمارداری کرتے، جھاڑو دیتے اور کوڑا اٹھاتے کسی بھائی کی سلائی جوڑائی یا جوتے کی ٹکائی کا کام ہوتا تو وہ شرفی اللہ بلا اجرت انجام دیتے، سب مل کر

زمین پر سوتے، ہر قسم کی مشقت برداشت کرتے، نامناسب لفاظی اور درست و نازیباً باتوں سے پرہیز کرتے، غیبت، چغل خوری، بغض و حسد، زبان درازی سے بچتے، ان کے دل ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے، اور راہ خدا میں محبت و رفاقت ان کی پہچان اور علامت بن گئی تھی، ان میں ایسے لوگ بھی تھے، جو ناز و نعم کے پروردہ اور اپنے گھر میں عیش و آرام کے دلدادہ تھے، خدم و شتم ان کے آگے سچھے رہتے تھے، ان کو والدین کی ناز برداری اور شفقت اور مریدین و اہل تعلق کی محبت و عقیدت حاصل تھی، لیکن یہاں وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ تنگی و فراخی اور خدمت و مشقت ہر چیز میں برابر کے حصہ دار اور شریک کار تھے۔

ان کے بعد ہندوستان سے جو قافلے اور وفود آئے وہ اس طرز زندگی سے پوری طرح مانوس نہ تھے، اور ان کے اندر اس اعلیٰ کردار اور اسلامی اخلاق کا پرتو پوری طرح پیدا نہ ہوا تھا، اور کسی امیر اور مرلی کی صحبت و تربیت ان کو حاصل نہ تھی، چنانچہ ان میں بعض لوگوں کو اس طرح کے کاموں سے کچھ عار محسوس ہوا اور انھوں نے کہا کہ یہ نیچے لوگوں اور شاگرد پیشہ طبقہ کے کام ہیں، اشراف اور اونچے خاندانوں اور گھرانوں کے لئے یہ باتیں کسی طرح مناسب نہیں، سید صاحب کو بھی اس بات کا اندازہ ہو گیا، آپ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کچھ بات کہنی ہوتی یا کسی کو نصیحت اور تنبیہ کرنی ہوتی تو آپ اس شخص کو اپنا مخاطب نہ بناتے تاکہ اس کو شرمندگی نہ ہو، بلکہ عمومی انداز میں بات کہتے، اور مثالوں اور حکایتوں کے پیرایہ میں اس کو سمجھاتے، چنانچہ آپ نے ایک موقع پر ایک مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔
 "ایک عورت کا خاوند مر گیا اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اس کا خاوند کچھ مال و دولت چھوڑ کر نہیں مرا وہ بیچاری چرخہ کاتتی ہے، پسائی کرتی ہے، سلائی کرتی ہے، اور ہر طرح کی

محنت مزدوری جو بن پڑتی ہے کرتی ہے، اور بچوں کو پالتی ہے، صرف اس امید پر کہ یہ پرورش پا کر جوان ہوں گے نوکری چاکری کریں گے بڑھاپے میں مجھے روٹی دیں گے خدمت کریں گے۔

میرا بڑھا پا آرام سے بسر ہو گا، اس کی یہ امید موموم ہے، یقینی نہیں، اگر وہ لڑکے زندہ رہے، اور صالح اور لائق ہوئے اپنی ماں کا حق پہچانا تو اس کی آرزو پوری ہوئی، اگر وہ نالائق اور نکلے نکلے تو وہ جھیک جھیک کر مرے، یہاں جو ہمارے بھائی محض خدا کے واسطے خاص نیت سے چکی پیستے ہیں، کھانا پکاتے ہیں، لکڑی چیرتے ہیں، گھاس پھیلتے ہیں، گھوڑا ملتے ہیں، کپڑے سینتے ہیں، اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے ہیں، اور اسی طور کے سب کام کرتے ہیں، یہ تمام داخل عبادت ہیں، اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہیں، سب اولیاء اللہ آج تک ایسے ہی کام کرتے آئے ہیں، جتنے کام شرع کے موافق ہیں، کسی کے کرنے میں عار نہیں، ان سب کاموں کا اجر اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے یہاں ملنا یقینی ہے، سب بھائیوں کو چاہئے کہ ان کاموں کو فخر و عزت اور سعادت دارین سمجھ کر بلا عار و انکار کیا کریں، اور یہ ہمارے صاحب ایمان مسلمان بھائی اپنے گھر بار، خویش و تبار، ناموس و نام، عیش و آرام، ترک کر کے محض اللہ رسولؐ کی خوشنودی کے لئے آئے، ہمارے لئے گوہر نایاب اور لعل بے بہا کے ٹکڑے ہیں کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں میں سے چھٹ کر آئے ہیں، ان کی قدر و منزلت ہم جانتے ہیں ہر ایک نہیں پہچان سکتا، اس طرح کے موثر و عمومی خطاب اور تبلیغ و حکیمانہ پیرائیہ بیان کا اثر یہ پڑتا تھا کہ سننے والوں کے دل خود بخود نرم پڑ جاتے، ان کی گرہ کھل جاتی اور یہ ایمانی فضا سب کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی اور وہ محسوس کرتے کہ اس اخلاق و کردار پر عمل اور اس میں اپنے رفقاء

کی ہمرکابی ان کے لئے آسان ہے۔

سید صاحب ان تمام کاموں میں اپنے رفقاء کا ہاتھ بٹاتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے دیکھا کہ شیخ الہی بخش رامپوری چکی پیس رہے ہیں، آپ بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کا ہاتھ بٹانے لگے اور فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ میں چکی پسیا کرتا تھا، چاہتا ہوں کہ یہاں بھی اس کی مشق جاری رہے، یہ خبر گرم ہوئی تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور جس کو اس کام سے عار آتا تھا وہ اس کو فخر و عزت کی بات سمجھنے لگا جب کبھی ایندھن کا ذخیرہ ختم ہو جاتا تو آپ کلہاڑیاں منگواتے اور جنگل کی طرف چلتے آپ کو دیکھ کر دوسرے لوگ کلہاڑیاں اٹھا لیتے اور ساتھ ہو لیتے، یہ خبر پورے لشکر میں پھیل جاتی اور جس کو کلہاڑی ملتی وہ اپنے امیر کی اقتدا میں اس کام میں لگ جاتا اور دیکھتے دیکھتے لکڑی کا ایک بڑا ذخیرہ تیار ہو جاتا۔

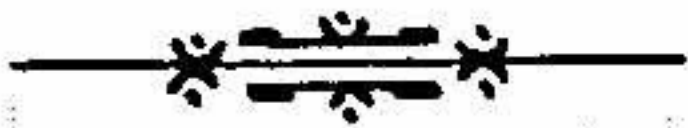
ایک بار لوگوں نے شکایت کی کہ نماز میں کنکریاں بہت چھتی ہیں، آپ نے حکم دیا کہ درانتیاں جمع کی جائیں اور فرمایا کہ کل جنگل چلیں گے اور گھاس کاٹ کر یہاں بچھا دیں گے چنانچہ دوسرے روز یہی ہوا اور گھاس کا فرش تیار کر دیا گیا، ایک بار بعض لوگوں نے شکایت کی کہ خمیوں میں دھوپ سے پورا بچاؤ نہیں ہے جس سے بڑی تکلیف ہے، آپ نے درانتیاں جمع کروائیں اور دوسرے روز میدانوں میں جا کر خس اور گھاس کٹوائی اور خس کی ٹٹیوں سے بہت خوبصورت رہائشی مکے بنائے جب اہل لشکر نے منتظر دیکھا تو انھوں نے بھی خس کی ٹٹیوں اور لکڑیوں کی مدد سے اپنے چھوٹے چھوٹے مکانات بنائے اور اس کی وجہ سے دھوپ کی حد اور بارش اور سردی سے بڑی حد تک عافیت ہو گئی۔

جب لشکر میں پانی کی کمی پڑتی تو آپ مشک اٹھا کر پانی کے لئے چلتے آپ کو دیکھ کر سب مشکیں اور گھڑے اٹھا لیتے اور پورے لشکر کو پانی مل جاتا، اکثر آپ نہر کے کنارے

بھاری بھاری پتھر مسجد کے فرش کی تعمیر کے لئے لاتے اور اس میں کسی کی مدد قبول نہ کرتے، اکثر آپ ایسے وزنی پتھر اٹھالیتے جو لشکر کے بڑے قوی اور بہادر بھی آسانی سے اٹھا نہ سکتے تھے۔

مولانا محمد اسمعیل صاحب کا بھی یہی حال تھا، وہ اس محنت شاقہ اور کار خیر میں سب سے آگے رہنے کی کوشش کرتے اور مجاہدین کے تمام کاموں میں شریک رہتے، اور کسی موقع پر ان سے ممتاز نمایاں ہونے کی کوشش نہ کرتے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی لشکر میں خدمت و مساوات اور اخوت اسلامی کی ایک لہر دوڑ گئی، لوگ ایک دوسرے کو راحت و آرام پہنچانے میں سبقت کرتے تھے، اور کسی کے کام آنے میں فخر و عزت اور مسرت محسوس کرتے تھے، مورخین نے جماعت مجاہدین کے اعلیٰ اخلاق و کردار، ہمدردی اور مساوات، سچی اخوت، ایثار و خود شکنی، نفس کی مخالفت، امانت داری و پاکبازی، حکم شریعت کے سامنے کامل سپراندازی اور اطاعت کامل کے بکثرت و حیرت انگیز واقعات محفوظ کر دیئے ہیں، اور ان کی چند جھلکیاں آئندہ صفحات میں پیش کی جا رہی ہیں۔



معاف کرنے والے

ایک مرتبہ ایک خادم لاہوری نام کے جو بہت سادہ مزاج اور غریب شخص تھے اور شیخ عنایت اللہ کے ساتھ مل کر گھوڑوں کا چارہ تیار کرنے کا کام ان کے سپرد تھا، شیخ عنایت اللہ خاں سے کسی بات پر ناراض ہوئے، عنایت اللہ خاں سید صاحب کے قدیم رفقا میں سے تھے اور ان کو سید صاحب کے ہاں خاص منزلت حاصل تھی شیخ عنایت اللہ میں بھی کچھ زائد تیزی آگئی اور بات بڑھی تو انھوں نے لاہوری کو ایک ایسا گھونسہ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑے اور تکلیف سے کراہنے لگے، جب سید صاحب کو اس کا علم ہوا تو عنایت اللہ خاں کو آپ نے سخت سست کہا اور بہت ملامت کی اور کہا کہ تم اپنے دل میں یوں جانتے ہو گے کہ ہم سید صاحب کے پرانے رفیق اور ان کے پلنگ کے پاس رہتے ہیں، تم کو یہ خیال نہیں ہے کہ ہم یہاں اللہ کے واسطے آئے ہیں، اور کام ایسے نکلے کرتے ہو تم سمجھتے ہو کہ لاہوری قاضی مدنی کا سائیس اور کم رو اور حقیر ہے یہی جان کر تم نے اس کو مارا یہ تم نے بڑی زیادتی اور حرکت بیجا کی، ہمارے نزدیک تم اور لاہوری بلکہ سب برابر ہیں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے سب لوگ یہاں خدا کے واسطے آئے ہیں۔

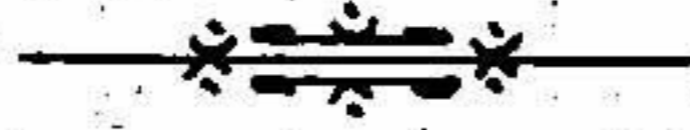
اس کے بعد آپ نے حافظ صاحب برتھانوی اور شرف الدین بنگالی سے فرمایا کہ

ان دونوں کو قاضی جہان کے پاس لے جاؤ عنایت اللہ کی زیادتی ہے، ان سے کہنا کہ اس معاملہ میں کسی کی رورعایت نہ کریں، شرع شریف کے موافق فیصلہ کر دیں۔

اگلے روز دو تین گھنٹے کی مدت میں چڑھے حافظ صاحب بر شرف الدین لاہوری اور عنایت اللہ کو لے کر قاضی کے پاس گئے انھوں نے عنایت اللہ لاہوری کو سامنے بٹھایا پہلے عنایت اللہ کی طرف مخاطب ہو کر خوب ملامت کی کہ تم نے بہت بُرا کیا اور تم سزا کے قابل ہو، پھر لاہوری کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بھائی صاحب تم بہت نیک بخت اور بے شر آدمی ہو تم سب صاحب ہندوستان اپنا گھر بار چھوڑ کر محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہو کہ اللہ تم سے راضی ہو اور آخرت میں ثواب ملے اور دنیا کا کارخانہ تو چند روز کے لئے خواب و خیال کی طرح ہے، سو بات یہ ہے کہ عنایت اللہ تمہارا بھائی ہے اور اس سے شامت نفس کے سبب یہ تصور ہو گیا اس نے تم کو مارا تم اگر اس کا تصور معاف کر دو اور دونوں مل جاؤ تو بہت خوب بات ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر پاؤ گے اور جو تم اس کا عوض لو گے تو برابر ہو جاؤ گے جو معاف کرنے میں ثواب ہے، وہ نہ ملے گا، معاف کرنا بھی خدا رسول کا حکم ہے، اور عوض لینا بھی، مگر معاف کرنے میں ثواب اور عوض لینے میں اپنے نفس کی خوشی ہے۔

یہ بات سن کر لاہوری نے کہا کہ قاضی صاحب اگر ہم عنایت اللہ کو معاف کر دیں تو ثواب پاویں گے اور جو اپنا عوض لے لیں تو برابر ہو جاویں گے بھلا کسی طرح کا گناہ تو نہیں ہے، انھوں نے کہا کچھ گناہ نہیں ہے، دونوں حکم خدا رسول کے ہیں جو چاہو منظور کرو، لاہوری نے کہا میں تو اپنا حق چاہتا ہوں، قاضی صاحب نے کچھ دیر سکوت کر کے فرمایا کہ بھائی لاہوری حق تو تمہارا یہی ہے کہ تم بھی عنایت اللہ کو اسی جگہ مارو اور

عنایت اللہ کو لاہوری کے سامنے کھڑا کر دیا کہ اپنا عوض لے لو لاہوری نے کہا حق ہمارا یہی ہے کہ ہم بھی اسی جگہ دو گھونٹے ماریں، قاضی صاحب نے کہا بیشک یہی بات ہے۔ اس وقت جو لوگ موجود تھے، سب کی امیدیں منقطع ہو گئیں، اور یقین ہو گیا کہ لاہوری بے عوض لے نہ چھوڑے گا، لاہوری نے کہا اچھا بھائیو جو سب حاضر ہو گواہ رہو کہ قاضی صاحب نے ہم کو ہمارا عوض دلایا ہم لے سکتے ہیں، مگر ہم نے محض اللہ کی رضا مندی کے لئے چھوڑ دیا، پھر اس نے عنایت اللہ کو اپنے سینہ سے لگایا اور مصافحہ کیا تمام لوگ جو وہاں تھے، لاہوری کو آفریں کرنے لگے اور شاباش دینے لگے کہ تم نے بڑے دینداروں کا کام کیا۔



بس اتنی بات تھی

”ہم نے آج سے تم کو لشکر میں غلہ اور آٹے کی تقسیم پر مقرر کیا، یہ بات سید صاحب نے لشکر کے ایک ایسے مکرور اور نحیف البختہ شخص سے فرمائی جن کو بیماری نے اور دہلا کر دیا تھا، ان صاحب کا نام عبدالوہاب تھا، اور یہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں مگر کئی عارضوں میں گرفتار ہوں، اور اس حال میں تھوڑا تھوڑا قرآن مجید بھی حفظ کرتا ہوں، اور یہ محنت کا کام ہے، اس کے واسطے طاقت اور تندرستی چاہئے۔“

آپ نے یہ سن کر سکوت کیا پھر فرمایا، مولوی صاحب! تم بسم اللہ کر کے مسلمان بھائیوں کی خدمت کے لئے کمر باندھو، ہم تمہارے واسطے دعا کریں گے انشاء اللہ تمہارے عارضے جلتے رہیں گے، اور طاقت و توانائی بھی آجائے گی اور اسی خدمت عظمیٰ کے انجام دینے کے دوران میں تم کو قرآن شریف بھی حفظ ہو جائے گا۔“

یہ بشارت سن کر وہ خوش ہوئے اور اسی روز غلہ بانٹنے لگے، تمام لوگ ان سے راضی تھے، اور سید صاحب سے ان کی خوبیاں بیان کرتے تھے، چند روز میں اسی خدمت کے اندر اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام امراض دور کر دیئے اور وہ بالکل صحیح سالم اور طاقتور ہو گئے، اسی خدمت کے اندر قرآن مجید ان کو حفظ ہو گیا، ایک روز سید صاحب نے

خوش ہو کر فرمایا کہ مولوی اب تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تم کو خوب تندرست
 و توانا کر دیا اور قرآن مجید بھی تم کو حفظ ہو گیا، انھوں نے عرض کیا کہ ہاں اللہ تعالیٰ نے
 آپ کی دعا کی برکت سے میری دونوں مرادیں پوری کر دیں، اب آپ میرے واسطے دعا
 کریں کہ میرا قرآن شریف پختہ ہو جائے میری یہ آرزو ہے کہ ایک بار تراویح میں قرآن مجید
 اول سے آخر تک آپ کو سنا دوں، آپ نے فرمایا بہت خوب ہم دعا کریں گے اب نشاء اللہ
 قرآن شریف نہ بھولو گے تم جو خالصاً مسلمان بھائیوں کی خدمت کرتے ہو اللہ تعالیٰ
 نے تم کو گویا مزدوری میں یہ عنایت کیا ہے۔

مولوی عبدالوہاب صاحب کا ہر روز یہ معمول تھا کہ قرآن شریف پڑھتے جاتے تھے
 اور غلہ یا آٹا لوگوں کو تقسیم کرتے جاتے تھے، ایک ایک کو دیتے اور زبان سے نہ گنتے مگر کبھی کسی کے
 آٹے غلہ میں کسی قسم کی کمی ہوتی نہ آتی۔

ایک روز آٹا تقسیم کر رہے تھے کہ امام علی عظیم آبادی آٹا لینے کو آئے وہ بڑے قوی
 اور جسم تھے، آٹا باری سے تقسیم ہوتا تھا، وہ پہلے مانگنے لگے مولوی صاحب نے کہا کہ تمہاری
 باری ابھی آتی ہے، ٹھیر جاؤ وہ جلدی کرنے لگے انھوں نے نہ مانا، آخر میں امام علی نے مولوی صاحب
 کو دھکا دیا، اور وہ گر پڑے وہاں قندھاری بھی آٹا لینے کو بیٹھے تھے، ان کو بڑا معلوم ہوا اور
 وہ سب مل کر میرا امام علی کو مارنے پر تیار ہوئے مولوی صاحب نے قندھاریوں کو روکا اور
 کہا وہ ہمارا بھائی ہے، دھکا دیا تو ہم کو دیا تم سے کیا مطلب، وہ سب نادم ہو کر چپ
 ہو رہے، مولوی صاحب نے ان کو آٹا دیا وہ اپنے ڈیرے پر گئے، لوگوں نے سید صاحب
 سے جا کر یہ قصہ بیان کیا، جب اس دن مولوی صاحب رات کو حضرت کے پاس گئے اپنے
 پوچھا کہ مولوی صاحب آج میرا امام علی نے تم سے کیا قصہ کیا انھوں نے کہا میرے نزدیک

انہوں نے کچھ نہیں کیا وہ تو بڑے نیک بخت آدمی ہیں، وہ اٹنا لینے کو آئے اور مجھ سے مانگا ان کی باری نہ تھی، انہوں نے جلدی کی اس میں ان کا دھکا میرے لگ گیا بس اتنی بات تھی سید صاحب یہ بات سن کر خاموش ہو رہے، کسی نے یہ بات میرا امام علی کو پہونچائی کہ مولوی عبدالوہاب نے تمہارے متعلق سید صاحب سے ایسی گفتگو کی وہ اپنی حرکت پر بہت نادم ہوئے اور اسی وقت سید صاحب کے سامنے آکر مولوی عبدالوہاب سے اپنی خطا معاف کرائی اور مصافحہ کیا۔

کئی سال کے بعد موضع راج دواڑی میں مولوی عبدالوہاب نے سید صاحب کو تراویح میں قرآن شریف سنایا اور اس کے بعد ہی ذی قعدہ میں بالاکوٹ کی جنگ میں شہید ہوئے۔



دشمن کے ساتھ امانت و دیانت

مجاہدین میں اسلامی تعلیمات و آداب (جس کی تربیت ان کے قائد اور مربی کے ہاتھوں ہوئی تھی) اس طرح راسخ ہو چکے تھے، اور ان کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا کہ یہ اخلاق و آداب ان کی طبیعت تانیہ بن گئے تھے، جو دوست دشمن، اقرب و بعید، کسی میں امتیاز نہ کرتی تھی، اور سفر و حضر، خوشی و ناخوشی، کسی حالت میں بھی ان کا ساتھ نہ چھوڑتی تھی، یہاں اس امانت و دیانت کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے، جو ان حضرات کا شعار اور مزاج و ذوق تھی، اور ان کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو چکی تھی۔

پنجتار کے ایک مجاہد فتح علی کو بغرض علاج پشاور جانے کی ضرورت پیش آئی، اور ان کو وہاں ایک سکھ افسر سے واسطہ پڑا، یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں اور سکھوں میں جنگ جاری تھی۔

افسر نے کہا کہ میاں صاحب آپ کہاں سے آئے اور کہاں جا رہے ہیں، آپ بلا کچھ خیال کئے اپنا حال مجھے بتادیں۔

فتح علی صاحب نے ہمت کر کے اودھل مضبوط کر کے جواب دیا کہ میں ہندوستان سے امیر المومنین حضرت سید احمد صاحب کے ساتھ یہاں آیا ہوں اور میں ان کے لشکر میں ہوں۔

اور امیر المومنین کے ماننے والے نہ جھوٹ بولتے ہیں نہ کسی کو دھوکہ دیتے ہیں، خواہ وہ ان کا دوست ہو یا دشمن، اس لئے کہ امیر نے ان کی ایسی ہی تربیت کی ہے، امیر المومنین خود بہت اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں، بہت سخی، کریم النفس، وعدہ کے سچے اور عہد کے پکے ہیں، غرض زبان ان کی تعریف کرنے سے قاصر ہے، اگر آپ ان سے ملیں گے تو بہت خوش ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے ولی اور خدا رسیدہ بندے ہیں کہ اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لیتا ہے۔

سکھ افسر نے یہ سن کر جواب دیا کہ، میاں جی، جو کچھ تم نے کہا ہے، سچ ہے، میں پہلے بھی آپ کے امیر صاحب کے بارے میں یہی سن چکا ہوں اور مجھے ان سے ملنے کا بہت شوق ہے، اور میرا ارادہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا ہے، میرا بھائی لاہور سے آجائے تو یا تو میں خود حاضر ہوں گا یا اس کو ان کے پاس بھیجوں گا۔

اس نے یہ بھی کہا کہ آپ مجھ کو خفیہ طور سے امیر صاحب کی ساری باتیں بتائیں میں چاہتا ہوں کہ آپ سے اس سلسلہ میں روزانہ کچھ معلومات حاصل کروں، فتح علی صاحب نے کہا کہ امیر المومنین کا اخلاق و شرافت، حوصلہ و بہمت، دریا دلی اور نرمی و شفقت ایسی ہے کہ جو آپ کے پاس تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاتا ہے، وہ پھر ان کو چھوڑنا نہیں چاہتا، میں چار پانچ دن میں واپس جانا چاہتا ہوں، میری تمنا ہے کہ ایک بار میں خیر آباد کا قلعہ دیکھ لیتا اس لئے کہ لوگ مجھ سے اس بارہ میں ضرور پوچھیں گے اور میں کچھ بتانہ سکوں گا۔ وہ افسر بولا، میاں جی تمہارا معاملہ عجیب ہے تم ہم سے لڑتے بھی ہو اور ہمارے دشمن سے بھی ملے ہوئے ہو، پھر تم کو یہ کہنے کی جرأت کیسے ہوتی ہے کہ میں تم کو اپنے مستحکم قلعہ اور وہاں کے فوجی ٹھکانے دکھانے کے لئے تیار ہو جاؤں گا تمہیں ڈر نہیں لگتا۔

فتح علی صاحب نے جواب دیا ڈر کس بات کا ہے؟ امیر المومنین کے ساتھ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، مجھے آپ کریم النفس معلوم ہوئے اس لئے میں نے یہ خواہش کی کہ آپ کے ذریعہ میں یہ قلعہ دیکھ لوں۔

یہ جواب سن کر سکھ افسر سنس پڑا اور کہنے لگا کہ آپ کچھ نہ کہجئے میں نے یہ سب مزاحاً کہا تھا، میں آپ کے لئے ایک چٹھی لکھ دوں گا وہ آپ پہرہ داروں کو دے دیجئے گا تو آپ کو اندر جانے کی اجازت مل جائے گی۔

اس کے بعد اس افسر نے قلم دوات منگوایا اور پہرہ داروں کے نام ایک سفارشی رقعہ لکھ کر فتح علی صاحب کے حوالہ کیا، فتح علی صاحب اس کو لے کے گئے ان کو داخلہ کی اجازت مل گئی، اور انھوں نے قلعہ کی خوب سیر کی، اور دن ڈھلتے جب فتح علی صاحب واپس آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کا میزبان افسر سخت نشہ کی حالت میں بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے، اس کے گلے میں سونے کی ایک زنجیر کان میں سونے کی بالی تھی اور قریب ہی تلوار پڑی تھی جس کا دستہ سونے کا تھا، جب اس کی نظر فتح علی صاحب پر پڑی تو اس نے پوچھا، میاں جی اٹک کا قلعہ تم نے دیکھ لیا؟ فتح علی صاحب نے جواب دیا کہ ہاں، اس کے بعد اس پر غنودگی طاری ہو گئی، اور وہ سو گیا، فتح علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ وہ برابر سوتا رہا، یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی چور اچکانہ آجائے اور اس کے سونے سے فائدہ اٹھا کر یہ سب کچھ اڑ لے جائے، وہ کہتے ہیں کہ یہ سوچ کر میں نے ایک لاشی لے لی اور اس کے گھر کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا، ادھی رات کے قریب افسر کی آنکھ کھلی اور اس نے دیکھا کہ میں کھڑا پہرہ دے رہا ہوں یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ میاں جی، تم ابھی تک جاگ رہے ہو، میں نے کہا آپ نشہ میں تھے، اور سو رہے تھے، اور آپ کا قیمتی سامان میرے سامنے پڑا ہوا تھا، مجھے

ڈرہوا کہ کوئی چور ڈاکو اس پر ہاتھ صاف نہ کرے یا آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے اس نے کہا کہ میاں جی تم ٹھیک کہتے ہو مجھ جیسے آدمی کے لئے نشہ و شہ عیب کی بات ہے اس کے بعد اس کی آنکھ پھر لگ گئی۔

جب صبح ہوئی اور دن چڑھ گیا تو وہ مجھے اپنے ساتھ خیر آباد کے قلعے دکھانے کے لئے لے گیا اور اس کے ساتھ ہم لوگ واپس آئے۔

میں اس کے ساتھ آٹھ روز ٹھیرا اس درمیان میں وہ روز مجھ سے سید صاحب کے بارے میں پوچھتا اور میں آپ کی کچھ باتیں عرض کرتا، ایک روز اس نے کہا کہ ایک دن آپ نے مجھے شراب سے بچنے کی نصیحت کی تھی، آج میں نے توبہ کی کہ اتنی زیادہ اب نہ پیوں گا کہ ہوش و حواس جاتا رہے۔

فتح علی صاحب کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں بحفاظت اپنے شکر پہنچ گیا۔

ایک رہزن کی توبہ و اصلاح

اس اسلامی نوآبادی میں جو بھی آتا اور اس کو دو چار دن قیام کا موقع ملتا وہ مجاہدین کے اخلاق و کردار سے ضرور متاثر ہوتا خواہ وہ کسی اچھی نیت سے نہ آیا ہو۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے ہنشین ان کے فیض و برکت سے محروم نہیں رہتے۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ بطور مثال یہاں پیش کیا جاتا ہے:

ایک قریبی گاؤں ٹوپسی میں پھیلہ نام ایک شخص بڑا ظالم اور مردم آزار تھا، تمام بستی
 والے اس سے تنگ اور عاجز تھے، آخر سب نے متفق ہو کر اس کو ٹوپسی سے نکال دیا وہ وہاں
 سے دریائے اٹک اتر کر سکھوں میں جا رہا اور ان سے موافقت پیدا کی، انھوں نے اٹک کے
 کنارے اس کے لئے ایک برج بنا دیا اور زراعت کے واسطے کچھ زمین بھی دی، وہ اس برج میں
 رہنے لگا پچاس ساٹھ آدمی ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے، وہ اگر ٹوپسی کے علاقہ میں ڈاکہ
 مارا کرتا تھا، اور وہاں بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا، ایک مرتبہ سکھوں کو اپنے ساتھ لے کر مشوانی قوم کے ایک
 آباد موضع کو خوب لوٹا اس بستی کے اسی آدمی مارے گئے، اور پھر اس بستی پر قبضہ کر کے خود وہاں
 رہنے لگا، ان بسنیوں کے لوگ سید صاحب کے پاس ناشی ہوئے اور اس کی سرکوبی کی درخواست
 کی آپ نے ان کی تسلی اور دلجمعی کر کے واپس کر دیا اور پھیلہ کے پاس اس مضمون کا خط بھیجا
 کہ تم مسلمان ہو تم کو مناسب نہیں ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائیوں کو لوٹو مارو اور تنگ کرو تم
 یہاں ہمارے پاس چلے آؤ ہم تم کو تمہاری بستی میں بسا دیں گے، اور جو تمہاری زمین جاگیر ہوگی
 تم کو دلا دیں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ تم کو ایک گاؤں اور دیں گے۔

جب یہ خط اس کو ملا اس نے اپنے ساتھیوں سے صلاح لی سب نے کہا چلنا ہی
 مناسب ہے کیونکہ وہ سید اور ہم سب کے امام اور بادشاہ ہیں، ہم سب کو تو پکڑنے سے
 رہے، اگر دو چار کو ہم میں گرفتار کر لیں گے تو ہم جیسا ہوگا دیکھ لیں گے، چنانچہ پھیلہ امب میں
 آکر سید صاحب سے ملا آپ بہت خوش ہوئے اس نے تین گھوڑے چار بندوقتی اور
 نو تلواریں جو سکھوں سے ایک روز پہلے لوٹی تھیں، آپ کی نذر کیں، آپ نے اس کے آدمیوں
 کو ایک ایک پگڑی اور ایک ایک سنگی عنایت کی، اور پھیلہ کو ایک سبز و شالہ بہت سے کپڑے
 اور کچھ نقد روپے دیئے، پھر پھیلہ نے اور اس کے آدمیوں آپ سے بیعت کی اور فسق و فجور اور

یڑے کاموں سے توبہ کی تین روز آپ نے اس کو اپنے پاس رکھا اور اس کو خوب نصیحت فرمائی اور تسلی کر کے رخصت کیا تھوڑے دن کے بعد آپ نے موضع ٹوپی کے رئیسوں کو اور پھلیہ کو بلایا اور ان سے صلح صفائی کرائی اور پھلیہ کا جو حق ٹوپی میں تھا ان رئیسوں سے دلادیا اور ایک گاؤں جو دریائے اٹک کے کنارے ایک ٹیکری پر ویران پڑا تھا، اور وہاں اکثر مسافر لوگ لٹ جاتے تھے، وہ پھلیہ کو دلوادیا اور فرمایا کہ اب وہیں رہا کرو۔

اس کے بعد پھلیہ کی زندگی میں انقلاب سا آگیا اور تمام اچھی باتیں اس نے اختیار کر لیں، کئی معرکوں میں اس نے اپنے جوہر دکھائے اور اس سے دین کو اور مسلمانوں کو بڑی تقویت ہوئی اور ان کے ہاتھ مضبوط ہوئے۔

دو جاسوسوں کا قبول اسلام

پنجتار کے قیام میں دو سکھ آپ سے ملنے آئے آپ نے ان سے آنے کا سبب پوچھا انھوں نے عرض کیا کہ صرف آپ کی ملاقات کو آئے ہیں، آپ نے فرمایا خیر تم ہمارے مہمان ہو، جب تک چاہو رہو، آپ نے ان کے واسطے اپنے یہاں سے جنس مقرر کر دیا، وہ دونوں روزانہ فجر و عصر کی نماز کے بعد آپ کے پاس بیٹھتے تھے، اور آپ کی باتیں سن کر اپنے بستر پر چلے جاتے تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ تمہیں جو کچھ ضرورت ہو کرے ہم سے کہہ دیا کرو، اور کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا، مگر وہ کچھ نہیں کہتے تھے، دس بارہ دن کے بعد انھوں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت

اتنے دن ہم آپ کی خدمت میں رہے، آپ کی باتیں خوب نہیں جو کچھ لوگوں سے آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سنے تھے ان سے بڑھ کر پایا اور آپ کا طریقہ اور دین ہم کو بہت پسند آیا اب ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو بھی یہ دین اور طریقہ آپ تعلیم کریں۔

سید صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسی وقت ان کو کلمہ شہادت پڑھا کر مسلمان کیا اور بڑے کا نام عبدالرحمن اور چھوٹے کا نام عبدالرحیم رکھا اور میاں جی چشتی سے فرمایا کہ ان کو اپنے ڈیرے میں لے جا کر نماز سکھاؤ اور شیخ ولی محمد صاحب سے فرمایا کہ ان کو دو دو گھوڑے کپڑے بنوادو، اسی روز سید صاحب نے ان کا ختنہ بھی کرادیا، بعد میں انھوں نے سید صاحب سے بیان کیا کہ ہم کو خیر آباد سے سکھوں کے سالار نے آپ کے پاس بھیجا تھا کہ ہم لوگوں سے خلیفہ صاحب کی توہمیاں اور بزرگیاں بہت سنتے ہیں، سو تم خود جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ آؤ اور ہم سے آکر بیان کرو، اس واسطے ہم آپ کو دیکھنے آئے تھے، یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے طفیل سے ہم کو اسلام کی نعمت عطا فرمائی، سید صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے ان کو دو گھوڑے دیئے اور فرمایا کہ تمہاری خوشی ہو تو ہمارے شکر میں رہو اور چاہو تو خیر آباد میں اپنے افسر کے پاس جاؤ تم کو اختیار ہے، وہ دو مہینے کے قریب شکر میں رہے اور نماز سکھی اور خدمت ہو کر خیر آباد آیا کسی اور طرف کو چلے گئے۔

نظام قضا و احتساب کا قیام

تھوڑے دن کے بعد سید صاحب نے اس علاقہ میں نظام شرعی کا اجرا کیا اور ممتاز

لہ سیرت سید احمد شہید ص ۲۹۔

افتخالی عالم قاضی محمد جان کو وہاں کا قاضی القضاة مقرر کیا، ہر گاؤں میں قاضی اور مفتی منتخب اور صدقات اور عشر و زکوٰۃ کی تحصیل کے لئے عمال اور محصل مقرر کئے، ساری آمدنی بیت المال میں باضابطہ جمع کی جاتی اور پھر وہاں سے شرعی اصولوں کے مطابق تقسیم ہوتی، قاضی محمد جان صاحب نے مقامی اور غیر ملکی علماء کے مشورہ سے تارکین فرائض اور ترکبین منہیات کے لئے سزائیں اور جرمانے تجویز کئے اور اس کی وجہ سے بہت سی خرابیوں کا سدباب ہوا بہت سے فاسق و فاجر، اوباش و بے دین لوگ اپنی حرکتوں سے باز آئے، اور معاشرہ ان کے شر اور بدکرداری سے محفوظ ہو گیا نمازیوں کی تعداد میں بھی بڑا اضافہ ہوا اور اس آیت کی عملی تفسیر نگاہوں کے سامنے آگئی کہ:-

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ (خود بھی) نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّا هُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا
الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَذَلِكَ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ
(سورہ حج - ۴۱)

چلتی پھرتی چھاؤنی اور عملی درسگاہ

یہ اسلامی نوآبادی تصوف کی کوئی خانقاہ یا تارکین دنیا کی کوئی رباط اور دہلیشوں کی جائے قیام نہ تھی، یہ ایک دینی اور تربیتی مرکز کے ساتھ فوجی چھاؤنی اور شہ سواری و سپہ گری کا

مرکز بھی تھی، مجاہدین و مہاجرین اپنے کو مسلسل حالت جنگ میں سمجھتے تھے، اور ہر خطرہ کے مقابلہ کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے، اور سامان جہاد تیار رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ سید صاحب مجاہدین کی جماعت کے ساتھ ایک قریب کی گھاٹی میں تشریف لے گئے جو پنجتار سے ایک میل کے فاصلے پر تھی وہاں ایک ٹیلہ تھا جس کی بلندی سطح تھی، اپنے توپ خانہ کے لئے اس جگہ کو تجویز فرمایا اور حکم دیا کہ پنجتار سے توپیں لاکر یہاں نصب کی جائیں چنانچہ یہاں توپ خانہ قائم ہوا اور بموں، گولوں اور بارود کا ایک ذخیرہ بھی وہاں اکٹھا کیا گیا، اور توپچیوں اور گولہ اندازوں کے لئے کوارٹر بھی تعمیر کئے گئے، موضع قاسم خیل میں گولہ بنانے کا ایک کارخانہ قائم کیا گیا اور سید صاحب وہاں تشریف لے گئے اور گولوں کی تیاری کے سارے مراحل کچشم خود دیکھے، شہ سواروں اور گھوڑوں کے مقابلے اور جنگی مشقوں کا بھی انتظام کیا گیا، اس میں سید صاحب نے بھی حصہ لیا اور مختلف فنون سپہ گری میں آپ کا امتیاز ظاہر ہوا اور آپ کی مہارت اور فوقیت کا بڑے بڑے شہ سواروں اور زور آزمائوں نے اعتراف کیا اور معلوم ہوا کہ آپ اس میں بھی ایجاد و اجتہاد کے مرتبہ پر فائز ہیں اور ان فنون سے محض عملی واقفیت اور مہارت رکھنے والوں میں نہیں جو صرف لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔

اس نو آبادی میں جسمانی ورزشیں اور جنگی مشقیں روز کا معمول اور وہاں کی عام زندگی میں شامل تھیں، مجاہدین ایک دوسرے سے فنون حرب میں استفادہ کرتے تھے، لیکن ان لوگوں میں سید صاحب کے بعد مولانا احمد اللہ صاحب ناگپوری اور سردار عبدالحمید خاں سب سے پیش پیش تھے، اور ہر چیز میں اول آتے تھے چنانچہ سید صاحب نے ان کو حکم دیا کہ وہ مجاہدین کو گھوڑ سواری، نیزہ بازی، اور تیر اندازی، نیزہ بندوق چلانے اور شمشیر کے جوہر دکھانے کی باقاعدہ مشق کرائیں جب مقامی باشندوں نے (یو فطری طور پر جنگ جو واقع ہوئے تھے) یہ منظر دیکھا تو

ان کو ان غریب الوطن مہاجرین کی مہارت پر بڑی حیرت ہوئی اور ان کمالات میں استاد مان لیا، اور وہ بھی ان مشقوں اور تیاریوں میں شریک ہو گئے اور ان سے بہت استفادہ کیا، جسمانی ورزش اور جنگی مشقوں کے بہت سے مرکز کھولا دیئے گئے، سید صاحب نے رسالدار عبدالحمید خاں کو گھوڑ سوار دستہ کا افسر اعلیٰ اور فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اور ان کے لئے خوب دعا کی اور ایک اسیل گھوڑا جو آپ کو نواب وزیر الدولہ والی ٹونک نے نذر کیا تھا، ان کو عطا کیا اور ان کے سر پر اپنے ہاتھ سے عامہ باندھا، عبدالحمید خاں اس عزت افزائی اور سرفرازی پر بہت خوش ہوئے، خدا کا شکر ادا کیا اور مسجد جا کر شکرانہ کی دو رکعت نماز پڑھی، اسی دن سے ان کے اخلاق و کردار میں نمایاں فرق محسوس ہوا، طبیعت میں نرمی پیدا ہو گئی، اور بہت بردبار کریم النفس، مسلمانوں کے بہرہ اور دشمنان دین کے لئے سخت و تند نظر آنے لگے اور مایہ کے ایک معرکہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے، مسلمانوں پر ان کی وفات کا بڑا اثر تھا اور سب ان کے لئے دل سے دعا گو اور ان کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔

مجاہدین کی سرگرمیاں

اس پوری مدت میں سید صاحب نے اطراف و جوانب کے سرداروں سے رابطہ قائم رکھا، ان سے مراسلت کرتے اور کبھی کبھی خود ان سے جا کر ملتے اور جہاد اور دین کی نصرت پر انہیں آمادہ کرنے کی کوشش کرتے، اس سلسلے میں پانڈہ خاں والی امب کا نام قابل ذکر ہے، جو اپنی شجاعت و قوت میں مشہور تھے۔

سید صاحب مختلف جگہوں پر مجاہدین کے سر پہ اور دستے بھینچتے تھان معرکوں میں
 مجاہدین کی شجاعت و ہمت، احکام شرعیہ کی اطاعت اور ڈسپلن کی پابندی، اور مال غنیمت
 کے موقع پر ان کی پاکبازی و دیانت خوب کھل کر ظاہر ہوتی اور اسی کے ساتھ مقامی سرداروں
 اور امراء کے شخصی مفادات قبائلی خصومات اور دینی حمیت کی کمی اور خطرہ کی طرف سے
 بے شعوری صاف دیکھی جاسکتی تھی، غرض مختلف مقامات پر ایسے معرکے پیش آئے جن میں
 مجاہدین کی ہمت و شجاعت اور سرفروشی و جان سپاری نمایاں ہو کر سامنے آئی اور ان تمام
 معرکوں اور لڑائیوں میں مولانا محمد رامپوری کا پایہ سب سے بلند رہا۔

اس زمانہ میں مجاہدین کے جوئے قافلے ہندوستان سے پہنچنے ان کی تعداد پندرہ
 سے کم نہ تھی ان میں بڑے بڑے علماء اہل و جاہت اور بہت سے غیور و پر جوش نوجوان
 شامل تھے، نیز سید صاحب کے بھانجہ سید احمد علی اور دوسرے اقارب تھے، اسی کے ساتھ مجاہدین
 کے اعوان و انصار اور جماعت کے دوسرے افراد کی طرف سے روپیہ بھی آیا جو مختلف دینی
 مصالح اور ضروریات پر صرف ہوا۔

خطوط ایک خفیہ زبان میں لکھے جاتے تھے، جس کو صرف جماعت کے علماء سمجھتے تھے،
 ان میں سے بہت سے خطوط عربی میں بھی لکھے جاتے تھے۔

سید صاحب نے جہاد کی دعوت کے لئے مختلف علاقوں میں واعظین بھیجے اور جماعت
 کے ممتاز علماء کو ہجرت و جہاد کی دعوت، عقیدہ صحیحہ کی اشاعت اور خرافات و جاہلیت
 کے خاتمہ کے لئے ہندوستان روانہ کیا، ان لوگوں میں مولانا محمد علی رامپوری اور مولانا

لہ ان میں سرفہرست مشہور محدث مولانا محمد اسحاق دہلوی، سیرہ حضرت شاہ عبدالعزیز ہیں، جو
 عہد آخر میں درس حدیث کے سب سے بڑے استاد اور اس فن کے امام سمجھے جاتے ہیں۔

ولایت علی عظیم آبادی بھی تھے، ہو سید صاحب کے اہم خلفاء اور رفقاء میں تھے۔
 دوسرا دورہ آپ نے سوات کا کیا اور اس کے پایہ تخت خیر میں پورے ایک سال
 قیام رہا یہ پورا زمانہ آپ نے دعوت و اصلاح و عطا و ارشاد میں گزارا اور اس میں کوئی دقیقہ
 فرو گذاشت نہیں کیا، قبائلی سردار اور سربراہ آوردہ اور ممتاز علماء آپ کو ہر وقت گھیرے
 رہتے تھے۔

اس کے بعد خیر کے مجاہدین دوبارہ اپنی جنگی مشقوں، نیزہ بازی، گھوڑ دوڑ اور
 چاند ماری میں مشغول ہو گئے، کبھی کبھی سید صاحب اس میں شرکت کرتے اور ان کو مفید مشورے
 دیتے اور اپنی مہارت اور ہنرمندی پر ناز اور تکیہ کرنے سے آگاہ کرتے اور محض خدا پر اعتماد اور
 اس سے مدد طلب کرنے کی ترغیب دیتے، خیر ہی میں ارباب بہرام خاں کی سرکردگی میں ایک
 چھاپہ پشاور کے قریب تمان زئی میں بھیجا گیا اس میں سید صاحب نے بنفس نفیس شرکت کی،
 اس چھاپہ میں مجاہدین کو سخت زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا، قریب تھا کہ گرمی کی شدت اور
 پیاس اور صحرا نوردی میں وہ سب ہلاک ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور وہ
 بحفاظت اپنے مستقر پر واپس ہوئے۔

عالم ربانی کی وفات

خیر (سوات) میں شیخ الاسلام مولانا عبدالحی کا سانحہ وفات پیش آیا یہ ایک
 ہی مصیبت عظمیٰ تھی جس میں لوگوں نے ایک دوسرے کی تعزیت کی، ان کی وفات سے

مسلمان ایک عالم ربانی مخلص داعی اور شفیق باپ کی محبت سے محروم ہو گئے آخری ایام میں ان کی قوت ایمانی اور غیرت دینی پورے جوش میں تھی، ثقہ راوی بیان کرتے ہیں۔

سید صاحب مولانا عبدالحی صاحب کو دوسرے امور کی نگرانی کے لئے وطن چھوڑ آئے تھے، اور یہ کہہ آئے تھے کہ بعد میں ان کو بلا لیں گے، اس درمیان میں، مولانا اپنی طلبی کا اس بے چینی اور انتیاق سے انتظار کرتے رہے، جیسے وہ ماہی بے آب ہوں یا جلا وطنی اور قید میں زندگی گزار رہے ہوں، جب طلبی ہوئی، تو خوشی سے دیوانہ وار ادھر سے ادھر دوڑتے تھے، اور کہتے تھے کہ سید صاحب نے مجھے یاد فرمایا ہے، سید صاحب نے مجھے یاد فرمایا ہے، اس کے بعد ان طویل ریگستانوں، دریاؤں، اور پہاڑوں کو بدقت تمام عبور کر کے جس طرح اور مجاہدین نے کیا تھا، وہاں پہنچے جب سید صاحب کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئے اور آپ نے ان کے لئے بہت اہتمام کیا، وہاں سے مولانا عبدالحی صاحب نے اپنے ایک دوست کو خط میں لکھا کہ میں سنتا اور پڑھتا آیا تھا، کہ مومن جب جنت میں پہنچے گا تو دنیا کی ساری تکلیفیں اور مصائب و آلام یک محنت بھول جائیگا اور اس کا سب نکان اسی وقت دور ہو جائے گا، یہی قصہ یہاں میرے ساتھ پیش آیا میں جب اپنے احباب و محسن کے پاس پہنچا تو سفر کی ساری تھکاوٹ دور ہو گئی۔

اس کے بعد مولانا دعوت و اصلاح اور وعظ و ارشاد کے کام میں تندہی سے مشغول ہو گئے، جب وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ نے سید صاحب سے کہلوایا کہ میری خواہش تھی کہ میدان جنگ میں میری موت ہوتی، لیکن تقدیر الہی سے بستر پر جان دے رہا ہوں، سید صاحب کو اطلاع ہوئی تو آپ تشریف لائے اور حال پوچھا، مولانا نے کہا کہ نہایت تکلیف ہے، آپ میرے واسطے دعا کریں، اور میرے سینہ پر اپنا قدم رکھ دیں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ

اس مصیبت سے بچھو نجات دے، آپ نے فرمایا، مولانا صاحب آپ کا سینہ کتاب و سنت کے علم کا گنجینہ ہے، میری کیا مجال کہ میں اس پر پاؤں رکھوں، پھر آپ نے بسم اللہ کر کے اپنا ہاتھ رکھ دیا، مولانا کو قدرے تسکین ہوئی اور کئی بار اللہ الرقیق الاعلیٰ، اللہ الرقیق الاعلیٰ، اپنی زبان سے کہا اور انتقال فرمایا۔

نظام شرعی کی تجدید اور امامت امار کا قیام

ان حالات کو دیکھ کر اسلام کے اس رکن عظیم کی برکتوں اور فائدوں پر ان لوگوں کا عقیدہ اور نچتہ ہو گیا جنہوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور آپ کو اپنا امام اور امیر تسلیم کیا تھا، ان کو محسوس ہوا کہ اس نظام کو اور وسیع کرنے، اس کا دائرہ اختیار بڑھانے اور اس کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کی ضرورت ہے، ان کو یقین تھا کہ اگر خدا کی نصرت و مدد رہے تو اطراف و جوانب کے مسلمان باشندوں کو احکام شرعیہ قبول کرنے کی دعوت دینا ضروری ہوگا اور ان کو اس پر آمادہ کرنا ہوگا کہ وہ افغانی رسم و رواج اور اس ملکی دستور سے دست بردار ہوں جو اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکام سے متصادم ہے اور امام کی ایسی اطاعت کریں کہ اس میں بدعات و منکرات اور ہوا پرستی کا کوئی دخل نہ ہو، شرعی جہاد اسی وقت مکمل ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت نازل ہوگی۔

سید صاحب نے سوات کے دارالسلطنت خرمیں ایک سال سے زیادہ عرصہ گزارا (جمادی الآخرہ ۱۲۲۳ھ - جمادی الآخرہ ۱۲۲۴ھ) اس نظام شرعی کی مزید توسیع اور

استحکام کی غرض سے آپ پختار تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے امیر کے تقرر اور اس کی اطاعت پر زور دیا اور اس موضوع پر علماء دین سے تبادلہ خیال کیا انھوں نے اس اہم فریضہ کے معاملہ میں اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا، اس موقع پر علماء اور سرداران قبائل کی ایک بڑی تعداد نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پختار میں آپ نے فتح خاں پر (جن کی وجہ سے اس جگہ کا انتخاب عمل میں آیا تھا) یہ بات واضح کر دی کہ وہ یہاں اس شرط پر قیام کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے رئیسانہ و امیرانہ عادات و روایات اور شریعت کے منافی تمام رسوم، موروثی آداب اور لوازم جاہ و منصب سے دستبردار ہو جائیں اور اپنا شمار عام آدمیوں میں کریں، نظام شریک کے سامنے تسلیم مکمل طور پر ختم کر دیں، اور اس معاملہ میں اپنے بھائیوں اور عزیزوں کے ساتھ جانب داری نہ برتیں اور کسی قسم کی مداخلت اور منافقت سے کام نہ لیں، آپ نے وہاں کے علماء اور مدرسین کو دعوت نامہ بھیجا اور تقریباً دو ہزار عالم اور ان کے ساتھ شاگردوں کی ایک بڑی جماعت جس کی تعداد بھی دو ہزار سے کم نہ ہوگی آپ کی دعوت پر وہاں حاضر ہوئے آپ نے قبائل کے نامور سرداروں اشرف خاں اور خاوی خاں کو بھی مدعو کیا اور شروع شعبان میں ان علماء و رؤسا اور سرداروں قبائل کی ایک بڑی کانفرنس منعقد ہوئی، بعد صبح نے علماء اور فقیہوں کو ایک استفتاء ارسال کیا کہ جو امام کی مخالفت اور امام کے خلاف بغاوت کرے اس کا شرعی حکم کیا ہے ان لوگوں نے اس استفتاء پر اپنے دستخط اور مہر میں مثبت کیں، جمعہ کی نماز کے بعد سب علماء اور سرداروں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جو لوگ اس سے پہلے بیعت کر چکے تھے، وہ بھی اس میں شریک ہوئے۔

تیسرے جمعہ ۱۵ شعبان ۱۲۲۲ھ کو فتح خاں نے ارباب حل و عقد اور اپنے قبیلہ کے اصحاب الرائے کو جمع کیا آپ نے ان سب سے بیعت لی اور ایک عالم صالح مولانا

سید محمد میر کو پختار کے علاقہ کا قاضی القضاة مقرر کیا، احکام شرعیہ نافذ کئے گئے، نزاعات شرع اسلامی کی روشنی میں طے کئے جانے لگے، تارکین نماز اور فساق و فجار کی تادیب کے لئے محتسب مقرر کئے گئے اور اس نظام کی برکتیں بہت جلد ظاہر ہونا شروع ہوئیں، دین کا اقتدار اور شوکت و عزت قائم ہوئی، سو سو سال سے لوگوں نے جو حقوق غصب کر رکھے تھے اور جن زمینوں اور املاک پر قبضہ کر رکھا تھا، وہ سب مستحقین کو واپس ملیں جن لوگوں کے حقوق چھینے گئے تھے یا جن کی آبروریزی ہوئی تھی انھوں نے داد خواہی کی اور اپنے حقوق حاصل کئے اس نظام نے تھوڑے دن میں وہ کردکھایا، جو بڑی بڑی منظم حکومتیں نہیں کر سکتیں، اس احتساب و نگرانی کا اثر یہ ہوا کہ لوگ ادائیگی فرائض میں پوری طرح مشغول ہو گئے یہاں تک کہ پورے پورے گاؤں میں ایک آدمی بھی ڈھونڈنے سے نماز کا تارک نہ ملتا، غرض بہت عرصہ کے بعد دین نے سر بلندی و قوت حاصل کی اور اس کا رعب و دبدبہ لوگوں کے دلوں پر قائم ہوا۔

فرانسیسی جنرل کے سامنے

مشہور فرانسیسی جرنیل و نیٹورہ (VANTORA) نے اپنے لشکر کے ساتھ

۱۵ جنرل و نیٹورہ (VANTORA) رنجیت سنگھ کے ممتاز غیر ملکی فوجی قائدین میں تھا، اور وہاں اسکو جو احترام اور اعتماد حاصل تھا وہ کسی اور غیر ملکی کونہ تھا، یہ اٹلی کے ایک ممتاز قائدان سے تعلق رکھتا تھا، اور ایک طویل زمانہ تک نپولین کی ماتحتی میں اسپین اور اٹلی کی فوج میں ملازم رہا۔ (باقی منہ اپر)

دیئے سندھ پار کیا اور قلعہ ہند میں ڈیرہ ڈال دیا معلوم ہوا کہ اس کو حاوی خاں نے طلب کیا ہے، ونیٹورہ نے سرداران قبائل سے حسب معمول ٹیکس وغیرہ کا مطالبہ کیا جیسا وہ ہر سال کیا کرتا تھا، لیکن اس بار ان سرداروں نے ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیا اس لئے کہ وہ اب مید صاحب سے بیعت کر چکے تھے، اور آپ کی اطاعت اپنے اوپر لازم کر چکے تھے، ان کے اندر دینی حمیت اور افتخانی غیرت پیدا ہو گئی، جب انھوں نے محسوس کیا کہ معاملہ سنگین ہے، اور اس سے مفر نہیں معلوم ہوتا تو ان میں بہت سے لوگ مید صاحب کے پاس پہنچ گئے اور آپ کی پناہ میں آ گئے، ونیٹورہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنے لشکر کو لے کر پنجاب کے قریب ٹھہر گیا اور مید صاحب کو ایک خط لکھا جس میں ان کی بہت تعریف کی اور درخواست کی کہ حاکم لاہور کو جو ٹیکس اور تحائف قبائل کی طرف سے سال بہ سال دیا جاتا ہے، وہ حسب سابق ان کو دیا جایا کرے، اس نے مید صاحب سے ان کی یہاں آمد کا مقصد و متشا بھی دریافت کیا، مید صاحب نے

(باقی صفحہ ۱۴۹ کا) جنگ کے خاتمہ کے بعد اس نے فرانس کو خیر باد کہا اور فوجی ملازمت کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، مصر اور ایران میں بھی اس نے کچھ دنوں قیام کیا، پھر ہرات اور قندھار کے راستے سے ہندوستان آیا، جب ہمارا جہ کو اس کی دیانت و امانت، وفاداری اور تجربہ کاری پر اعتماد ہو گیا تو اس نے اپنے لشکر خاص کی ذمہ داری اسکے سپرد کی جو فوجی تربیت اور ہتھیار بندی میں دوسرے تمام لشکروں سے ممتاز تھا، اس نے ہمارا جہ کے لئے بڑی خدمات انجام دیں جس سے اس کی فوقیت اور وفاداری ظاہر ہوئی، ہمارا جہ اس کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہ دیکھتا تھا، اور اسی لئے اس کا کوئی لاہور کا حاکم مقرر کیا، شاہی دربار میں اس کی جگہ تیسرے نمبر پر تھی، ۱۸۴۳ء میں رحمت سنگھ کی موت کے بعد وہ ملازمت سے بیکار ہو گیا، (تفصیل از کتاب RANJEET SINGھ از سر پیل گریفن صفحہ ۹۹، ۱۰۰) لہ دیئے سندھ کے محز کی کتاب سے پر ایک مضمون قلعہ اور شہر جو حاوی خاں کے زیر اقتدار تھا۔

اپنے جواب میں اپنی ہجرت اور جہاد کے مقاصد کی وضاحت کی اور اس کو اسلام کی دعوت دی اور یہ لکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تابعدار بندے ہیں خود ان کو اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے، آپ نے اس علاقہ میں سکھوں کے مظالم اور دست درازیوں کا بھی ذکر کیا اور آخر میں لکھا کہ ان کو ان سرداروں سے ایسی درخواست کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، آپ نے یہ خط مولانا خیر الدین شیرکوٹی کے ہاتھ جو اس جماعت میں بہت فہیم و بزرگ سمجھے جاتے تھے، ارسال فرمایا، انھوں نے یہ خط اس کے حوالہ کیا اور اس سے بہت مناسب انداز میں گفتگو کی جس سے ان کی فہم و لیاقت اور حزم و تدبیر کا پتہ چلتا ہے۔

اب سید صاحب نے جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور ایک دستہ جس میں تین سو سوار تھے، مولانا خیر الدین کی سربراہی میں روانہ کیا اور اس دستہ نے وینٹورہ کے لشکر کے سامنے ڈیرہ ڈال دیا، دوسری طرف وینٹورہ کو مسلمانوں کی تیاری کا علم ہوا اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی تعداد کو دشمن کی نظر میں زیادہ کر دیا، قریب کے مواضع اور دیہاتوں سے جو لوگ بھاگ کر پنجتارا گئے تھے، ان کو بھی اس نے مجاہدین میں شامل سمجھا اور اس کو شیخون کا اندیشہ ہوا اس کے دل میں ان کا رعب سما گیا، اور وہ واپس لوٹ گیا اور دیا عبور کر کے پنجاب کے حدود میں داخل ہو گیا۔

اگلے سال یہ قائد لشکر لیکرا اپنے مقرر وقت پر پھر پونچا اور وہاں کے قبائل سے سالانہ ٹیکس اور تحائف طلب کئے اس کا جواب اس کو وہی ملا جو گذشتہ سال ملا تھا، چنانچہ اس نے اپنے لشکر کا رخ پنجتارا کی طرف کر دیا، ہمارا جو نے گذشتہ سال واپسی پر اس کو ملامت کی تھی اور اس کو بزدلی اور خوف پر مجبور کیا تھا، اس بار اس کی جاہلی حمیت کی رگ پھر کھل اٹھی اور اس نے یہ داغ دھونے کا عزم مصمم کر لیا، اس کے لشکریوں کی تعداد دس ہزار تھی اور خادیاں نے

بھی اس کے ساتھ ساز باز کر لی تھی۔

سید صاحب نے امراء اور قبائل کے سرداروں کو خطوط ارسال کئے اور یہ رائے ظاہر کی کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک ایسی دیوار تعمیر کی جائے جس کی چوڑائی چار ہاتھ ہوتا کہ لشکر کا راستہ روکا جاسکے، سائے مجاہدین اور اطراف کے لوگ بہت شوق و ذوق سے اس کام میں لگ گئے اور بہت کم وقت میں اس کو تیار کر دیا، آپ کا خیال ہوا کہ پیچھے کا راستہ بھی بند کر دیا جائے سب مہاجرین اور مجاہدین اس کام میں لگ گئے اور غزوہ خندق کی یاد تازہ ہو گئی مہاجرین نے زمین تقسیم کر لی اور اس پشتہ کی تعمیر میں مشغول ہو گئے، سید صاحب نے کھڑے ہو کر ان کے سامنے غزوہ احزاب کا واقعہ بیان کیا اور ان کو بتایا کہ مسلمانوں نے کس طرح خندق کھودنے کے لئے زمین تقسیم کر لی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ان کے ساتھ شریک تھے، اور آپ نے اس پر اجر کثیر اور فتح مبین کی بشارت بھی دی تھی۔

دوسرے روز صبح جب مجاہدین نماز فجر کی تیاری کر رہے تھے، ان کو یہ اطلاع ملی کہ حریف کا گھوڑا سوار دستہ دیوار کی پشت پر پہنچ چکا ہے، یہ اطلاع سن کر سید صاحب اور مجاہدین نماز سے جلد فراغت کر کے اسلحہ بندی اور تیاری میں مشغول ہوئے، اتنے میں صبح ہو گئی دشمن نے دیہاتوں میں آگ لگا دی اور پوری فضائے آسمانی گہرے دھوئیں سے بھر گئی، اس کی آڑ میں اس کے لشکر نے پیش قدمی شروع کی دوسری طرف سید صاحب مجاہدین کے ساتھ آگے بڑھے اور پشتہ کے سامنے رک گئے، اور لشکر کی فوجی اعتبار سے تنظیم کی اور غازیوں کو مختلف جگہوں پر متعین کیا، مولانا محمد اسماعیل صاحب نے بیعت رضوان کی آیات مجاہدین کے سامنے تلاوت کیں، اس کی تشریح کی، اور اس بیعت کے فضائل بیان کئے، لوگوں نے سید صاحب سے از سر نو بیعت کی اور اللہ تعالیٰ سے اس بات کا عہد کیا کہ وہ میدان سے پیچھے نہیں گئے،

یا فتح ہوگی یا شہادت۔

لوگوں میں ایک نئی زندگی اور جوش پیدا ہو گیا اور مسرت اور شوق شہادت کی لہران کے اندر دوڑ گئی، سب سے پہلے مولانا محمد اسماعیل صاحب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد اور لوگ بیعت میں شامل ہوئے، لوگوں کے جوش و مسرت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک دوسرے پر گمے پڑتے تھے، اس نئے اور اثر انگیز منظر کو دیکھ کر بہت سی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، یہ سب نے اس موقع پر دعا کی اور اپنے صنعت و عجز اور بے بسی و لاچارگی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے فقر و احتیاج کا دل کھول کر اظہار کیا، لوگوں پر ایک بخود بخود کی کیفیت طاری تھی کسی کو کسی بات کا ہوش نہ تھا، رحمت و سکینت اور شوق شہادت نے پوری فضا کو متاثر کر رکھا تھا، لوگوں نے ایک دوسرے سے غلطیاں معاف کرائیں گلے ملے اور رخصت ہوئے کہ اگر زندہ رہے تو دنیا میں ورنہ انشاء اللہ جنت میں ملاقات ہوگی، لوگوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی کہ اگر کوئی شہید ہو تو اس کو اٹھانے کے بجائے آگے بڑھیں، اور دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کریں۔

یہ صاحب نے جنگی پوشاک پہنی اور مسلح ہو کر پشتہ کی طرف بڑھے، آپ کے ساتھ کم پیش آٹھ ہزار ہندوستانی اور قندھاری مجاہد تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ جلدی نہ کریں اور جب تک وہ فائر نہ کریں اس وقت تک کوئی فائر نہ کرے اور نہ پشتہ کو پار کرنے کی کوشش کرے، آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ مجاہدین سورہ قریش کا زیادہ سے زیادہ ورد رکھیں پھر آپ خاموش ہو کر متوجہ الی اللہ ہو گئے، لشکر میں جھنڈے نصب کئے گئے ایک جھنڈا ایک عرب شیخ، محمد کے ہاتھ میں بھی تھا جو حج سے واپسی پر آپ کے ساتھ ہو گئے تھے، اور بڑے مخلصین میں سے تھے۔

وینٹورہ نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر حاضر کی کھالی اور اس کے بعد دو زمین لگا کر میدان جنگ کو دیکھنے لگا، اس نے دیکھا کہ مجاہدین کے لشکروں سے پورا میدان بھرا ہوا ہے یہ دیکھ کر

اس پر ایک ہی سبب طاری ہوئی اور وہ قادی خان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ آپ نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا اور مجاہدین کی طاقت اور تعداد کو کم کر کے دکھایا، اب پیادوں اور سواروں کے اس لشکر جبار کو دیکھئے اور ان جھنڈوں کو دیکھئے جو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر وہ نیچے اتر اور دیوار کے سامنے رک گیا اتنے میں سکھوں نے دیوار گرائی شروع کی، سید صاحب کا اشارہ پاتے ہی مجاہدین نے حملہ کر دیا اور فائرنگ شروع کر دی وینٹورہ کو یقین ہو گیا کہ شکست ہونا ہے، اس لئے اس نے اپنے لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا مجاہدین نے پختار کے آگے تک لشکر کا تعاقب کیا مجاہدین کی تعداد درحقیقت اتنی تھی جتنی وینٹورہ نے محسوس کیا تھا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تھی وہ جس وقت اور جس طرح چاہتا ہے، آسمان و زمین کے لشکروں سے کام لے لیتا ہے۔

جب وینٹورہ کی سپاہی مکمل ہو گئی تو مجاہدین خدا کا شکر بجلائے، پختار کے اسی ناہ کے کنارے وضو کیا اور دو گانہ شکر ادا کیا۔

وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ - اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کیلئے آپ ہی کافی ہو گیا (احزاب - ۲۵)

ایک تجربہ کار فرانسیسی جرنیل کی میدان جنگ سے اس طرح سپاہی جو اکثر معرکوں میں کامیاب رہا اور مرکز مجاہدین سے اس کا اس طرح فرار ایک ایسا واقعہ تھا جس کی صدائے بازگشت دور دور تک سنی گئی اور دیہاتوں اور شہروں ہر جگہ یہی موضوع سخن بن گیا، چنانچہ اوائل ذی الحجہ ۱۲۲۲ھ میں مختلف قبائل کے مسلمان مرکز پہونچے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور نظام شریعت کو قبول کیا، ستم میں ایک مضبوط قلعہ تھا، جو امان زئی کہلاتا تھا، اس میں تقریباً بارہ ہزار افغانی رہتے تھے، جن کا مشغلہ ہی لڑنا اور مرنا مارنا تھا، ان سب نے بھی سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور ادائیگی عشر کا وعدہ کیا، ایک دوسرے قبیلہ کے

سردار مقرب خاں کی وفاداری بھی کھری ثابت ہوئی مشرکین پر جزیہ عائد کیا گیا اور مسلمانوں

پر عشر

لیکن حاوی خاں حاکم ہند بدستور اپنی انا نیت اور عناد پر قائم رہا، اور اس نے اپنی قسمت دشمنان دین سے وابستہ کر لی، بعد میں پتہ چلا کہ وینٹورہ کو حملہ کرنے پر اسی نے اکسایا تھا، اور معاملہ کو بالکل ہلکا کر کے پیش کیا تھا، اسی نے اس کو لالچ دلائی اپنے تمام وسائل سے اس کی مدد کی اور اس کا پورا خیر خواہ بن گیا، اس کا اسی طرح باقی رہنا اور اس سے چشم پوشی کرنا مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف تھا، اور اس سے نظام شرعی کا رعب و دبدبہ ختم ہوتا تھا اور منافقین کو بغاوت کرنے اور سر اٹھانے کی شہ ملتی تھی، اس لئے لشکر مجاہدین کے سمجھ دار لوگوں بالخصوص مولانا محمد اسماعیل صاحب کی یہ رائے ہوئی کہ ان لوگوں کی تادیب اور اتمام حجت ضروری ہے، اور اگر وہ انکار کریں تو اس شر سے بچنے کا ضروری انتظام کرنا چاہئے، انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا۔

اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑیں
تو ان کے درمیان اصلاح کر دو پھر اگر ان میں کا
ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ
سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ
خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے پھر اگر
رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل
کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال
رکھو بیشک انصاف والوں کو پسند کرتا ہے

وَإِن لَّمْ يَأْتِيَاكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
أَقْتُلُوا فَإِذَا صُلِحُوا بَِيْنَهُمَا فَاغْبُثْ
إِحْدَاهُمَا عَلَى الْآخَرَىٰ فَقَالُوا الَّتِي
تَبَغَىٰ حَتَّىٰ تَفِي إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِن
فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ
وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ

(الحجرات - ۹)

مولانا محمد اسماعیل صاحب دوسو مجاہدین کو لے کر خاوی خاں کے مقابلہ پر آئے اور اس سے بہت نرمی سے گفتگو کی اور بہت دیر تک نصیحت کرتے رہے، اور بغاوت و نافرمانی عہد توڑنے اور امام کی اطاعت سے سرکشی کے نتائج بد سے آگاہ کرتے رہے، لیکن ان میں سے کسی بات کا بھی اس پر اثر نہ پڑا، خاوی خاں نے یسین کر کہا کہ: خفانہ ہونا، ہم لوگ رئیس اور حاکم ہیں، سید بادشاہ کی طرح ملامو لوی نہیں ہیں، ہماری شریعت جدا ہے، ان کی جدا ان کی شریعت پر ہم بھجان لوگ کب چل سکتے ہیں، بار بار سید بادشاہ ہمارے پیچھے کیوں پڑتے ہیں، ہمارے حق میں ان سے جو کچھ ہو سکے وہ درگزر نہ کریں۔

جب گفتگو منقطع ہو گئی امید باقی نہ رہی کہ وہ راہ راست پر آئے گا اور اللہ رسول کی اطاعت اور احکام شریعت قبول کرے گا تو اہل الرائے اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کی تادیب اور سزا ضروری ہے، چنانچہ معاملہ مولانا محمد اسماعیل صاحب ہی کے حوالہ کیا گیا اس لئے کہ کوئی دوسرا شکر مجاہدین میں ان کے مرتبہ کا نہ تھا بلکہ سید صاحب کے خواص میں بھی شجاعت و دورانہ نشی، سیاسی بصیرت اور قائدانہ صلاحیت میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب پانچ سو چیدہ مجاہدین کے ساتھ جو بہت چست و چالاک اور بہادر تھے ہند کی طرف روانہ ہوئے اور صبح کی پو پھٹنے وقت قلعہ میں داخل ہو گئے۔ خاوی خاں اس اچانک حملہ سے بوکھلا گیا، اور مجاہدین کے ہاتھوں مارا گیا اور اسلامی لشکر اس مضبوط اور قلعہ بند شہر پر قابض ہو گیا جو ایک فصیل سے گھرا ہوا تھا، اور جس میں غلہ اور اسلحہ کا بڑا ذخیرہ موجود تھا، اس چھاپہ میں صرف خاوی خاں اور ایک کسان مارا گیا مجاہدین میں کسی ایک کے خراش بھی نہ آئی غرض یہ معاملہ امن کے ساتھ سر ہوا اور مجاہدین کو ایک بڑے فتنہ سے جس نے ان کی یکسوئی و جمعیت کو ختم کر رکھا تھا، اور ان کی قوت کو عرصہ دراز سے کمزور کر دیا تھا، نجات ملی۔

اب یار محمد خاں کی باری تھی، جو اس فتنہ کا سرغنہ تھا، اور مجاہدین کے خلاف برابر سازشیں کرتا رہتا، اور ہوا کا رخ دیکھتا رہتا تھا، اس نے اپنے تخریبی مقاصد کی تکمیل کے لئے سید صاحب کی جان لینے کی سازش کی اور سکھوں کے ساتھ مل کر ان کو اس پر آمادہ کیا کہ ہند میں مجاہدین کی سرکوبی کے لئے حکومت لاہور اپنا لشکر بھیجے اور خاوی خاں کی جگہ امیر خاں کو وہاں کا حاکم بنائے، اس نے اپنے لشکر کو امیر خاں کے مرکز ہریانہ میں اتارا، اس کے ساتھ چھ توپیں اور ہاتھیوں اور اونٹوں کی ایک بڑی تعداد اور بہت بڑا لشکر تھا، ہریانہ پہنچتے ہی اس نے توپیں چلانی شروع کیں تاکہ مقامی باشندوں کے دلوں پر جو توپوں کی آواز سے بہت ڈرتے تھے، اس کا رعب بٹھ جائے، بہت سے مذہب اور منافق قسم کے لوگ اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور انھوں نے دیہاتوں کو لوٹنا اور کھیتوں کو برباد کرنا شروع کیا اور اطراف و جوانب میں دہشت پھیلا دی، دونوں لشکروں میں چھوٹی موٹی جھڑپیں بھی ہوتی رہیں، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

اس پریشانی میں سید صاحب اور یار محمد خاں میں کئی بار سلسلہ رجنبانی قائم ہوا، اور سید صاحب نے اس کو بہت سمجھایا بھجھایا، خدا کی یاد دلائی اور بغاوت و سرکشی کے انجام سے آگاہ کیا، لیکن یار محمد خاں نے صلح کے پیغام کو بہت غرور اور انا نیت کے ساتھ سنا اور اس کو مکمل طور پر رد کر دیا۔

اب مجاہدین بھی جنگ پر مجبور ہوئے اور راتوں رات ایک لشکر لے کر جس کی تعداد پیادے اور سوار ملا کر آٹھ سو سے زیادہ تھی، یار محمد خاں کے قریب پہنچ گئے، اس لشکر کی قیادت مولانا محمد اسماعیل صاحب کے ہاتھ میں تھی، یہ معرکہ زیدہ میں پیش آیا، مجاہدین غیر معمولی ہجرت کے ساتھ آگے بڑھے اور نعرہ تکبیر بلند کیا اور ایک ٹکڑی نے تیزی سے آگے بڑھ کر سب سے پہلے

دشمن کی توپوں پر قبضہ کیا یہ دیکھ کر درانیوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ اپنا سب ساز و سامان میدان میں چھوڑ کر بھاگے یہاں تک کہ گھبراہٹ میں اپنے بوتے پہننا بھی بھول گئے جب مجاہدین وہاں پہنچے تو ان کو بہت سے بوتے جو درانی خوف و دہشت سے چھوڑ گئے تھے، دستیاب ہوئے، دیگیں چولھے پر تھیں اور کھانا تیار ہونے کے قریب تھا، لیکن عجلت اور گھبراہٹ میں ان کو کھانے کا موقع نہ مل سکا، یار محمد خاں اس لڑائی میں سخت زخمی ہوا اور جس جگہ وہ لیجا یا جا رہا تھا، وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو گیا، مسلمانوں کو بہت مال غنیمت ہاتھ لگا اور بہت اسلحہ ان کے قبضہ میں آئے، کچھ لڑکیاں بھی ملیں جن کو درانیوں نے قریب کے دیہاتوں سے اغوا کیا تھا، مولانا محمد اسماعیل صاحب نے ان کو ان کے گھروں تک پہنچوا دیا۔

سید صاحب پنجاب فتح ہو کر واپس آئے اور اس فتح پر خدا کا شکر بجالائے، لوگ ان کو تہنیت پیش کرنے کے لئے جمع ہونے لگے، مبارکباد اور خدا کے شکر سے پوری فضا گونج رہی تھی، سید صاحب نے کھڑے ہو کر مال غنیمت کی چوری کی مذمت میں تقریر کی اور اس کے لئے جو وعیدیں آئی ہیں ان سے آگاہ کیا اور یہ بتایا کہ اس سے دین کو اور مسلمانوں کے مصالح کو کتنا نقصان پہنچتا ہے، اور اعمال صالحہ اور جہاد کا اجر اس سے کس طرح رائیگاں ہوتا ہے، آپ کی اس تقریر کا مقامی لوگوں پر بہت اثر پڑا اور انھوں نے میدان جنگ میں جو کچھ لوٹا تھا اور جو بیت المال کا حق تھا وہ مسجد میں لا کر ڈھیر کر دیا، اس میں پانچ سو گھوڑے اور بہت سے خیمے اور شامیانے وغیرہ تھے، اس کا خمس اللہ کی راہ میں خرچ کیا گیا اور غنیمت مجاہدین میں اللہ و رسول کے حکم اور قرآن و سنت کے اصول پر تقسیم کر دی گئی، پیادے کو ایک حصہ اور سوار کو دو حصے دیئے گئے، جب مجاہدین کو مال غنیمت میں ان کا حصہ پہنچ گیا تو انھوں نے کہا کہ ہم کو راشن بیت المال سے ملتا ہے، اور ہماری ضرورت وہاں سے پوری ہوتی ہے، اس لئے

ہم کو یہ حصے لینے کا کوئی حق نہیں، اور یہ سب بیت المال میں جانا چاہئے، یہ صاحب نے یہ سنا تو فرمایا کہ یہ تمہارا حق اور تمہاری ملکیت ہے، اس میں جس طرح چاہو، تصرف کر سکتے ہو یہ سن کر اکثر لوگوں نے اپنا حصہ بیت المال کو دے دیا اور جو ضرورت مند تھا، اس نے اس سے خود فائدہ اٹھایا۔

اس فتح کا وہاں کے لوگوں پر بڑا اثر پڑا اور وہ راستے جو مجاہدین کے لئے مسدود تھے، کھل گئے، اور مجاہدین و مہاجرین کے قافلے بے روک ٹوک ہندوستان سے آنے لگے۔ اور جو امداد و رقومات وہ ہندوستان سے یہاں پہنچانا چاہتے تھے، بھلائی سے پہنچنا شروع ہو گئیں اور اسلام کی شوکت و عظمت اور عرب و دبید بہر طرف نظر آنے لگا۔

خاوی خاں کا بھائی امیر خاں زمین جائداد کے جھگڑے میں اپنے بعض مخالفین کے ہاتھوں جن سے اس کی دیرینہ دشمنی تھی قتل ہوا، دعوت و جہاد کے لئے فضا صاف ہو گئی اور راہِ حق کی دشواریاں اور رکاوٹیں بڑی حد تک دور ہو گئیں اور بدکردار اپنے انجام بد کو پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان حروفِ بکروں پر سچ ثابت ہوا کہ۔

وَلَا يَجْنِي الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ
بُرے مکر اور زندگی کا نتیجہ ان ہی مکر والوں
پر اٹ پڑتا ہے۔ (سورہ فاطر - ۴۳)

عہد کے سچے بات کے پلے

اب مجاہدین ان سردارانِ قبائل (جو مجاہدین سے برسرِ پیکار تھے) یا ان کی منقبت

ظاہر ہو چکی تھی اور انھوں نے دشمنوں سے ساز باز کر رکھا تھا کے متعدد فوجی مرکزوں اور اہم اڈوں پر قابض ہو چکے تھے ان مرکزوں میں سب سے زیادہ اہم عشرہ اور امب کے مرکز تھے جہاں پائندہ خاں کی حکمرانی تھی چھترہائی بھی ان کی دستبرد سے محفوظ تھا۔

پہلڑہ "میں ایک بڑا معرکہ مجاہدین اور سکھوں کے درمیان پیش آیا اور سخت جنگ ہوئی اسی معرکہ میں سید صاحب کے بھانجہ سید احمد علی بھی شہید ہوئے انھوں نے بہت جوانمردی کا ثبوت دیا اور پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جمے رہے ان کی اس ثابت قدمی اور قربانی نے غزوہ موتہ کی یاد تازہ کر دی اس معرکہ میں انھوں نے سیدنا جعفر بن ابی طالب کی تقلید کی جب ان کی بندوق نے کام کرنا چھوڑ دیا تو وہ اس کے کندے سے لڑتے رہے یہاں تک کہ وقت شہادت آپہنچا اس معرکہ میں مجاہدین کو اپنے جوہر دکھانے اور مردانگی کا ثبوت دینے کا خوب موقع ملا اور ہر ایک مردانہ وار بہادری کی طرح لڑا اور پہاڑوں کی طرح اپنی جگہ ڈٹا رہا۔

ان نوجوانوں میں میر احمد علی بہاری بھی تھے جو بندوق سر کرنے اور نشانہ بازی کے اتنے ماہر تھے کہ پتلی پر نشانہ لگائیں تو خطانہ ہو، ان کی گولیوں سے دشمن کے سوار بڑی تعداد میں مارے گئے ان کو دشمنوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا اور بڑے بڑے شہسواروں اور جنگ جو نوجوانوں نے ان کے ارد گرد گویا ایک جال سا بنا دیا بہادر اور شیر دل جوان نے ان سب کو لٹکارا اور کہا کہ تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ کوئی مجھ پر گولی نہ چلائے پہلے خدا کے لئے ذرا میرے ہاتھ دیکھ لو میری شمشیر زنی اور شجاعت کی داد دے لو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس جال سے باہر ہونے کی کوشش نہ کروں گا، پھر وہ تلوار سے اس طرح کھیلنے لگے جیسے یہ میدان جنگ نہیں،

پہلڑہ ماہر سے دس میل کے فاصلہ پر ہے اور پہاڑوں کے درمیان ایک آباد موضع ہے جس میں نہر سرس بہتی ہے

کھیل کا میدان ہو اور قربانی کا تہیسی کسی فن کا مظاہرہ ہو، انھوں نے اپنے کمال فن سے سب کو حیرت میں ڈال دیا، سر اور شانے اور کلائیوں کٹ کٹ کھپاروں طرف گر رہے تھے، آخر کار ایک دشمن نے ان پر گولی چلا دی اور وہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

جب سید صاحب کو اپنے بھانجہ سید احمد علی کی خبر شہادت ملی تو آپ نے فرمایا، احمدا لستہ اس کے بعد آپ نے دیر تک سکوت فرمایا، جب راوی نے آپ کو یہ بتایا کہ جتنے زخم لگے وہ سب ان کے پھرے پر آئے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے آپ دونوں ہاتھوں سے آنسو پوچھتے جاتے تھے اور احمدا لستہ احمدا لستہ فرماتے جاتے تھے، بے شک اللہ تعالیٰ کا ارشاد بالکل حق اور سچ ہے۔

ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعضے ان میں شاق ہیں اور انھوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا
اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ مَحَبَّهُ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا بَدِيلًا
(سورہ احزاب - ۲۳)

کہ عنقار ابلند است آشیانہ

دریائے سندھ کے اس کنارے پر مجاہدین کی سرگرمیوں نے حکومت لاہور کی نیند حرام کر دی تھی اور اس کو ان سے مستقل تشویش اور پریشانی لاحق ہو گئی تھی، رنجیت سنگھ ان فوجی قائدین

میں سے تھا، جن کا عقیدہ تھا کہ چنگاری کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے، خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی اور کمزور ہو، وہ سمجھتا تھا کہ اس تحریک جہاد کے قائد سے مفاہمت کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے، اور اس خطرہ اور اندیشہ سے نجات حاصل کرنا ممکن ہے، اس کے دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ وہ ایک طالع آزما اور جنگ جو شخص ہیں اور کچھ آراضی اور جاگیر دے کر ان کو خوش کیا جاسکتا ہے، اس کو اپنی زندگی میں ایسے بہت سے امراء و اشراف اور سرداران قبائل اور علماء و مشائخ کا تجربہ ہوا تھا، جنہوں نے بہت زور شور سے علم جہاد بلند کیا اور اپنے گرد بہت سے جنگ جو اور عمدہ و منصب کے طلب گار جمع کر لئے لیکن آخر میں کسی جاگیر اور زمین جائداد پر قناعت کر کے بیٹھ رہے یا حکومت نے ان کے لئے کوئی وظیفہ مقرر کر دیا اور ان کی طرف سے بے فکر ہو گئے۔ رنجیت سنگھ نے یہی طریقہ امیر مجاہدین پر آزمانا چاہا اور یہ فیصلہ کیا کہ ان سے مول تول

کیا جائے اور ضرورت ہو تو قیمت بھی بڑھا دی جائے تاکہ یہ چنگاری بھڑک کر سرحد افغانستان کو اپنے لپیٹ میں نہ لیلے اور ان قبائل میں روح جہاد نہ پیدا کر دے، اور اس کے تحت و تاج کو خطرہ لاحق ہو جائے، اس مقصد سے حکومت لاہور نے ایک موقر و فذ حکیم عزیز الدین کی سربراہی میں بھیجا، حکیم صاحب حکومت کے مشیر خصوصی رکن رکن تھے، اور بہت سیاسی بصیرت کے حامل اور حکومت کے خیر خواہ تھے، ہمارا راجہ کو ان کے خلوص اور عقل و ذہانت پر بڑا اعتماد تھا، ان کی مدد کے لئے اس نے وینٹورہ کو بھی بھیجا، اور ان دونوں کو ہدایت کی کہ وہ سید صاحب سے گفتگو کر کے ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں، حکیم عزیز الدین صاحب کے ساتھ ہمارا راجہ کا ایک خط بھی تھا، جس میں اس نے بہت ملاحظت اور نرمی کا اسلوب اختیار کیا تھا، سید صاحب کی بہت تعریف کی تھی، اور ان کی دینی و روحانی منزلت کا اعتراف کیا تھا، اور یہ لکھا تھا کہ اگر وہ ملک چاہتے ہیں تو ہمارا راجہ دریا سے سندھ کے اس پار کا سارا علاقہ ان کو دینے کو تیار ہیں

وہ جیسے چاہیں اس میں تصرف کر سکتے ہیں، اس صورت میں مہاراجہ ان سے سالانہ ٹیکس بھی وصول نہ کرے گا، سید صاحب اپنی جگہ پر ذکر و عبادت میں مشغول رہیں، اور جنگ و جدال اور قبائلی جھگڑوں سے کنارہ کش ہو جائیں اور جہاد و غزاکا خیال ترک کر دیں یا مہاراجہ کے ساتھ مل جائیں اس شکل میں ان کو مہاراجہ کے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا جائے گا۔

سید صاحب نے اس مفارقت کا بہت کشادہ دلی اور خوش اخلاقی اور بہت سکون و تحمل کے ساتھ استقبال کیا اور اس کے مسلمان سفیر کے سامنے ہجرت و جہاد کے اعراض و مقاصد اور ان محرکات و حوال سے آگاہ کیا جو ان کو ایسے دور دراز علاقہ میں کھینچ کر لائے ہیں اور اس مضبوط و طاقتور حکومت کے مقابلہ پر لاکھڑا کیا ہے۔

مسلمان سفیر سید صاحب کی اس زبان کو سمجھتے تھے، اور ان کو اس ایمانی اسپرٹ کا اندازہ تھا جو اس غیور مومن کے دل میں موجزن تھی، اور اس پوری گفتگو پر سایہ فگن تھی، اپنے طویل تجربہ، غیر معمولی ذہانت، وسیع علم اور مختلف طبقات سے واقفیت کی بنا پر ان کو اس کا اندازہ تھا کہ وہ کسی اور مٹی کے بنے ہوئے ہیں، اور ان کو عام سپہ سالاروں، جنگ بازوں اور سوئے بازی کرنے والوں کے پیمانہ سے نہیں ناپا جاسکتا، جو جہاد و قتال کو صرف کبری اقتدار اور حصول مال و منال کا ذریعہ اور پل بناتے ہیں، انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی ایمانی کرنٹ ان کے دل کو چھو رہا ہے، اور ان کے جسم اور اعصاب میں سرایت کر گیا ہے، سید صاحب کی قوت ایمانی اور اعتماد و یقین نے ان کو ہلا کر رکھ دیا۔

سید صاحب نے ان سے فرمایا کہ :-

”ہم جو مسلمانوں کے اس ملک میں اتنے لوگوں کے ساتھ آئے ہیں، تو نہ کسی کی ریاست چھیننے کی غرض سے آئے ہیں، نہ ملک گیری کے شوق میں، ہم تو محض جہاد فی سبیل اللہ اور

اعلا رکلمۃ اللہ کے واسطے آئے ہیں اور جو رنجیت سنگھ اتنے ملک دینے کا لالچ دیتا ہے، اگر وہ اپنا تمام ملک دے تب بھی ہم کو غرض نہیں ہے البتہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو ہمارا بھائی ہے، اللہ کی تائید سے جو ملک ہمارے ہاتھ لگے ہیں ہم اس کو دے دیں اور جو اس کا ملک ہے وہ بھی اس کے پاس ہے حکیم صاحب نے کہا ہم غائبانہ آپ کا جو حال لوگوں سے سنتے تھے، اس سے زیادہ ہم نے آپ کو پایا آپ کا دعویٰ سچا ہے، سوائے "آمنہ و سلمنا" کے ہمارے پاس کوئی جواری نہیں، امید صاحب نے حکیم صاحب کو بہت خاطر داری اور عزت و توقیر سے اپنے یہاں اتارا اور مہمانی کی، آپ کے لشکر میں ڈوگروں کا ایک جمعدار رنجیت سنگھ یہاں سے کسی امر میں ناخوش ہو کر چلا آیا تھا، آپ نے اس کو اور چچا پاس ساٹھ اس کے ساتھ کے ڈوگروں کو نوکر رکھ لیا تھا، اس کے نام کا بھی ہمارا جو کا ایک پروانہ حکیم صاحب لائے تھے کہ اپنے لوگوں کے ساتھ ہمارے یہاں چلا آئے حکیم صاحب نے وہ پروانہ اس جمعدار کو دیا اور اپنے ساتھ لے جانا چاہا اس نے آکر یہ حال حضرت سے عرض کیا آپ نے فرمایا تم کو اختیار ہے چلے جاؤ، جو کچھ اس جمعدار اور اس کے ساتھیوں کی تنخواہ چڑھی تھی، آپ نے سب اپنے یہاں سے دلوادی، حکیم عزیز الدین صاحب رخصت ہونے لگے تو آپ نے ہمارا جو رنجیت سنگھ کے نام دعوت اسلام کا مضمون جو حکیم عزیز الدین صاحب سے زبانی فرمایا تھا لکھوا دیا۔

دوسری طرف جنرل وینٹورہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ (جو بارہ ہزار سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھا) پشاور کے قریب دریائے لنڈے کے کنارے آکر ٹھہر گیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ لشکر جاہدین میں کسی جمعدار آدمی کو ملاقات کے لئے بھیجا جائے تاکہ اس مسئلہ پر گفتگو کرنی جائے، امید صاحب نے اس کے لئے مولانا خیر الدین شیر کوئی ٹی کا انتخاب کیا جو لشکر میں بہت فہیم و زیرک سمجھے جاتے تھے، اور بہت صائب الرائے حاضر جواب اور اچھی گفتگو کرنے والے تھے،

سید صاحب ان کے مداح اور معترف تھے اور ان پر پورا اعتماد کرتے تھے۔
 مولانا خیر الدین شیر کوٹی نے فرانسیسی جنرل سے ہتھیار لے لیں ہو کر اس کے خیمہ میں
 ملاقات کی۔

انہوں نے دیکھا کہ دونوں ولایتی افسر (ونٹورہ اور ایلا رڈ) اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے
 ہیں، ایک چھوٹی میزان کے سامنے رکھی ہے، ان کی کرسیوں کے علاوہ اور کوئی کرسی خیمے میں نہیں ہے
 البتہ ایک عمدہ اور بہت بڑا قالین میز کے نیچے بچھا ہوا ہے، حاجی بہادر شاہ خان السلام
 علی من اتباع الہدیٰ کتنے ہوئے داخل ہوئے اور میز کے قریب بیٹھ گئے وزیر منگھو خیمے
 کے دروازے پر رہا اس وقت ونٹورہ نے اجازت لیں اور حکیم عزیز الدین کو بھی بلا کر وکیلوں
 کے پاس بٹھایا۔

ونٹورہ نے سفر سے خطاب کر کے پوچھا کہ آپ میں مولوی کون ہے، حاجی صاحب نے
 مولوی خیر الدین کی طرف اشارہ کیا، ونٹورہ جوان آدمی تھا، اور فارسی پر خوب قدرت رکھتا تھا
 اس نے کہا کہ میں آپ سے کچھ علمی گفتگو کرنا چاہتا ہوں، مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا کہ اگر
 گفتگو دینی امور و مسائل میں ہوگی تو صاف اور تلخ جواب آزدہ اور پرا فر و خستہ ہوں، ورنہ
 ایسی گفتگو کی ضرورت نہیں، ونٹورہ نے کہا جو کچھ آپ کے دل میں آئے اسے بے تکلف کہئے میں بڑا
 نہ مانوں گا، لیکن جواب عالمانہ ہونا چاہیے، اس لئے کہ میں آپ کے دین سے واقف ہوں
 خاص طور پر میں نے آپ کی تاریخ اور دینیات کی کتابیں بہت پڑھی ہیں دوسرا ولایتی افسر
 (الارڈ) جو معمر تھا، کم گو اور خاموش تھا۔

ونٹورہ نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ جس زمانہ میں ہمارا ڈیرہ حضور میں تھا، اس زمانہ
 میں ایک فقیر صورت شخص خلیفہ صاحب کی طرف سے ہم سے ملا تھا، اس نے کہا تھا کہ اگر سرکار

خالصہ (ہمارا چہ) ملک یوسف زئی کا مالیہ ہماری معرفت وصول کر لیا کرے تو سرکار کو فوج کشی کی تکلیف اور بیماری سے چھٹی مل جائے اور علاقے کے لوگ سال بہ سال تاخت و تاراج ہونے اور ویرانی اور آتش زئی کی مصیبت سے بچ جائیں، ہم کو یہ بات معقول معلوم ہوئی اس لئے کہ اس میں فریقین کا فائدہ ہے، سرکار کو سرگردانی اور رعیت کو پریشانی سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی میں دریاقت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بات صحیح ہے؟

مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ بات محض دروغ اور بے اصل ہے اس دروغ کو نے محض اپنی جان بچانے کے لئے آپ سے یہ بات بنائی، خلیفہ صاحب کو کفار کی اطاعت اور ان کو مالیہ دینے سے کیا سرور کار؟ اس لئے کہ وہ اس علاقہ کو دروازہ میں ملک و جاگیر کے حصول کے لئے نہیں آئے۔

وینٹورانے کہا اچھا اگر ان کو کسی قسم کی طمع نہیں ہے تو اس بے سرو سامانی کے ساتھ ایک ایسی ہستی سے کیوں برسر جنگ ہیں جو خزانوں، دفتروں اور فوج اور لشکروں کی مالک ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے شاہوگا کہ خلیفہ صاحب ہندوستان میں صاحب و جاہت و عزت ہیں، لاکھوں آدمی بڑے فخر و مسرت کے ساتھ آپ کے سلسلہ بیعت میں داخل ہیں، آپ وہاں امر، عالی مقام کی طرح عیش و آرام کے ساتھ زندگی گزار سکتے تھے، آپ کو ترک وطن اور کوہ گردی کی ضرورت نہ تھی۔

وینٹورانے کہا کہ ہاں مجھے معلوم ہے کہ خلیفہ صاحب کو یہ عیش و عزت اپنے مقام پر بھی حاصل تھی، اور وہاں کے اہل حکومت آپ کی بڑی عزت و توقیر کرتے تھے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ ایسی دولت و عزت کو تیرا باد کہہ کے سفر کی صعوبتیں اور وطن کی مفارقت اور ایک امید موہوم کے پیچھے دن رات کو ہستان میں مشقت کا اختیار کرنا اور بے سرو سامانی کے باوجود ایک

طاقتور دشمن کے مقابلہ کا عزم رکھنا جو ملک و افواج کا مالک ہے، کون دانشمند روار کھتا ہے؟
اب آپ متوجہ ہو کر سنئے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ دین اسلام میں
پانچ احکام فرض کا درجہ رکھتے ہیں، جن کی ادائیگی کی خداوند عالم کی طرف سے تاکید شدید ہے
اور وہ نماز روزہ زکوٰۃ حج اور جہاد ہے، نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، غنی ہو یا فقیر، اسی طرح
روزہ، البتہ زکوٰۃ غنی پر فرض ہے، سال گزر جانے پر وہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ راہِ خدا میں
نکالتا ہے، ان تینوں سے مشکل ترجیح کا فریضہ ہے، وہ اگرچہ عمر بھر میں غنی پر ایک بار ہی فرض
ہے، لیکن چونکہ اس کے لئے اکثر سمندر کا سفر کرنا اور اپنے کو خطرات میں ڈالنا اور اپنے خاندان و
خانہاں سے جدا ہونا ضروری ہوتا ہے اور کبھی بہت سی مشقتیں اس سے وابستہ ہیں، اس لئے
اکثر مالدار دنیا طلب اس فریضہ کی ادائیگی میں سستی سے کام لیتے ہیں، اور اس سعادت سے
محروم رہتے ہیں، اس سلسلہ میں آپ نے سنا ہوگا کہ سید صاحب نے بے سرو سامانی کے باوجود
سیکڑوں آدمیوں کی معیت میں حج کیا، اور اس میں ہزاروں روپے صرف ہوئے کہ کسی
امیر کبیر کو بھی اس عالی جوصلگی اور دریادلی کے ساتھ حج کرنے اور کرانے کی توفیق نہیں ہوئی،
وہیٹورانے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں کہ اس شان کے ساتھ اس زمانہ میں کسی نے حج نہیں کیا۔
مولوی صاحب نے کہا جہاد کی عبادت حج سے بھی دشوار تر ہے، وہ دولت کی
کثرت اور فراوانی پر بھی موقوف نہیں، وہ محض توفیق الہی پر منحصر ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے
فضل سے کسی کو اس سعادت کے لئے انتخاب فرماتا ہے، انہیں مشکلات و خصوصیات کی
بنا پر اس عبادت کا ثواب دوسری عبادت کے مقابلہ میں زیادہ ہے، اس لئے کہ اس عبادت
میں جان و مال اور اہل و عیال ہے و کثرت بردار ہونا پڑتا ہے، یہ بھی یاد رہے کہ یہ جہاد محض
ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر فرض نہیں تھا، بلکہ حضرت ابراہیم و موسیٰ و داؤد علیہم السلام

پر بھی فرض تھا، آپ کو خود تاریخ کی کتابوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہوگی، و نیزورانے کہا جی ہاں، مولوی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب عنایت الہی سے مقبول بارگاہ اور صاحب ارادہ و عالی ہمت بزرگ ہیں، انھوں نے اس فریضہ کی ادائیگی کا نتیجہ کیا اس کی ادائیگی کی دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ جماعت مجاہدین کا کوئی امیر یا امام ہو جس کی ماتحتی میں شرعی طریقہ پر جہاد کیا جائے دوسرے یہ کہ کوئی دارالامن ہو، جہاں سے اس فریضہ کی ابتدا کی جائے ہندوستان میں کوئی دارالامن نہیں ہے، وہاں یہ معلوم ہوا کہ یوسف زئی سکھوں کے ساتھ جہاد کرتے رہتے ہیں، لیکن ان کا کوئی شرعی امیر یا امام نہیں، ان کا ملک کوہستان اور جائے امن ہے، اس لئے آپ چھ سو اشخاص کے ساتھ اس ملک میں تشریف لائے، اور اس ملک کے مسلمانوں کو اس فریضہ کی ادائیگی کی ترغیب دی اور ان کو اس پر آمادہ کیا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت امامت کر کے آپ کو اپنا سردار بنایا، اسی وقت سے آپ کو امیر المؤمنین اور خلیفہ کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جہاد جنگ و ملک گیری کا نام نہیں، جہاد کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ اعلیٰ کلمۃ اللہ، کفار کا زور توڑنے اور ان کے دین و مذہب کی شورش کو دفع کرنے کی امکانی کوشش کی جائے، یہ بھی یاد رہے کہ جماعت مجاہدین کے امام کے لئے یہ بھی شرط نہیں کہ اس کی تیاریاں اور ساز و سامان دشمن کے ساز و سامان کے مساوی ہو، دین کی ترقی اور اس کے سامان کی فراہمی کی کوشش البتہ شرط ہے، پس اگر جنگ پیش آجائے اور مصلحت کا تقاضا ہو تو جنگ کی جائے، اور فتح ہو جائے تو دشمنوں کے مال کو مالِ غنیمت بنانا اور ان کے زن و فرزند کو اسیر کرنا اور ان کے ملک پر قبضہ کرنا بھی روا ہے، بہر حال اصلی مقصود ترقی دین ہے، فتوحات اس کا ثمرہ ہیں، بلکہ اعلیٰ درجہ کی فتح یہ ہے کہ جب تک جان میں جان ہے، غازی و مجاہد ہی نہیں، جن کے

فضائل اور مراتب و مناقب قرآن مجید میں واضح اور مفصل طریقہ پر بیان کئے گئے ہیں، اور اگر کفار کے ہاتھ سے خدا شہادت نصیب فرمائے تو زہے نصیب! رسالت کے بعد اس مرتبہ سے بڑھ کر کوئی مرتبہ ہی نہیں۔

وینٹورانے کہا کہ ہاں بیشک آپ کے مذہب میں شہید کا بڑا مرتبہ ہے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ پر بڑا تعجب ہے کہ آپ نے ابھی اقرار کیا تھا، تمام پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانہ میں جہاد کیا پھر آپ یہ کہتے ہیں کہ تمہارے مذہب میں بھلا اس قید کی کیا ضرورت تھی، آپ کو تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ پیغمبروں کے یہاں یہ عبادت اعلیٰ مرتبہ کی ہے۔

وینٹورانے کہا میں نے یہ مانا، لیکن یہ بات عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ اس بے سرو سامانی کے ساتھ کہ خلیفہ صاحب کے پاس نہ افواج ہیں، نہ توپ خانہ، نہ سرمایہ نہ ملک، لیکن ان کے عزائم یہ ہیں! مولوی صاحب نے فرمایا ہاں، اہل دنیا کو فوج، توپ اور خزانوں پر اعتماد ہوتا ہے، اور ہم کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر توکل و اعتماد ہے، ہم نہ فتح کا دعویٰ کرتے ہیں نہ شکست سے لول ہوتے ہیں، یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں، ہمارا عقیدہ ہے کہ کَمَيِّنٍ فِئْتِهٖ قَلِيْلَةٌ غَلَبَتْ فِئْتَهُ كَثِيْرَةٌ يَاۤذِنُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ (۲۴۹)

اگر آپ کو اس سے انکار ہے تو آپ کی تاریخ دانی کا دعویٰ غلط ہے اس لئے کہ کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ بہت سے زبردست و سرکش اور کثیر التعداد گروہ حقیر و کمزور لوگوں کے ہاتھ سے زیر و پامال ہوئے، خصوصاً صاحب کہ ضعفاء اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت نصرت کے لئے کمر بستہ ہوتے ہیں، چنانچہ پیغمبروں کو بھی ایسے معاملات پیش آئے جو تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، کسی پیغمبر کے پاس بھی خزانہ، توپ، اور فوج نہ تھی، تھوڑے تھوڑے پیروؤں کے ساتھ جو غریب و فقیر تھے، انھوں نے بڑے بڑے زبردستوں اور گردن فرزانوں کو

حاکم میں ملا دیا، ان کے جانشینوں اور نائبین نے بھی عظیم الشان سلطنتوں کو دوہم برہم کر دیا اس سلسلہ میں زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، آپ خود تاریخ داں ہیں، تاریخ کی کتابیں خود رہنمائی کرنے کے لئے کافی ہیں۔

اس موقع پر جنرل الارڈن نے کہا کہ یہ نہیں ہوا کرتا کہ بے سرو سامان صاحب ساز و سامان کے مقابلہ میں اور غیر مسلح مسلح کے مقابلہ میں کامیاب ہوں، وینٹور نے کہا کہ نہیں، مولوی صاحب صحیح کہتے ہیں کہ بڑوں نے چھوٹوں کے ہاتھ سے شکست کھائی۔

وینٹور نے بحث کے آخر میں کہا میری صرف اتنی خواہش ہے کہ میرے اور خلیفہ صاحب کے درمیان تحفے تحائف کی رسم جاری ہو جائے پہلے میں کوئی چیز بھیجوں پھر خلیفہ صاحب کوئی تحفہ بھیج دیں تاکہ یہاں سے واپس جانے کے لئے مجھے کوئی عذر مل جائے، اس کے بعد خلیفہ صاحب کو یوسف زئیوں کے ملک کا اختیار ہے، جو چاہیں کریں، خالصہ کی فوج پھر اس ملک پر کبھی نہ آئے گی۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ خلیفہ صاحب کو تمہاری محبت اور دوستی سے کوئی عرض نہیں، اگر آپ کو عرض ہو تو پہلے آپ سلسلہ جنبانی کریں خلیفہ صاحب بڑے بلند حوصلہ اور عالی ہمت ہیں، وہ آپ کے تحفوں کا جواب ضرور دیں گے، لیکن خلیفہ صاحب کی سرکار کا تحفہ یہی ہے کہ کسی کو سر بند کسی کو کلاہ اور کسی کسی کو جتہ بھی عنایت فرماتے ہیں، ان کی سرکار میں ہتھیار بھی بڑے بڑے بیش قیمت ہیں، تعجب نہیں کہ ان میں سے بھی کچھ عنایت فرمائیں۔ وینٹور نے کہا سر بند اور کلاہ کو ہم کیا کریں گے؟ ہاں اگر تحائف کے عوض میں ایک گھوڑا خلیفہ صاحب عنایت فرمادیں تو معقول بات ہوگی، مولوی صاحب نے کہا کہ میں آپ کا مطلب سمجھا، ہم گھوڑا آپ کو ہرگز نہ دیں گے، وینٹور نے کہا آپ انکار کر رہے ہیں، آپ

خلیفہ صاحب کو لکھے وہ اس تجویز کو پسند فرمائیں گے، اس کے لئے دورانہ پیشگی ضرورت ہے۔ اس وقت حکیم صاحب اختیار تو ہیں بلکہ حاجی بہادر شاہ خاں تک نے مولوی صاحب کو اشارہ کیا کہ ونیٹورا جو کچھ کہہ رہا ہے اس کو قبول کر لیں مگر مولوی صاحب اپنی عقل دورانہ پیش سے معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے، اور فرمایا یہ بات اس کے لئے تو مناسب ہے، جو ملک اور جاگیر پر قابض ہو، لیکن اس شخص کے لئے مناسب نہیں جس نے جہاد محض اعلام کلمۃ اللہ کے لئے شروع کیا ہو، جس طرح جو شخص نماز روزہ اور دوسرے اعمال صالحہ محض خلق اللہ میں بزرگی حاصل کرنے کے لئے کرے عذاب و وبال کا مستحق ہے، اسی طرح جہاد فدائیت کے ساتھ موجب وبال ہے، میں ایسی بات خلیفہ صاحب کو نہیں لکھ سکتا، اس نیت میں ہم اور خلیفہ صاحب یکساں ہیں، فرق اتنا ہے کہ ہم نے ان کو اپنا امام قرار دیا ہے، اس لئے کہ امام کا تقرر شرائط جہاد میں سے ہے، جو چیز جہاد کے ثواب کو باطل کرنے والی ہے، اس کے انکار میں ہم اور خلیفہ صاحب برابر ہیں۔

ونیٹورانے دو تین بار یہی بات دہرائی مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس بات کو بار بار دہرانے سے کچھ فائدہ نہیں، گھوڑا نو گھوڑا ہے ہم تو گدھا بھی تم کو نہیں دیں گے ہمارا تو ارادہ خود آپ سے جزیہ اور خراج لینے کا ہے ہم آپ کو خراج کیا دیں گے؟

ونیٹورانے کہا کہ اگر خلیفہ صاحب اپنی کرامت سے اس بے سرو سامانی اور قلت فوج کے ساتھ ایسی صاحب شمت و جاہ سرکار پر فتیاب ہو جائیں، اس صورت میں ہم سرکارِ خدا لے ونیٹورا کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح سید صاحب تحفہ میں ایک گھوڑا ونیٹورا کے پاس بھیج دیں اور وہ اور ہمارا جہاد کی حکومت لوگوں میں شہور کر سکے کہ سید صاحب نے نعل بندی دیکر ہمارا جہاد کی حکومت کا باج گزار اور علاؤ ہونا منظور کر لیا مولوی خیر الدین صاحب اس نکتہ کو سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ کسی طرح گھوڑے کے تحفہ کا اقرار کرنا نہیں چاہتے تھے۔

کو چھوڑ کر خلیفہ صاحب کی طرف رجوع کر لیں گے، مولوی صاحب نے کہا کہ میں خلیفہ صاحب کا حال تم سے کیا کہوں، آپ نے خود دیکھا نہیں، اگر ملاقات کا حوصلہ ہو تو تیار ہو جائے انشاء اللہ ان کی گفتگو سن کر سوارے آتا و صدقاً کہنے کے اور کچھ نہ کہیں گے۔

یہ سن کر وینٹورانے کہا "نہیں نہیں پھر وہ تھوڑی دیر خاموش رہا، اس کے بعد کہا کہ آپ کو اس مضمون کے لکھ کر بھیجنے میں عذر ہے، تو زبانی آپ یہ پیغام پہنچا دیں گے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ کے کچھ کہنے پر منحصر نہیں، میں ذرا برابر بھی ان سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا، اور ساری گفتگو بے کم و کاست نقل کر دوں گا، وینٹورانے کہا اس کے بعد جو آپ ارشاد فرمائیں، وہ حضور میں ہم تک پہنچا دیں، مولوی صاحب نے کہا جواب کا پہنچانا یا نہ پہنچانا ہمارے اختیار میں نہیں، یہ خلیفہ صاحب کی رائے اور حکم پر منحصر ہے، اس وجہ سے میں اس کا وعدہ نہیں کرتا۔

وینٹورانے کہا کہ آپ نے میرے سامنے جو کچھ کہا ہے، کیا آپ کھرک سنگھ کے سامنے بھی کہہ دیں گے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کچھ آگے بڑھ کر کہوں گا۔
بات یہاں تک پہنچی تھی کہ وینٹورانے کہا کہ آپ اس وقت تشریف لے جائیں، ہم پھر کسی اور وقت بلائیں گے۔

مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو کر حکیم عزیز الدین کے ڈیرے پر آئے، اور کھانا تناول کیا، نماز مغرب تک وہیں رہے، نماز کے بعد اپنے ڈیرے پر آئے، دوسرے روز وزیر سنگھ نے آکر خفیہ طریقہ سے بیان کیا کہ آج ظہر کے وقت کھرک سنگھ کے ڈیرے پر دونوں ولایتی افسر اور خاوی قان کا بھائی امیر خاں اکٹھے تھے، انھوں نے مشورہ کیا کہ یہ مولوی بہت تیز مزاج ہے، ہماری بات قبول نہیں کرتا، پختار کی طرف فوج کا جانا ضروری ہے۔

ایک پہر رات رہے کوچ کی تجویز ہوئی اس کی اطلاع مولانا اسماعیل کو ضرور
 ہونی چاہئے اسی وقت مولوی صاحب نے اس ملاکی معرفت جس کے یہاں وہ مقیم تھے ایک
 شخص کو پختار روانہ کیا اور قاصد سے فرمایا کہ جو وہاں پر پڑیں وہاں کے لوگوں کو
 خبردار کرتے جانا کہ کل سکھوں کا لشکر پختار پر چڑھائی کرے گا، اپنی اپنی جان و مال سے
 ہوشیار رہیں، کھرک سنگھ کے علاوہ تمام لشکر نے زید سے کے مقام پر پڑاؤ ڈالا یہاں سے
 پختار چھ کو س ہے، غروب آفتاب کے وقت لشکر میں مشہور ہو گیا کہ آج رات غازی پختار
 کے لشکر پر سبوں ماریں گے، اس اطلاع سے سارے لشکر میں ایک اضطراب اور انتشار پیدا ہو گیا
 کہ کوئی اپنے بستر پر آرام سے لیٹ نہ سکا سب اپنے گھوڑے کی رگام ہاتھ میں لئے کھڑے
 تھے، چونکہ انھوں نے زمین سے میخیں اکھاڑ لی تھیں، تمام لشکر میں شور مچا ہو گیا، اور ہر شخص
 بھاگنے کے لئے تیار ہو گیا، ولایتی افسروں نے لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر یوسف خاں اور دوسرے
 افسروں کو طلب کر کے کہا کہ آخر یہ کیا مصیبت ہے، اور لشکر پر ہر اس کیوں طاری ہے!
 ہر شخص بھاگنے پر تیار ہے، ان کو تسلی دے کر ٹھیرانا چاہئے، افسروں نے حسب حکم لشکر کو
 سمجھایا تھوڑی رات باقی تھی کہ سارا لشکر دریائے کی طرف چل کھڑا ہوا، اس طرح پر کہ
 کسی نے کسی کو نہیں پوچھا پھر نہایت تیزی کے ساتھ پل کے ذریعہ دریا عبور کر کے پل کو
 توڑ دیا وہاں کچھ دیر ٹھیر کر ایک پہر دن باقی تھا اٹک کی طرف کوچ کر گئے۔

اندازہ ہے کہ یہ پورا واقعہ رنجیت سنگھ تک ضرور پہنچا ہوگا، اور اس کو اندازہ ہو گیا
 ہوگا کہ اس کا واسطہ ایک ایسے شاہین اور شہباز سے ہے، جس کو غلہ کے چند دانوں اور
 دسترخوان کے بچے کھئے، ٹکڑوں سے زبرد ام لانا ممکن نہیں۔

ایک زبردستی کی جنگ جس میں مسلمان فتحیاب ہوئے

زیدہ کی جنگ میں قلت تعداد بے سرو سامانی اور غریب الوطنی کے باوجود مجاہدین کی فتح اور یار محمد خاں والی پشاور کی ہلاکت ایک ایسا واقعہ تھا، جس کا اثر شاہی خاندان میں محسوس کیا جانا لازمی تھا، سلطان محمد خاں کی ماں بھی اسکو اپنے بھائی کے قتل کا عار برابر دلاتی تھی، اور انتقام لینے اور اس داغ کو دھونے پر آمادہ کرتی رہتی تھی، آخر کار اس نے انتقام کی ٹھان لی اور اپنا لشکر لے کر مرکز مجاہدین کی طرف رخ کیا اس کا ارادہ تھا کہ اس شورش کا قصہ ختم کر دیا جائے، اور روز بروز کی زحمت سے نجات حاصل کی جائے، جس نے اس کا امن و سکون غارت کر دیا تھا، جو امراء، سرداران قبائل، جاگیردار، اور اہل جاہ و منصب سید صاحب کے مخالف تھے، اور حسد و رقابت کا شکار تھے، اور سید صاحب کی سیادت، دینی امامت و پیشوائی اور عروج و اقبال میں اپنا ادبار و زوال سمجھتے تھے، وہ سب لوگ قدرتی طور پر اس کے ساتھ مل گئے۔

سردار سلطان محمد خاں نے دوسرے امراء و سرداران قبائل کو دھمکی بھی دی کہ وہ ان کو سخت سزا دیں گے اس لئے کہ یار محمد خاں کا قتل ان ہی کی عملداری میں اور ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا، اور وہ کوئی بددینہ کر سکے اس کے ساتھ اس کے دو بھائی سردار پیر محمد خاں اور سردار سید محمد خاں بھی اور اس کے بڑے بھائی محمد عظیم خاں والی کشمیر کے بھتیجے حبیب اللہ خاں بھی تھے،

آخر کار یہ رائے ٹھہری کہ اس خطرہ کا مقابلہ اور سدباب کیا جائے یا اس کو کسی طرح
 ٹالا جائے یہ صاحب امب کے قلعہ سے جہاں وہ مقیم تھے اپنی قدیم لشکر گاہ پنجتار واپس
 آگئے، پشاور کے لشکر نے موضع ہوتی میں قیام کیا اور یہ صاحب اس کے مقابل دوسرے
 موضع تورد میں فروکش ہوئے۔

یہ صاحب کو اس جنگ سے جو دو مسلمانوں میں ہونے والی تھی، کوئی دلچسپی نہ تھی،
 آپ کو ان دو قوتوں کا ٹکراؤ سخت ناپسند تھا جن سے اسلام اور مسلمانوں کو بید فائدہ
 پہنچ سکتا تھا، اور وہ مشترک دشمن کے مقابلہ کے لئے کام آسکتی تھیں۔
 سلطان محمد خاں ان پہلے لوگوں میں تھے جنہوں نے پہلے یہ صاحب کی طرف نصیحت
 اور وفاداری کا ہاتھ بڑھایا اور آپ سے اطاعت و فرماں برداری اور جہاد فی سبیل اللہ پر بیعت
 کی اور یہ صاحب نے بہت کوشش کی کہ ان کو اس معرکہ سے باز رکھیں جس کی کوئی ضرورت
 اور افادیت نہیں ہے، آپ نے ان کی دینی حس اور اسلامی جذبات کو بھی ابھارنا چاہا جس سے
 کسی مسلمان کا دل خالی نہیں، اس مقصد کے لئے آپ نے موضع تورد ہی ایک عالم ربانی مولوی
 عبدالرحمن صاحب کا انتخاب کیا، جو یہ صاحب کے بڑے مخلصین میں سے تھے، آپ نے ان کو
 سلطان محمد خاں کے پاس سفارت پر بھیجا اور ان سے یہ کہلوا یا کہ ہم یہاں صرف حاکم لاہور کے
 مقابلہ کے لئے آئے ہیں، ہم سمجھتے تھے کہ دین کی نصرت اور مظلوموں کی حمایت کے لئے اس جہاد میں
 آپ ہمارا ساتھ دیں گے، آپ ہی نے سب سے اول مجھ سے بیعت کی اور میری مدد کا وعدہ کیا، اب
 آپ کا دل اس پر کیسے راضی ہے کہ کفار سے مل کر مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھائیں، ان کے خلاف
 سازشیں کریں، اپنے دین اور دنیا دونوں کا نقصان کریں اور بعد میں نہامت سے اپنی انگلیاں کاٹیں۔
 اس موثر اور معقول پیام کا سلطان محمد خاں نے بہت سختی سے جواب دیا اور مصالحت کی

ساری امیدیں منقطع ہو گئیں، سید صاحب نے قاصد کو دوبارہ بھیجا اور ان کو بھلانے بھجانے اور ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی اور کوشش کی آپ نے ان سے کہا کہ اگر چہ ان کے بھائی دوست محمد خاں نے ان کو ان سے ڈرنے اور باز رہنے کی ہدایت کی تھی، اور اس سے آگاہ کیا تھا کہ ان کے وعدہ پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے، لیکن خود ان کی رائے یہ ہوئی کہ کسی فیصلہ میں عجلت سے کام نہ لیں، ان سے اور یار محمد خاں سے جو جو باتیں شدید و کمعزکہ میں ظاہر ہوئیں، انھوں نے ان سب کو معاف کر دیا ہے، بلکہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ یار محمد خاں نے ایک بڑا لشکر اور توپ خانہ لے کر مجاہدین کی طرف رخ کیا، اور اس ارادہ کے ساتھ کہ آج آخری طور پر ان کا خاتمہ کر دینا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی مجاہدین کو فتح حاصل ہوئی اور یار محمد خاں اپنی ناعاقبت اندیشی اور مجاہدین سے دشمنی کا خود ہی شکار ہو گیا، اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ" ہر آدمی اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔

سید صاحب اور سلطان محمد خاں کے درمیان قاصد کی بار آیا گیا، بات طویل ہوتی گئی حاکم پشاور نے سخت لب و لہجہ میں بات کرنی شروع کی اور دھمکیاں دینا اور گرجنا برتا شروع کیا، یہ دیکھ کر سید صاحب نے مولوی عبدالرحمن کو ہدایت کی کہ اب وہاں جانے اور اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں، اور اندازہ ہو گیا کہ اب جنگ سے چارہ کار نہیں، سید صاحب بادل ناخواستہ اس کے لئے آمادہ ہوئے، اور تیاریاں شروع کیں، لوگوں کو ان کی جگہوں پر تعینا کیا، رات لشکر نے جاگ کر گزاری، سب تیاریوں میں لگے رہے، اور کسی کو سونے کا موقع نہ ملا، صبح کی نماز میں سید صاحب کے ساتھ مجاہدین کی بہت بڑی تعداد شریک تھی، ان کو خوب اندازہ تھا کہ ایک فیصلہ کن اور آخری جنگ ان کے سامنے ہے، نماز کے بعد سید صاحب نے بہت آہ و زاری اور عجز و انکساری کے ساتھ دیر تک دعا کی لوگوں کی آنکھیں اشکبار اور دل بے قرار تھے، اپنے

اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز و ناتوانی اور بے سرو سامانی کا دل کھول کر بیان کیا، اور اس کا اظہار کیا کہ وہ کسی قابل نہیں ہیں، صرف اللہ کا سہارا ان کی جائے پناہ ہے۔

دعا کر کے آپ نے اپنے چہرہ پر ہاتھ بھی نہ پھیرا تھا کہ ایک آدمی مورچہ کی طرف سے دوڑا ہوا آیا، اور اس نے اطلاع دی کہ طبل جنگ بج چکا ہے، اسید صاحب نے بھی جنگ کا اعلان کر دیا، لوگوں نے اپنی کمر کس لی، اور مجاہدین اپنے سارے اسلحہ اور جنگی سامان کے ساتھ جہاد کے میدان میں اتر پڑے۔

سلطان محمد خاں اور ان کے دونوں بھائیوں نے دستور کے مطابق قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ وہ جنگ سے منہ نہ پھیریں گے، فتحیاب ہوں گے، یا جان دے دیں گے انہوں نے نیزوں کی ایک محراب تیار کی اور اس کے وسط میں قرآن مجید کو آویزاں کیا اور سارا لشکر اس کے نیچے سے ہو کر میدان جنگ میں اتر آیا، گویا قرآن کی قسم کا عملی طریقہ تھا اور اس بات کا عہد اور اعلان کہ لشکر کو پیچھے کسی حالت میں نہیں لوٹنا ہے، اس طرح جنگ ایک مذہبی جنگ بن گئی، اور آخری سال تک پوری پامردی سے لڑنے کا پختہ عہد کیا گیا۔

جنگ شروع ہوئی اور دونوں فریق ایک دوسرے سے برسری پکار ہو گئے، پشاور کا لشکر آٹھ ہزار سوار اور چار ہزار پیادوں پر مشتمل تھا، مجاہدین کے لشکر میں تین ہزار پیادے اور پانچ ہزار سوار تھے، اسید صاحب نے مکمل اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا اور انتشار، عجلت اور خودداری کے نقصانات سے آگاہ اور خبردار کیا، اسید صاحب گھوڑے پر سوار ایک پیادہ دستہ کے وسط میں تھے، اور لشکر کو جہاد و ثابیت قدمی اور خدا سے استعانت کی طرف متوجہ کر رہے تھے، لشکر کے بعض سمجھدار لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ گھوڑے سے اتر آئیں، اس لئے کہ آپ نمایاں و بلند ہونے کی وجہ سے نشانہ کی زد پر ہیں، اور گولہ انداز آسانی

سے آپ کی طرف گونے پھینک سکتے ہیں، آپ نے ان کے مشورہ کو قبول کیا اور گھوڑے سے اتر آئے۔

میدان کارزار گرم ہوا گونے چلنے شروع ہوئے جو بارش کی طرح گر رہے تھے، اور تلواریں اور نیزے چمک رہے تھے، مجاہدین نے مولانا خرم علی بلہوریؒ کا قصیدہ جہاد یہ بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا اور ان کے اندر شوق و ذوق اور سرنوشی و مسرتی کی ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی، سید صاحب کی شجاعت و سپہ گری کے جوہر اس موقع پر اچھی طرح ظاہر ہوئے آپ بلا تردد اپنے کو خطرہ میں ڈالتے تھے، آپ کے داہنے اور بائیں دو رفیق تھے، جو بندوق بھر کر آپ کو دیتے جاتے تھے، اور آپ نہایت سرعت اور بہادری و بے خوفی کے ساتھ فائر کرتے۔

مجاہدین کی جو انہر دی اور دنیا کی حقارت کے عجیب مناظر اس معرکہ میں سامنے آئے مولانا محمد اسماعیل اور حافظ ولی محمد نے آگے بڑھ کر دشمن کے توپ خانہ پر قبضہ کیا اور اس کا رخ دشمن کی طرف پھیر دیا، سید صاحب بنفس نفیس اس کی نگرانی کرتے اور اس سلسلہ کی بہترین ہدایات دیتے تھے، اس میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی تھی جس کو آپ ہی نے درست کیا اس کے بعد وہ دشمن کے خلاف پہلے سے بہتر طریقہ سے کام کرنے لگا، اسی اثناء میں درانیوں کے سپر اگھڑ گئے اور انہوں نے قرار اختیار کرنے میں عافیت سمجھی اور مجاہدین کو مکمل فتح حاصل ہوئی، سورج ڈھلتے ہی مجاہدین مایار کے میدان میں منظر و منصور واپس ہوئے، جو لوگ جنگ میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے، اور مختلف جگہوں پر مشغول تھے، وہ سب یہاں آ کر مل گئے، مولانا منظر علی

لہ مولانا خرم علی بلہوری کا پیوری سید صاحب کے رفقا میں تھے بعد میں باندہ چلے گئے جہاں نواب ذوالفقار علی خاں نے ترجمہ و تصنیف کی خدمت ان کے سپرد کی اور فقہ و حدیث کی متعدد کتابیں انہوں نے اردو میں ترجمہ کیں، انہوں نے تقویۃ الایمان کے طرز پر توحید و سنت کے موضوع پر ایک کتاب نصیحت المسلم تصنیف کی، ۱۲۱۰ھ میں ناپائی

عظیم آبادی نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور طبی امداد کا حکم دیا شہدار کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور تدفین عمل میں آئی، ہولانا جعفر علی لکھتے ہیں کہ لوگ اگرچہ صبح سے بھوکے تھے، لیکن فتح کی خوشی سے کھانے سے بے پرواہ اور آسودہ تھے، دن بھر کے تھکے ماندے ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ پڑ کر سو گئے، لیکن جراحوں کو زخموں کے سینے اور مرہم پٹی سے فرصت نہ تھی، عام طور پر مجاہدین پر نیند کا غلبہ تھا، اِنْعَاسًا یَغْشَی طَائِفَةً مِّنْهُمْ، کا منظر تھا، آنکھ بے اختیار بند ہو ہو جاتی تھی، نصف شب کے بعد زخموں کے سینے اور مرہم پٹی سے فراغت ہوئی۔

اس معرکہ میں صدق و اخلاص، بے نظیر شجاعت، یقین محکم، جذبہ شہادت، موت کے اشتیاق، اور جانِ مشتاق کے بہت سے عجیب و دلنواز نمونے دیکھنے میں آئے ان میں بعض واقعات مختصر ایساں پیش کئے جاتے ہیں۔

اخلاص کا جہاد اور شہادت کی موت

مایا کی جنگ شروع ہونے سے کچھ پہلے امیر المجاہدین سید احمد شہید کی خدمت میں ایک صحت مند و توانا نوجوان حاضر ہوئے، شرافت و عالی نسی ان کے چہرہ سے عیاں تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سید صاحب کے خاندان اور گھرانہ کے ایک عزیز فرد ہیں، وہ آگے بڑھے اور سید صاحب سے اس لہجہ میں ہم کلام ہوئے جس میں توقیر و احترام کے ساتھ اخوت و قرابت کا ناز و اعتماد بھی تھا، سپاہی کی شان بھی اور نوجوانی کی آن بان بھی۔ وہ سید صاحب سے کہہ رہے تھے کہ میں صاحب جس روز سے میں آپ کے ساتھ

گھر سے نکلا ہوں آج تک میرا ہی خیال تھا کہ یہ میرے عزیز ہیں، اور میں بھی ان کے ساتھ رہوں جو ان کو اللہ تعالیٰ کہیں عروج دے گا، تو ان کی وجہ سے میری بھی ترقی ہوگی نہ میں آج تک خدا کے واسطے رہا اور نہ کچھ ثواب جان کر، مگر اب میں نے اس خیال فاسد سے توبہ کی اور از سر نو آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے واسطے بیعت جہاد کرنے کو آیا ہوں آپ مجھ سے بیعت لیں اور میرے واسطے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس نیت اور ارادہ پر ثابت قدم رکھے آپ نے یمن کران سے بیعت لی اور ان کے واسطے دعا کی اس وقت تمام حاضرین پر رقت کی وجہ سے ایک عجیب حال طاری تھا، اور ہر ایک کی آنکھ سے آنسو جاری تھے۔

قاضی گل احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ دیکھا کہ سید ابو محمد صاحب

سید ابو محمد صاحب بٹالین میں جمعدار تھے، بہت بانگے ترچھے و صعدار اور خوبصورت جوان تھے بڑے بڑے چابک سواران کی اتادی کے قائل تھے، مزاج میں بڑی لطافت و نفاست تھی کسی کے ہاتھ کا پکا کھانا ان کو پسند نہ آتا تھا، اپنے ہی ہاتھ سے دن رات ایک بار پکاتے تھے اکثر فنون میں مہارت رکھتے تھے، کپڑا ایسا قطع کرتے اور سیتے کہ بڑے بڑے استاد حیران رہ جاتے تھے پندہ میں وضع کی پگڑی باندھتے تھے ہاتھ سے گھوٹے کا سب سا زور اسی لیتے تھے، اور آپ ہی اپنا خطا آئینہ سامنے رکھ کر بناتے تھے، غزائے دار پانچا چست انگرکھا پہنتے تھے، بانگین کے باوجود کبھی سر پر بال رکھے نہ تھے پیانہ نشہ کی کوئی چیز کھائی پی نہ کی نامحرم عورت کی طرف بری نگاہ سے دیکھا تیمارداری خدمت گزاری میں بڑے چست تھے، بیماروں کا بول و براز اٹھاتے تھے، جب سید صاحب نے ہجرت کی تیاری کی تو آپ نوکری چھوڑ کر رخصت کرنے آئے کوئی پوچھتا کہ سید ابو محمد صاحب کیا تم بھی ہجرت کر کے جہاد کو چلو گے تو کہتے میں نہیں جانتا کہ ہجرت اور جہاد کس کو کہتے ہیں، ہمارے بھائی میاں صاحب جاتے ہیں، ہم نے سوچا کہ ہم بھی دلموٹنگ پہنچائیں یہی کہتے کہتے دلموٹنگ باتادہ گوالیار ٹونگ، اجیر میاں تک کہ سرحد پہنچ گئے۔

زخمی پڑے ہیں، مگر ایسے کاری زخم لگے تھے، کہ قدرے جان تو ان میں باقی تھی، ہوش و حواس کچھ بچا نہ تھے، میں نے کئی بار ان کے کان میں پکار کر کہا کہ سید ابو محمد صاحب حضرت امیر المؤمنین کی فتح ہوئی انھوں نے کچھ خیال نہ کیا اور نہ کچھ جواب دیا مگر ان کا حال یہ تھا کہ ہونٹ اپنے چاٹتے تھے، اور الحمد للہ، الحمد للہ کہتے جاتے تھے، اور جو لوگ لاشیں اٹھا رہے تھے، میں نے ان کو آواز دی کہ ادھر آؤ، سید ابو محمد صاحب ادھر پڑے ہیں، ادھر سے ایک آدمی آیا، میرے پاس ایک کپڑا تھا میں نے اٹھا کر اس میں لٹایا ہم دونوں آدمی ان کو تورو میں لائے تب تک ان میں رقی باقی تھی، اسی طرح ہونٹ بھی چاٹتے تھے، اور لبوں سے کچھ اشارہ الحمد للہ کہنے کا معلوم ہوتا تھا، اسی حالت میں روح پرواز کر گئی۔

بچوں مرگ آید تنسیم بر لب و ست

ایک مضبوط و توانا جوان کالے خاں تھے، ان کے جسم کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ شاید لشکر مجاہدین میں شامل ہونے سے پہلے پہلوان رہے ہوں گے، کسرتی جسم، مضبوط پٹھے، لیکن ابھی ان کے اندر گذشتہ زندگی کے کچھ آثار باقی تھے، اور بھی نوجوانی و شوخی کی رگ بھر گئی لگتی تھی، داڑھی بھی منڈاتے تھے، سید صاحب باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اپنی شدت کے یہ سب دیکھتے حکمت کے پیش نظر ان کو کچھ نہ کہتے یہ نوجوان ان سب باتوں کے باوجود سید صاحب کے بہت مخلص اور جاں نثار تھے، ایک دن انھوں نے داڑھی منڈائی سید صاحب کا سامنا ہوا، تو سید صاحب نے ان کی ٹھوڑی پر اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ

خان بھائی تمہاری ٹھوڑی کیسی چکنی چکنی ہے، اس بات سے وہ شرمائے اور کچھ نہ بولے مگر سید صاحب کا وہ کہنا ان کے دل میں اتر گیا، کئی دن کے بعد جب معمول کے موافق نالی آیا اور چاہا کہ ٹھوڑی بھگوئے اور مونڈے تو انھوں نے کہا اس ٹھوڑی میں سید صاحب کا ہاتھ لگا ہے، اب اس پر تیرا سترہ نہیں چل سکتا، یوں ہی رہنے دے، پھر اس دن سے انھوں نے اپنی داڑھی نہ منڈائی اور بڑے صانع اور متقی ہو گئے۔

یہ مجاہد مایار کے معرکہ میں سید صاحب کے ساتھ سواروں کے دستہ میں تھے، اور لشکر کی صفوں میں گھوم گھوم کر اعلان کرتے تھے کہ بھائیو صفیں سیدھی رکھو اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ، یہی کہہ رہے تھے کہ ان کے بائیں پہلو میں گولہ لگا، وہ گھوڑے سے گر پڑے، اور صف آگے بڑھ گئی، ہدایت الشربانس بریلوی کہتے ہیں کہ لوگ ان کو مایار کی مسجد کے حجرہ میں اٹھالائے اس وقت وہ جان کنی کی حالت میں تھے، ان کی زبان پر اللہ الشرجاری تھا کچھ دیر کے بعد انھوں نے پوچھا کہ بھائی لڑائی کا کیا حال ہے، اور کس کی فتح ہے، اس وقت تک درانیوں کا پہلا اور دوسرا غول آیا تھا، میں نے بتایا کہ ابھی معاملہ تو گڈ ٹڈ ہے، جب درانیوں کو شکست ہوئی اور سید صاحب کو فتح نصیب ہوئی تو انھوں نے ایک مرتبہ پھر پوچھا کہ اب لڑائی کا کیا طور ہے، کسی کی فتح ہوئی یا نہیں، میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمارے سید صاحب کو فتحیاب کیا، یہ خوشخبری سن کر انھوں نے الحمد للہ کہا، اسی دم ان کا دم نکل گیا۔

نوجوان زخمی

سید موسیٰ ۱۷-۱۸ سال کے جوان تھے، ان کے والد سید احمد علی صاحب جس دن

پھولڑے کی جنگ میں شہید ہوئے اس دن سے سید موسیٰ کی طبیعت منوم رہنے لگی کبھی کبھی اپنے دوستوں سے کہتے کہ اگر کبھی مجھے کسی لڑائی میں جانے کا اتفاق ہو تو انشاء اللہ شریع کھیت میں جھکودیکھنا یعنی میں بھی لڑ کر شہید ہو جاؤں گا ان کے اس حال کی اطلاع سید صاحب کو بھی تھی، وہ رسالہ دار عبد الحمید خاں کے سواروں میں تھے، جب تور سے مایار کی طرف لشکر چلا تو آپ نے ان سے کہا کہ تم اپنا گھوڑا کسی اور بھالی گودے دو اور تم ہمارے ساتھ پیادوں میں رہو انہوں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو یوں ہی رہنے دیجئے، جب درانیوں کا ہلہ آیا آپ گھوڑے کی باگ اٹھا کر اس میں گھس گئے اور خوب تلوار سے لوگوں کو مارا اور زخمی کیا اور آپ بھی زخمی ہوئے مگر لڑتے رہے، جب زخموں کے مارے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے اور کئی زخم سر میں لگے، اس وقت بتیاب ہو کر گھوڑے سے گرے۔

خاوی خاں کہتے ہیں کہ میں نے دور سے سنا کہ کوئی زخمی پڑا ہوا اللہ شہید ہے، میں نزدیک گیا تو پہچانا کہ یہ تو سید موسیٰ ہیں، سر کے زخموں سے بونون بہ رہا تھا، اس سے ان کی آنکھیں بند تھیں میں نے کہا میاں موسیٰ میں آپ کو اٹھالے چلوں انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو اور فتح کس کی ہوئی میں نے کہا میں خاوی خاں ہوں اور فتح سید بادشاہ کی ہوئی، یہ سن کر انہوں نے کہا الحمد للہ اور قدسے چاق ہو گئے، اور مجھ سے کہا جھکولے چلو میں اپنی پشت پر سوار کر کے اٹھالایا، سید صاحب نے ان کو بے چین دیکھ کر فرمایا کہ ان کو مایار کی مسجد کے حجرہ میں پہنچاؤ اپنے ان بعض رفیقوں کو ان کی خدمت کے لئے ساتھ کر دیا۔

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ سید صاحب ان کو دیکھنے تشریف لائے آپ نے فرمایا کہ یہ بچہ بڑا مردانہ نکلا اور مالک حقیقی کا حق خوب ادا کیا پھر ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ الحمد للہ تمہارے ہاتھ پاؤں اللہ کے راستہ میں کام آئے اور تمہاری کوششیں مشکور ہوئیں اگر تم کسی کو دیکھو کہ

خوش رفتار گھوڑے پر سوار ہے، اور اس کو ایڑ لگاتا ہے، اور دوڑاتا ہے تو تم اس کی حسرت نہ کرنا کہ تمہارے ہاتھ پاؤں سلامت ہوتے تو ہم بھی اسی طرح شہسوار ہی کرتے اس لئے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو گئے بڑے مبارک ہیں، وہ ہاتھ پاؤں جو رضائے مولیٰ کے راستے میں کام آئیں اور اس پر قربان ہو جائیں، اگر کسی شخص کو دیکھو کہ وہ پٹہ باز استادوں کی طرح تلوار سے کھیلتا ہے تو کبھی یہ غم نہ کرنا کہ ہم بھی تندرست ہوتے تو سپہ گری کا کمال دکھاتے اس لئے کہ تمہارے ان ہاتھ پاؤں کا بڑا مرتبہ ہے کہ اللہ کے راستے میں انھوں نے زخم کھائے جو ہاتھ پاؤں صحیح و سالم ہیں، ان سے گناہ کا اندیشہ ہے، لیکن تمہارے ہاتھ پاؤں کا ثواب تو اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع ہے، سیدنا علی مرتضیٰ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کے دونوں بازو اللہ کے راستے میں کٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس میں ذوالجناحین کے لقب سے سرفراز فرمایا اور زمرہ کے دو بازو ان کو عطا فرمائے۔

سید موسیٰ نے عرض کیا کہ میں ہزار زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس حال پر راضی و شاکر ہوں میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعاً کوئی شکایت نہیں آئی، اس لئے کہ اسی کام کے لئے آپ کی ہمرکابی میں یہاں آیا تھا، الحمد للہ کہ اپنی ہستی کو اس فضل ترین عبادت میں مشا دیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے لیکن میری اتنی تمنا ہے کہ حضرت مجھے روزانہ اپنی زیارت سے مشرف فرمادیا کریں اس لئے کہ میں اپنی بے دست پائی سے خود حاضر می سے معذور ہوں اس محرومی کے سوا مجھے کسی بات کا قلق نہیں۔

یہ سن کر سید صاحب نے دادا ابوالحسن سے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے مقرر کرتا ہوں تم مجھ کو جس وقت فارغ دیکھو متوجہ کر دو تاکہ میں خود سید موسیٰ کے پاس آجاؤں پھر آپ نے سید موسیٰ کی بڑی تعریف کی اور ان کو شاباش دی اور تشریف لے گئے
(منظورۃ السعداء)

عقل ایمانی کی جھلکیاں

مایا کے میدان جنگ سے مسلمان منظر و تصور واپس ہوئے، تمام لوگوں کے کپڑے اور چہرے ایسے گرد آلود تھے کہ بعض آدمی فوراً پہچانے نہیں جاسکتے تھے، اربابِ ہیرا خاں سید صاحب کے پاس آئے اور رومال لے کر چاہا کہ آپ کے چہرہ سے گرد جھاڑ دیں آپ نے فرمایا کہ خان بھائی! ابھی ٹھیر جاؤ یہ غبار بہت برکت والا ہے۔

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گرد کی بڑی فضیلت بیان کی ہے کہ جس کے پیروں پر یہ غبار پڑے وہ شخص عذابِ نار سے نجات پائے گا، یہ تمام تکلیف و مشقت اسی گرد کے لئے ہم نے اٹھائی ہے، یہ بات سن کر سب لوگ اسی طرح گرد آلود رہے اس جگہ کسی نے گرد نہ جھاڑی۔

ظہر کی نماز کے بعد ننگے سر ہو کر بہت دیر تک آپ نے دعا کی اس دعا میں اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کی خداوندی اور پروردگاری، عظمت و جباری اور رحمت و مغفاری اور اپنی ناتوانی و خاکساری کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا آپ کے آنسو اس طرح جاری تھے کہ داڑھی تر ہو گئی تھی اور یہی حال تقریباً تمام لوگوں کا تھا دعا کے بعد چند گھنٹی اور ٹھیرے پھر کوچ کیا اور موضع تورد میں آکر عصر کی نماز پڑھی۔

میدان سے مظفر و منصور واپس آنے کے بعد سید صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے کرم عمیم سے ہم کو فتح نصیب فرمائی اور مسلمان بھی رکھا اور یہ بھی بڑا فضل فرمایا کہ باوجود قلت تعداد و سامان ہم سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہم نے فتح حاصل کی یا ہم دشمن پر غالب آئے ہمارے سب غازیوں کا یہی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قوت و قدرت سے ہم کو ایسے زور آور حریف پر جو سلطنت اور خزانوں کا مالک تھا اور جو مورخ کی طرح ہم پر چڑھ کر آیا تھا، ہم کو فتح کیا!

اس کے بعد فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم تھا کہ اس جنگ میں ہمارے دل میں عجیب قسم کا اطمینان اور سکینت نازل فرمائی کہ جنگ کا شور و ہنگامہ ہمارے دل پر اثر نہ کر سکا اس وقت ہم کو میدان جنگ میں جانا اور دشمن سے لڑنا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی دعوت کو جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہم کہیں کچھ پیڑی کھانے گئے تھے۔

شہداء کو دفن کے لئے لایا گیا مولانا محمد اسماعیل نے فرمایا کہ ان کے چہرے ان کے عاموں سے چھپا دو اور ان کے کپڑے دیکھ لو جو کچھ پیسہ روپیہ وغیرہ بندھا ہوا اس کو کھول لو کسی شخص نے قبر میں اتر کر ان کے چہرے ڈھک دیئے اور پٹکے وغیرہ ٹول لئے پھر کئی آدمی ایک بڑی سی چادر قبر کے منہ پر تان کر کھڑے ہو گئے اور سب مٹی دینے لگے تختے بنگے کچھ نہیں رکھے گئے اسی طرح مٹی سے توپ دیا اس کے بعد مولانا صاحب اور سب نے مل کر بہت دیر تک ان سب کے لئے دعائے مغفرت کی، جو لوگ شریک دفن تھے، محبت سے روتے جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ لوگ تو جس مراد کو آئے تھے، اس مراد کو پہنچے ہم لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی شہادت نصیب کرے۔

تھوڑی دیر کے بعد مغرب کی اذان ہوئی سب نے بید صاحب کے پیچھے نماز پڑھی
 نماز کے بعد آپ نے بہت دیر تک سر پر ہنہ ہو کر ان شہیدوں کی مغفرت کے واسطے دعا
 کی کہ پروردگار تو خوب جانتا ہے کہ یہ تمام لوگ محض تیری خوشنودی اور رضا کے لئے اپنا گھربا
 اور مال و متاع چھوڑ کر یہاں آئے تھے اور صرف تیری ہی راہ میں انھوں نے اپنی جانیں
 صرف کیں ان کے گناہوں کو اپنے دامن رحمت میں چھپالے اور فردوس بریں میں ان کو
 جگہ دے اور ان سے راضی ہو! اور جو ہم چند ضعفا را اور غربا تیرے عاجز بندے باقی
 ہیں، ان کو بھی اپنی رضا مندی اور خوشنودی کی راہ میں جان و مال کے ساتھ قبول فرما، خطرات
 و سوس دُور کر اور دلوں کو اپنے اخلاص و محبت سے معمور کر اور اپنے دین محمدی کو قوت اور
 ترقی عطا کر اور جو لوگ اس دین متین کے دشمن و بدخواہ ہوں ان کو ذلیل و رسوا کر اور جو
 مسلمان فریب نفس و شیطان سے شریعت کی راہ سے بہک کر بادیہ ضلالت میں پڑے ہیں،
 ان کو ہدایت کر کہ یکے مسلمان ہو کر تیرے اس کار خیر میں جان و مال اور اہل و عیال کے ساتھ
 شریک ہوں!

دعا کے بعد کسی نے کہا کہ حضرت آج کی لڑائی میں چالیس غازیوں کے قریب شہید
 ہوئے اور زخمی کبھی بہت ہوئے اور اچھے اچھے لوگ کام آئے مگر شہیدوں اور زخمیوں میں
 جو خیال کیا تو پھلت والے بھائیوں میں سے سوائے شیخ عبدالحکیم صاحب کے کوئی شہید
 نہیں ہوا، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ہمارے پھلت والے بھائیوں کو نظر نہ لگاؤ انشاء اللہ تعالیٰ
 ان کا گنج شہیداں کہیں اکٹھا ہوگا!

۱۔ جنگ بالا کوٹ میں ایسا ہی ہوا کہ سوائے شیخ ولی محمد اور شیخ وزیر صاحب کے سب شہید ہو گئے۔

پشاور کی فتح

مایار کی جنگ سے فراغت کے بعد سید صاحب نے پشاور کا ارادہ ظاہر فرمایا جو کابل اور لاہور کے درمیان سب سے بڑا شہر تھا، سلطان محمد خاں کے حق میں جو مجاہدین کے مقابلہ پر شکر جبار نے کر آیا تھا، اور پوری طاقت کے ساتھ ان سے جنگ کر چکا تھا، اور ان کے ساتھ کسی قسم کی نرمی اور رعایت روانہ رکھی تھی، اور کسی کی ناموس کا پاس نہ کیا تھا اب حجت تمام ہو چکی تھی، اور اس نے پشاور کی فتح کے لئے راستہ کھول دیا تھا۔

آپ نے موضع تور دے موضع مردان کی طرف لشکر کے ساتھ کوچ کیا، آپ گھوڑے پر سوار پیادوں کی جماعت میں تھے، سواروں کا لشکر آگے پیچھے تھا، دو جھنڈے پیادوں میں تھے، اور ایک سواروں میں، اور تینوں کے جھنڈے فضا میں لہرا رہے تھے، مولوی حرم علی، مولوی خرم علی صاحب کا لکھا ہوا رسالہ نظم جہادیہ باواز بلند خوش امانی کے ساتھ پڑھتے جاتے تھے، جس کی وجہ سے لوگوں پر ایک خاص کیف طاری تھا۔

سید صاحب نے مردان میں دو راتیں گزاریں پھر پشاور کی طرف روانہ ہوئے رات کے بعض دیہاتوں میں لوگوں نے درانیوں کے ظلم و ستم کی آپ سے شکایت کی وہاں سے پشاور پندرہ سولہ میل تھا، لیکن دریا پر کوئی کشتی نہ مل سکی درانیوں نے دریا عبور کر کے کشتیوں کو ڈبو دیا تاکہ غازیوں کے ہاتھ نہ لگیں، پھر حال دریا سے سوات کو جو ایک طرف سے پایاب تھا، عبور کیا، اور مٹھ میں قیام ہوا، وہاں کے لوگ لشکر کی آمد سے بہت خوش ہوئے

اور کہتے تھے، سبحان الشریعہ عجیب شکر ہے کہ باوجود اس کے کہ چھ سات ہزار پیادہ و سوار سے
 پڑاؤ ڈالا ہے، لیکن کسی پر کوئی ظلم و تعدی نہیں ہے، اس کے برخلاف وراثیوں کے دو
 پیادے آجاتے تھے، تو ہم لوگ گھر چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ لیتے تھے، غرض شکر اسلام جس
 موضع سے گزرتا لوگ اس کو دل سے خوش آمدید کہتے، عورت مرد... اکثر راستہ کے دونوں
 طرف کھڑے ہو کر سید صاحب کو سلام کرتے اور برکت حاصل کرتے۔

دو تین روز اس نواح میں قیام ہوا، اس علاقہ کے ارباب صل و عقد آپ کی
 خدمت میں حاضر ہوئے اور پشاور کا انتظام سنبھال لینے کی درخواست کی آپ نے
 ان سے پوچھا کہ تمہارے یہاں کس طرح انتظام ہوتا ہے، انہوں نے کہا کہ سردارانِ پشاو
 کی طرف سے خراج محاصل کا یہ اصول ہے کہ رعایا کی کھیتی کا غلہ نصف وصول کر لیتے ہیں،
 اور مٹی اور غلہ تولنے والوں کا بھی رعایا کے ذمہ ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رعایا کے
 حصہ میں پیداوار کا صرف تہائی حصہ آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ رعایا پیداوار کا تہائی حصہ
 نقد کی صورت میں ہم کو ادا کرے باقی سارے انتظامات کا خرچ امام کے ذمہ ہے نہ کہ
 رعایا کے، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمارے انتظام میں کسی سے مزدوری یا نوکری پر کام لیا
 جائے گا تو اس کی اجرت دی جائے گی البتہ اگر کوئی سوار یا پیادہ تحصیل وصول کے لئے
 دیہات کے خوانین کے پاس جائے تو ان کو چاہئے کہ اس کو اپنا بھائی سمجھ کر اس کی دعوت
 کریں، اور اس کو چاہئے کہ وہ کسی چیز کی فرمائش نہ کرے اگر خوانین سے وہ کسی چیز کی
 فرمائش کرے تو ہمارے یہاں اس کی باز پرس ہوگی۔

جب لشکر پشاور کے قریب ہوا تو سید صاحب کو اطلاع ملی کہ سلطان محمد خان نے
 اپنے متعلقین کو کوہاٹ بھیج دیا ہے، اور خود اپنے لشکر کے ساتھ کسی دیہات میں پڑے

ہوئے ہیں، فیض الشراخ سلطان محمد خاں کی طرف سے وکیل ہو کر آئے اور سلطان محمد خاں کی طرف سے عرض کیا کہ ہم سے بڑا قصور ہوا کہ ہم نے آپ کا مقابلہ کیا، ہم اپنے قصور سے توبہ کرتے ہیں، آپ ہمارا قصور معاف فرمائیں، اور یہاں سے پلٹ جائیں، وہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی کافر بھی آپ کی خدمت میں آ کر ایمان لائے آپ اس کو ضرور مسلمان بنائیں گے میں تو مسلمان اور مسلمان زادہ ہوں اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہوں اب کبھی مجھ سے ایسی تقصیر نہ ہوگی، مدت العمر آپ کا تابع رہوں گا۔

سید صاحب نے یہ سن کر فرمایا کہ خان بھائی ہم کو تمہاری خاطر منظور ہے مگر یہاں سے پلٹ جانے میں یہ بات ہے کہ تمہارے سردار اس کا احسان نہ مانیں گے، یہاں سے انشاء اللہ کل پشاور کو چلیں گے، اگر وہ اپنے عہد و پیمان پر سچے دل سے قائم ہیں، تو ہم ان کو اپنی طرف سے پشاور میں بٹھا کر چلے آئیں گے، اس لئے کہ ہم اس ملک میں صرف اس واسطے آئے ہیں کہ یہاں کے سب بھائی مسلمانوں کو متفق کر کے کافروں پر جہاد کریں کہ اسلام کی ترقی اور کفار مغلوب ہوں، سید صاحب نے سردار فتح خاں اور ارباب بہرام خاں کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنے لوگوں کو یہ خبر ہو چکا دو کہ آج پشاور کو چلنا ہو گا خبردار کوئی بھائی رعایا پر دست اندازی نہ کرے اس لئے کہ سلطان محمد خاں کی طرف سے صلح کا پیغام ہے، پھر آپ نے ارباب بہرام خاں سے فرمایا کہ تم اپنے کسی معتبر آدمی کو پشاور بھیج دو کہ جا کر بازار میں پکار دے کہ آج سید صاحب کا لشکر یہاں آئے گا سب دکاندار اپنی اپنی دکان کے دروازے بند کر لیں کہ کسی کا کچھ مال و اسباب جاتا نہ ہے۔

اس کے بعد آپ نے لشکر کی روانگی کا اعلان کیا، مجاہدین نے اپنی تیاریاں مکمل کر لیں، کچھ دیر میں عصر کی اذان ہوئی وہیں سب نے نماز پڑھی، سید صاحب نے ننگے سر ہو کر

دعا کی اور وہاں سے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے، سواروں کا دستہ آپ کے پیچھے تھا، اوڈ پیادوں کی صف آگے تھی، مغرب کی جانب کا بی دروازہ سے بازار میں ہو کر شہر میں داخل ہوئے بازار کی دکانیں تو بند تھیں، مگر جابجا سیلیں پانی شربت کی رکھی تھیں، جابجا چراغ دکانوں کے چوتروں اور دکانوں کی چھتوں پر روشن تھے، اور تمام لوگ سید صاحب اور غازیوں کے لئے دعائے خیر کر رہے تھے، سید صاحب کا گول گٹھری میں جو ایک وسیع پختہ سرائے تھی، قیام ہوا، لشکر سرائے کے باہر ٹھہرا، پہرہ کا انتظام کیا گیا اور لشکر چاق و چوبند اور ہر خطرہ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا، راستوں اور محلوں درگزر گاہوں پر بھی نگران و محافظ تعینات کر دیئے گئے۔

صبح سید صاحب نے جو ملی میں نماز پڑھی اور دعا کی، دعا کے بعد آپ نے ارباب بہرام خاں سے کہلا بھیجا کہ بازار کے دکانداروں کو حکم بھجوادیں کہ سب دکاندار اطمینان سے دکانیں کھولیں، کوئی کسی پر ظلم نہ کرے گا، چنانچہ دکانداروں نے دکانیں کھول لیں، زنان بازار میں جن کی پشاور میں بڑی تعداد تھی، روپوش ہو گئیں اگر کسی مرد نے ان کے یہاں جانا چاہا تو انھوں نے پکار کر کہا خبردار یہاں نہ آنا ورنہ نہ تمہاری خیر ہوگی نہ ہماری، اسی طرح سے بھنگ اور شراب کی دکانیں بند ہو گئیں اور بیٹے والے غائب ہو گئے، سید صاحب نے اس بات کی سخت ہدایت کی کہ لشکر کا کوئی آدمی پشاور کے باغات کا ایک پھل بھی نہ توڑے۔

دو روز متواتر اہل لشکر بھوکے رہے، اور بلا کچھ کھائے پئے رات گزاری، شہر میں اناج کے ذخیرے اور دکانیں تھیں، لیکن کسی لشکر میں نے ان پر دست درازی کی کوشش نہ کی، آخر میں ارباب بہرام خاں نے شہر کے مہاجنوں سے قرض لے کر ان

دکانوں سے آٹا خرید اتنور والوں کے یہاں روٹیاں پکوا کر ان کو اجرت دی اور تیسرے روز شکر والوں کو کھانا ملا، راستہ میں اہل شکر ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ آج پشاور چل کر انگور، انار، سیب، ناشپاتی وغیرہ خوب کھائیں گے، اور باسے کے چاول اور دنبوں کا گوشت پکائیں گے، جس وقت لوگ روٹی کھا رہے تھے، آپس میں کہہ رہے تھے کہ یہ جو تیسرے روز روٹی ملی یہ ہماری اسی خام خیالی کی سزا ہے۔

درانی شکر کا ایک حصہ مجاہدین کے داخلہ پشاور سے پہلے اس تاک میں تھا کہ پشاور کے راستہ میں کہیں حملہ کرے، لیکن اس کو موقع نہیں مل سکا، اور شکر بخیر و عافیت پشاور میں داخل ہو گیا، اس سے سلطان محمد خاں کے شکر والوں کے دل ٹوٹ گئے، اور ادھر ادھر جتنے سوار و پیادے تھے، وہ جیلے بہانے کر کے اپنی اپنی بستی کو چلنے لگے، اب اس کو جنگ کی کوئی صورت نظر نہ آئی اور اس نے بدحواس ہو کر ارباب فیض اللہ خاں کے ذریعہ سید صاحب کو یہ پیغام بھجوایا کہ آپ ہمارے دین و دنیا کے مقتدا اور امام ہیں، اور ہم آپ کے ہر طرح مطیع و فرماں بردار ہیں۔

ہم سے بڑا قصور ہوا کہ اپنی شامت اعمال سے ہم نے آپ کے اوپر شکر کشی کی، ہم اپنی سزا کو پہنچے، اب ہم آپ کے اخلاق کریمانہ سے امیدوار ہیں کہ آپ ہمارا قصور معاف کر دیں، اب ہم تمام شرارتوں سے توبہ کرتے ہیں، انشاء اللہ پھر ہم سے کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی۔

ان کی یہ تمام تقریریں کر سید صاحب نے فرمایا کہ "خان بھائی تم ان کے بیچ میں نہ پڑو وہ بڑے لسان اور اپنی غرض کے یار ہیں، ان کے عہد و پیمان کا کچھ ٹھکانا نہیں، اپنے مطلب کے لئے ایسے لوگ ہر طرح تابع دار بن جاتے ہیں، اور جب مطلب نکل جاتا ہے

تو یہ لوگ کسی کے آشنا نہیں ہوتے، نہ دنیا کی شرم رکھتے ہیں، نہ خدا و رسول کا خوف ہم نے ان کو اس لڑائی سے پہلے بھی جب وہ یہاں سے شکرے کر گئے تھے، کئی بار آدمی بھیج کر سمجھانے کا حق ادا کر دیا مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور ناحق ہمارا مقابلہ کیا اور ہمارے بہت سے غازیوں کو شہید کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ہم عزیزا و ضعفا کو ان پر فتیاب کیا اور وہ شکست کھا کر بھاگے، ہم نے یہاں تک ان کا پیچھا کیا، اب انھوں نے خیال کیا کہ اب ہمارا ٹھکانا نہیں ہے، تب تم کو درمیان میں ڈال کر یہ چال چلی۔

اس سے پیشتر شیدو کی لڑائی میں ہم سے بدھ سنگھ کا مقابلہ تھا، وہاں یہ چاروں بھائی اپنی اپنی جماعت کے ساتھ ہماری کمک کو آئے تھے، انھوں نے اپنی دعا بازی سے ہماری لڑائی بگاڑ دی ہم لوگوں کو سکھوں سے بھرا کر آپ بھاگ کھڑے ہوئے اور صد ہا مسلمان شہید کروائے، تب بھی انھوں نے ہمارے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم جان و مال سے تمہارے شریک ہیں، پھر اس عہد کو کیسے وفا کیا، تم سب جانتے ہو، اب از سر نو عہد کرنے کو کہتے ہیں، تو اپنے دل میں ایسا ہی سمجھ لیا ہو گا کہ اپنی غرض نکل جائے پھر جیسا ہو گا دیکھا جائے گا، خان بھائی ہم نے تم سے جو باتیں بیان کی ہیں، اچھی طرح سے بے کم و کاست ان کے آگے کہنا اور خان بھائی تم خوب جانتے ہو کہ ہم لوگ ہندوستان سے اس ملک میں آئے ہیں، تو صرف اس نیت سے کہ مسلمان غالب ہوں اور اسلام کی ترقی ہو، نہ ہم کو پشاور لینے سے غرض ہے نہ کابل لینے سے، اگر ان کے عہد و پیمان کی صداقت ہم پر ثابت ہو جائے، اور منہیات شرعی اور شرکت کفار سے وہ سچی توبہ کریں اور ہم مسلمانوں کے اتفاق میں شامل ہوں تو ہم اب بھی موجود ہیں۔

ارباب فیض اللہ خاں نے عرض کیا کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، حق اور بجا ہے،

اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں، جو کچھ خطا ہے، انھیں کی ہے انشاء اللہ تعالیٰ میر
لفظ بہ لفظ آپ کا فرمانا ان سے عرض کروں گا، میں صاف دل مسلمان ہوں، منافقانہ
گفتگو مجھ کو نہیں آتی ان کا تو میں نمک خوار ہوں، اور آپ کا خادم فرمانبردار، دونوں کی
خیر خواہی مجھ کو منظور ہے۔

تیسرے پوتھے روز وہ پھر آئے اور کہا کہ میں نے آپ کی اس روز کی تقریر
لفظ بہ لفظ سلطان محمد خاں سے نقل کی وہ سن کر بہت نادم و پشیمان ہوئے اور کہا کہ
سید بادشاہ نے جو کچھ فرمایا اس میں سب موافقت نہیں، مگر اب ہم خالص دل سے
عہد و پیمان کرتے ہیں کہ انشاء اللہ ہم سے بغاوت و نافرمانی کا کوئی کام ظہور میں نہ آئیگا
باغیوں اور کافروں کی رفاقت اور شرکت سے ہم نے توبہ کی خدا اور رسول کا جو حکم ہے،
وہ ہمارے سر آنکھوں پر اس وقت جس جگہ جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے سید بادشاہ
ہم کو یاد کریں گے، اسی وقت اور اسی جگہ ہم بلا عذر اپنی جان و مال اور فوج لشکر سے
حاضر ہوں گے، اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ سید بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت
امامت کی تجدید کریں، اور تمام منہیات شرعیہ سے بالمشافہ تائب ہوں اور جو کچھ
سید بادشاہ کا ملک سمہ سے یہاں تک تشریف لانے میں خرچ ہوا ہے، وہ تو ہم کو
معلوم نہیں کس قدر ہوگا، مگر چالیس ہزار روپیہ ہم نذر کریں گے بیس ہزار تو اس وقت
جب سید بادشاہ اپنے ہاتھ سے ہم کو بٹھا کر کوچ کریں گے، اور دس ہزار روپے جب
سید بادشاہ ہشت نگر پہنچیں گے، وہیں بالاحصار سے ملیں گے، اور دس ہزار روپے
جب پنجتار پہنچیں گے، آپ نے فرمایا کہ خان بھائی ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ وہ مسلمان
کے اتفاق میں شریک ہوں اور کفار کا مقابلہ کریں ہم نہ کسی کی ریاست چھیننے کو آئے ہیں

نہ کسی کا ملک لینے کو، یہ تو اس دنیا دار شخص کا کام ہے، جو ملک گیری کا ارادہ رکھتا ہو، ہم صرف جہاد فی سبیل اللہ کی نیت رکھتے ہیں کہ کفار کو زیر کریں کہ اسلام کی ترقی ہو، اگر وہ بچے دل سے اس اقرار پر مستعد ہیں تو ہم بھی اس بات سے انشاء اللہ تعالیٰ باہر نہ ہوں گے۔

رفتہ رفتہ یہ خبر تمام پشاور میں پھیلی جو ہندو اور مسلمان وہاں کے تھے، سب کو تشویش ہوئی اور ان میں کچھ سربراہ اور وہ آدمی مولانا اسماعیل صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے شہر میں عام طور سے مشہور ہے کہ سید بادشاہ نے پشاور درانیوں کے سپرد کرنے کا ارادہ فرمایا ہے، ہم کو بڑی خوشی تھی کہ سید بادشاہ یہاں کے حاکم ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان ظالموں کے ہاتھ سے نجات دی، اب چین سے رہیں گے، لیکن اس خبر سے نیا کھٹکا پیدا ہوا کہ پھر ہم لوگ انھیں کے جنگل میں گرفتار ہوں گے، اور اب پہلے کی بہ نسبت ہم لوگوں کو زیادہ تائیں گے، ہم لوگ ان سے خوب واقف ہیں، ان کی اطاعت و فرمانبرداری میں ایک عمر بسر ہوئی اس ملاپ کے پردہ میں محض فریب ہے، ہمارا مدعا یہ ہے کہ آپ ہم لوگوں کو سید بادشاہ کے پاس لے چلیں۔ ان کی یہ تقریر سن کر مولانا نے فرمایا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ ایسے ہی ہیں، مگر اس امر میں ہم سید صاحب سے کچھ عرض نہیں کر سکتے، تم کو جو کچھ کہنا ہو، اور باب بہرام خان سے جا کر کہو، وہ تم کو سید صاحب کے پاس لے جائیں گے، اور تمہاری طرف سے گفتگو بھی خاطر خواہ کریں گے، اس لئے کہ وہ بھی تمہارے ملک کے ہیں، اور تمہارے اور درانیوں کے حالات سے خوب واقف ہیں۔

انھوں نے یہ تجویز پسند کی اور ارباب بہرام خاں کے پاس گئے، خان موصوف

نے ان کی تسلی تشفی کی اور کہا تم جا کر اپنا کاروبار کرو شام کو ہمارے پاس آنا اس وقت تم کو حضرت کے پاس لے چلیں گے اور تمہاری طرف سے وکالت کریں گے۔

کچھ دیر کے بعد شکر کے خاص قندھاری اور سمہ کے بڑے بڑے خوانین ارباب بہرام خاں کے پاس آئے اور اپنی تشویش اور خطرہ کا اظہار کیا، اور درانیوں کے ظلم اور ان کی زیادتیاں بیان کیں، اور خواہش کی کہ یہ ساری گفتگو سید صاحب کے گوش گزار کر دی جائے، ارباب بہرام خاں نے ان کو اطمینان دلایا کہ وہ سید صاحب کی خدمت میں ان کی پوری ترجمانی اور نمائندگی کریں گے۔

عشا کی نماز کے بعد ارباب بہرام خاں اپنے بھائی ارباب جمعہ خاں کے ساتھ سید صاحب کی خدمت میں گئے، اور کہا کہ حضرت کچھ بات آپ سے تنہائی میں عرض کرنی ہے، یہ سن کر وہ آدمی جو وہاں تھے، اٹھ کر چلے گئے، ارباب بہرام خاں نے اہل شہر کے نمائندوں کی گفتگو نقل کی اور ان کی تشویش کا اظہار کیا اور کہا اہل شہر کہتے ہیں کہ جب درانی از سر نو اس شہر پر قابض اور متصرف ہوں گے تو ہم پر اور بھی ہاتھ صاف کریں گے، اس واسطے کہ سید بادشاہ کے یہاں تشریف لانے پر جو ہم لوگوں نے خوشیاں منائی تھیں، ان کو اس کی ذرا ذرا خبر پہنچی وہ آپ کے چلے جانے کے بعد ہم پر غصہ اتاریں گے اور ہماری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے شہر والے کوئی اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ سید بادشاہ پشاور ان کے ہوالہ کر کے یہاں سے تشریف لے جائیں، اگر سید بادشاہ کو اپنے لشکر کے خرچ اور یہاں کے بند و بست کے لئے دو چار لاکھ روپے کی بھی ضرورت ہو تو ہم اس کی بھی سبیل کر دیں گے اور اس کے سوا جو کچھ بھی وہ فرمائیں گے، ہم کو عذر نہ ہوگا۔

اہل شہر کے علاوہ فتح خاں پنجتاری اور اسمعیل خاں کو چھوڑ کر سب کے سب
 خوانین اور لشکر کے فلاں فلاں قندھاری بھی میرے پاس آئے اور انھوں نے درانیوں
 کی بیوفائی اور بد عہدی اور اپنی تباہی خانہ ویرانی اور بے عزتی کا حال بیان کیا
 اور کہا کہ ہم ہرگز اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ سید بادشاہ ان سے مصالحت کریں
 اور پشاور ان کو دیں ان سب نے مجھ سے کہا کہ تم ہماری طرف سے وکالتا تمام باتیں
 سید بادشاہ کے گوش گزار کر دو میں نے ان سے اقرار کیا کہ میں تمہاری طرف سے
 عرض کر دوں گا۔

ان سب کا خیال کر کے میری ناقص رائے میں یوں آتا ہے کہ اگر آپ کو
 پشاور دینا ہی منظور ہے تو آپ مجھی کو سرفراز فرادیں میں بھی آپ کا ایک ادنیٰ
 خادم ہوں اور یہیں کا باشندہ ہوں اور یہاں کے راہ و رسم سے خوب واقف ہوں
 تمام رعایا مجھ سے راضی بھی ہے، اگر آپ یہ ریاست مجھے سپرد کر کے یہاں سے
 تشریف لے جائیں گے تو میں درانیوں سے سمجھ لوں گا، اب جو کچھ آپ ارشاد کریں
 میں ان کو وہی جواب دوں۔

ارباب بہرام خاں کی پوری گفتگو سن کر سید صاحب نے سکوت کے بعد فرمایا
 جزا اللہ، خان بھائی تم نے خوب کیا کہ جو سب لوگوں کے حال کی مجھ کو اطلاع
 کی اور جو ہمارے لشکر کے بھائی اور شہر کے لوگ درانیوں کی غداری اور حیلہ سازی بیان
 کرتے ہیں، وہ سچ ہے، بلکہ میرے پروردگار نے مجھ پر جو ان کا حال منکشف کیا ہے، اگر وہ
 بھائی لوگ جان لیں تو خدا جانے کیا کریں، مگر تم سب خوب جانتے ہو کہ ہم لوگ ہندوستان
 سے گھر بار چھوڑ کر اور عزیزوں و آشناؤں سے منہ موڑ کر صرف اس لئے آئے ہیں کہ وہ

کام کریں جس میں پروردگار کی رضامندی و خوشنودی ہو مخلوق کی خوشی و ناخوشی سے ہم کو کچھ غرض نہیں، خوش ہوں گے تو کیا بنائیں گے اور ناخوش ہوں گے تو کیا بگاڑیں گے؟ نادان سمجھتے ہیں کہ یہ ملک گیری اور دنیا طلبی کے لئے آئے ہیں، یہ ان کا خیال خام ہے، ابھی وہ دین اسلام سے واقف نہیں ہیں۔

اور جو ستمہ کے خواتین بھائی ان کے ظلم و تعدی کا شکوہ اور اپنی بے عزتی اور خانہ ویرانی کا قصہ بیان کرتے ہیں، یہ سب سچ ہے، اس بات کو یوں سمجھیں کہ ہمیشہ سے کافر و باغی اور منافق مسلمانوں پر طرح طرح کی تعدی اور مکاری کرتے رہے ہیں مگر جس وقت اللہ کی رضامندی کا کام، مقابلہ میں آجاتا ہے، اس وقت سب بغض و عداوت کو اپنے دل سے دور کرتے ہیں، اور زبان پر نہیں لاتے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جس میں پروردگار کی رضامندی اور اس کے فرمان کی تعمیل ہو، اگرچہ نفس اور ابنا زمانہ کے مخالف ہو، مسلمان اور دینداری و خدا پرستی اسی کا نام ہے، نہیں تو نفس پروری اور دنیا داری ہے۔

اور جو اپنے قندھاری بھائی شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے اتنے بھائی انھوں نے شہید کئے تو یہ بات شکر کے لائق ہے، نہ کہ شکایت کے۔ اس لئے کہ وہ سب بھائی اپنی دلی مراد کو پہنچے وہ اسی مطلب کے حصول کے لئے یہ تمام تکالیف و مصائب اٹھا کر اتنی دور دراز کی مسافت سے جہاد فی سبیل اللہ کو آئے تھے کہ اپنے پروردگار کی رضامندی کی راہ میں اپنی جانیں صرف کریں، سو وہی انھوں نے کیا اور یہ جہاد کا کاروبار صرف پروردگار کی رضامندی کا ہے، نفسانیت اور جنبہ داری کا نہیں ہے، جیسے دنیا دار اور جاہ طلب لوگ کرتے ہیں۔

اور جو شہر والے اس بات کا خوف کرتے ہیں کہ ہم نے جو سید صاحب کے آنے سے

خوشیاں کی ہیں، اس لئے وہ ہم کو تباہ کر دیں گے یہ ان کی نا فہمی اور نادانی ہے، یہ نہیں جانتے کہ اگر وہ رعایا کو تباہ و خراب کریں گے تو حاکم رئیس کس کے کہلائیں گے، رعایا تو بے بس اور عاجز ہوتی ہے، جو کوئی اس پر غالب آجاتا ہے اس کی وہ تابع اور فرماں بردار ہو جاتی ہے، اور جو تباہ دار نہ ہو تو کہاں رہے، رعایا کو کوئی خراب نہیں کرتا، اس کا حاکم نہ کوئی غنیم، بلکہ دونوں اس سبب سے آرام پاتے ہیں، اور سردار کہلاتے ہیں، رعایا میوہ دار باغ کی طرح ہے کہ مالک اور غیر مالک سب اس کے میوے سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، کوئی میوہ دار درخت کو تباہ نہیں کرتا، اور جو باغ ہی کاٹ ڈالے گا تو باغ والا کیوں کر کہلائے گا اور فائدہ کیا پائے گا؟ سو خان بھائی تم ان کی تسلی کر کے سمجھا دینا کہ انشا اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تباہ و خراب نہ کرے گا۔

اور جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو شہر کے انتظام اور لشکر کے خرچ کے لئے ہم دو چار لاکھ روپے کا بندوبست کر دیں، مگر یہاں کی حکومت درانیوں کو نہ دیں، سو یہ بات ہم کو منظور نہیں، اس لئے کہ ہم کو اپنے پروردگار کی رضامندی چاہئے جس میں وہ راضی ہوگا وہ ہم کریں گے، اس میں چاہئے تمام جہان ناخوش ہو کچھ پروا نہیں، اگر ایک جگہ ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت پروردگار کی رضامندی کے خلاف ملتی ہو تو اس دولت اور سلطنت کی کچھ حقیقت نہیں، اور ایک جگہ پروردگار کی رضامندی کے موافق ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت جاتی ہو تو اس کی رضامندی سب کچھ ہے۔

خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ سلطان محمد خاں اپنی خطا و قصور سے نا دم و تائب ہوا ہے، اور شریعت کے تمام احکام کو اس نے قبول کیا ہے، اور کہتا ہے کہ اب دوبارہ بغاوت و شرارت اور خدا و رسول کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہیں کروں گا، میری خطا

لئے معاف کرو، اگر یہ کلام نفاق اور دغا بازی سے کرتا ہے، تو وہ جانے اس کا خدا جانے،
 شریعت کا حکم تو اقرار ظاہری پر ہے، کسی کے دل کے حال پر نہیں، دل کا حال خدا کو معلوم ہے
 ہم تو اس کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے، جو ظاہر شریعت کا حکم ہے چاہے کوئی راضی ہو، چاہے
 ناراض ہو، اب جو ہم اس کا عذر نہ مانیں تو اس پر ہمارے پاس کوئی دلیل اور حجت ہے؟ اگر
 کوئی عالم دنیا دار خدا پرست کسی دلیل شرعی سے ہم کو سمجھا دے کہ تم خطا پر ہو تو ہم منظور کر لیں گے،
 اس کے بغیر ہرگز نہ مانیں گے، کیونکہ ہم تو خدا و رسول کے تابع ہیں، اور کسی کے تابع نہیں ہیں۔

جس وقت سید صاحب یہ تقریر فرما رہے تھے، اس وقت رحمت الہی کا عجیب و
 ہو رہا تھا، روتے روتے ارباب بہرام خاں اور ارباب جمہ خاں کے ہچکیاں لگ گئی تھیں، او
 وہ عالم سکوت میں بیہوش اور خود فراموش تھے، جب آپ خاموش ہوئے اتنا ارباب بہرام خاں
 نے عرض کی جو کچھ آپ نے فرمایا، حق اور بجا ہے، خدا و رسول کی رضا مندی کے کاموں سے
 آپ ہی واقف ہیں، ہم دنیا داروں اور نفس پرستوں کو کیا خبر ہے؟ ہم نے اس وقت
 جانا کہ دین اسلام اس کو کہتے ہیں، اور خدا و رسول کی اطاعت اس کا نام ہے، اور جو خیال
 اس کے خلاف میرے دل میں تھا، اب میں اس سے آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں اور از سر نو
 آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، آپ میرے لئے دعا کریں۔

صبح ارباب بہرام خاں نے سمتہ کے سرداروں اور قندھاریوں کے سامنے سید صاحب
 کی رات کی تقریر دہرائی، وہ بھی سب مطمئن اور خاموش ہو گئے، لیکن شہر والوں کو اطمینان
 نہیں ہوا اور انہوں نے کہا کہ سید بادشاہ تو ولی شخص اور اللہ والے لوگ ہیں انہوں نے
 جو کچھ فرمایا بجا فرمایا ہماری تو صرف یہ غرض تھی کہ اگر سید بادشاہ یہاں کے حاکم ہوتے
 تو ہم رعایا لوگ آرام اور چین سے گزران کرتے اور درانیوں کے جو روجھا سے نجات پاتے، مگر

سید بادشاہ اپنے کاروبار کے مختار ہیں، جو کچھ اپنے نزدیک بہتر جانیں وہ کریں اس میں ہم ناچار ہیں۔
شہر کے سیٹھوں نے جو دیکھا کہ ارباب بہرام خاں کے ذریعہ مطلب برآری نہیں ہوئی
تو انہوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے ایک سیٹھ کو سید صاحب کے پاس بھیجا جس کا نام
بدھ رام تھا، اس نے کچھ میوہ کئی ٹوکروں میں اور زر نقد نذر کیا اور عرض کی کچھ تنہائی میں
آپ سے عرض کرنا ہے اس وقت جو لوگ وہاں حاضر تھے، پرہ والوں کے سوا آپ نے
سب کو رخصت کر دیا اور سیٹھ صاحب سے پوچھا کیا کہتے ہو؟

اس نے عرض کی کہ شہر میں مشہور ہے کہ سید بادشاہ سلطان محمد خاں کو یہاں کی ریاست
و حکومت پھر دیتے ہیں، یہ خبر سن کر یہاں کے سیٹھوں کو بڑا تردد اور اندیشہ ہوا کہ ہم تو یہاں
سید بادشاہ کے تشریف لانے سے بہت خوش ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے منصف
خدا ترس اور غریب پرور حاکم کو یہاں بھیجا، اب ہم لوگ آرام چین سے گزاران کریں گے، لیکن
اب یہ مشہور ہو رہا ہے کہ آپ حکومت پھر انہیں کے حوالہ کر رہے ہیں، اس وجہ سے سب سیٹھوں
نے اپنی طرف سے مجھے مختار کر کے بھیجا ہے کہ جس صورت سے سید بادشاہ راضی ہوں اس صورت
سے راضی کرو اور یہاں سے جانے نہ دو۔

سو خدمت شریف میں میری عرض یہ ہے کہ آپ کس لئے یہ ملک سلطان محمد خاں کو
دیتے ہیں، اگر یہ سبب ہے کہ آپ کے پاس فوج و لشکر کم ہے، اور اس کے لئے لشکر بہت چاہئے
اور اس کے انتظام کو خزانہ بھی بہت چاہئے تو آپ اس کا اندیشہ نہ کریں آپ کے فرمانے کی
دیر ہے میں آپ ہی کے پاس حاضر ہوں جس قدر روپیہ آپ فرماویں دو گھڑی کے عرصہ میں
اسی جگہ روپوں کا ڈھیر لگا دوں اور ادھر آپ نوکر رکھنا شروع کر دیں جس قدر ضرورت ہو
نوکر رکھ لیں اور اس کے سوا اور سبب ہو تو اس بات کو آپ جانیں۔

سید صاحب نے اس کی باتیں سن کر اس کو بہت شاباش دی اور فرمایا کہ تم بڑے لائق اور خیر خواہ شخص ہو جو کام تمہارے لائق تھا، اس میں تم نے کچھ کوتاہی نہیں کی ہم اس امر میں تم سے بہت خوش ہیں۔ اور فرمایا سیٹھ جی تم یہ بات بہت اچھی کہتے ہو جو حاکم ملک گیری کا ارادہ رکھتے ہیں ان کے کام کی ہے، لیکن ہم ان حاکموں میں نہیں ہیں ہم اپنے مالک کے فرمانبردار ہیں، جو کچھ کام ہم لوگ کرتے ہیں، اسی کی مرضی کے موافق کرتے ہیں، لوگوں کے روبرو اس میں کچھ نقصان نظر آتا ہو یا فائدہ اس سے کچھ غرض نہیں، ہمارے مالک کا حکم ہے کہ کوئی کیسا ہی قصور وار ہو، جب وہ اپنے قصور سے توبہ کرے اور اپنی خطا کا عذر کرے تو اس کی خطا معاف کرنی چاہئے اور اس کا عذر قبول کرنا لازم ہے، اگر اس نے توبہ دغا بازی سے کی ہو تو اس بات سے ہم کو کچھ کام نہیں وہ جانے اس کا خدا جانے اس کا مال و ملک زبردستی لینا درست نہیں، ہمارے در سلطان محمد خاں کے درمیان اسی طور کا معاملہ ہے، اور تم جو لشکر اور خزانہ کا ذکر کرتے ہو تو ہمیں اس کا کچھ اندیشہ نہیں، چاہے ہو یا نہ ہو، کیونکہ ہمارے مالک کے یہاں سب کچھ ہے کسی چیز کی کمی نہیں، اگر وہ اپنا کام ہم سے لے گا تو بہتر سے بہتر فوج و لشکر اور مال و خزانہ بغیر مانگے عنایت کرے گا۔

اور جو تم لوگوں کو یہ خوف ہے کہ وہ ہم کو تباہ و برباد کر دیں گے تو یہ تمہارا وہم ہے، اس بات کا تم کچھ اندیشہ نہ کرو، کسی ریاست میں حاکموں کا یہ دستور نہیں کہ سیٹھوں، ساہوکاروں کو تباہ کریں کیونکہ ان کے سبب سے ان کے ملک و شہر کی آبادی ہوتی ہے اور ان کے بڑے بڑے کام سیٹھوں ساہوکاروں سے نکلتے ہیں، اگر وہ سیٹھوں ساہوکاروں کو تباہ و برباد کر دیں تو انھیں کا نقصان ہوگا، اور کوئی سیٹھ ساہوکار ان کی ریاست میں بود و باش اختیار نہ کرے گا۔

سید صاحب کا یہ جواب سن کر بدھرام خاموش ہو گیا، اور کہنے لگا آپ سچے الشروائے

لوگ ہیں، آپ کی باتوں کا کون جواب دے سکتا ہے؟ جو کچھ آپ فرماتے ہیں، سب بجا ہے، اس کے بعد وہ آپ سے رخصت ہو کر اپنے مکان کو چلا گیا۔

لے پشاور سے دستبرداری اور اس کو سلطان محمد خاں جیسے مخالف اور دشمن کے حوالہ کر دینے کا مسئلہ ایک ایسی گتھی ہے جس کے حل کرنے میں اس تحریک جہاد کے تاریخ نویسوں اور اس کے حامیوں اور وکیلوں کو اکثر دشواری پیش آئی ہے، بعض لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یہ فیصلہ شاید عجلت میں کیا گیا اور اس میں شرافت و مروت کا زیادہ لحاظ رکھا گیا، جو سید صاحب کے خمیر میں داخل تھی اور اس معاملہ میں وہ اپنے مودتِ اعلیٰ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے طریقہ کار اور نقش قدم پر نظر آتے ہیں، جن کی سیاست کی بنیاد اصول و اخلاق پر تھی، مناسب رہتا کہ وہ ایسے مسئلہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست کی پیروی کرتے جس کی بنیاد اصول حکومت پر تھی۔ لیکن جن لوگوں کی اس زمانہ کے حالات پر زیادہ گہری نظر ہے ان کی رائے میں سید صاحب نے جس بہترین اور عملی سیاست کا مظاہرہ کیا اس پر حروف گیری آسان نہیں، اس فیصلہ میں وہ تخیل پرست سے زیادہ عملی اور حقیقت پسندانہ نظر آتے ہیں، اگر وہ مخالف صورت اختیار کرتے یعنی پشاور کو اپنے تسلط میں رکھتے یا اپنے کسی مقرب کو اس کا حاکم بنا دیتے، تب بھی نتیجہ کچھ زیادہ مختلف نہ ہوتا، اور یہی بات بالآخر سامنے آتی، مجھ سے بعض ثقہ راویوں نے جو افغانیوں کی قبائلی خصوصیت کا گہرا علم رکھتے تھے، اور اس عہد کے تغیرات و واقعات سے بخوبی آگاہ تھے، اور جنہوں نے ایک طویل زمانہ افغانستان میں گزارا تھا۔ بیان کیا کہ سید صاحب کا مینصوبہ یا فیصلہ درحقیقت بہت دور اندیشی اور دقیقہ رسی پر مبنی تھا، اس لئے کہ پانڈہ خاں کا خاندان جو افغانستان اور سرحد پر قابض تھا، اور جس میں سخت قبائلی عصبیت پائی جاتی ہے، وہ کسی حال میں سلطان محمد خاں کے سوا جو حکمران خاندان میں سب سے بڑے بھائی، رہنما اور طویل عرصہ سے پشاور کے حاکم تھے، کسی اور شخص پر راضی نہ ہوتا، سید صاحب نے اس حقیقت کو تسلیم کیا، اور اخلاص و بے نفسی اور جاہ و اقتدار سے بے غیبتی کے ساتھ عملی سیاست اور اس پیچیدہ اور نازک صورت حال میں وہ بہتر سے بہتر راستہ اختیار کیا جو ممکن ہو سکتا ہے (باقی صفحہ ۲۰۵ پر)

پشاور کی سپردگی

سلطان محمد خاں نے سید صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو لشکر کے اہل الرائے نے یہ رائے دی کہ پہلے مولانا محمد اسماعیل صاحب سردار سے ملاقات کریں دو تین ملاقاتوں میں ان کا رویہ معلوم ہو جائے گا اس کے بعد سید صاحب ملاقات کریں تو مضائقہ نہیں، چنانچہ پہلی بار ہزار خانی کے مقام میں (جو اب باب فیض اللہ خاں کا گاؤں ہے، اور پشاور سے جانب جنوب ایک میل یا اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع ہے) مولانا محمد اسماعیل صاحب چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ ہزار خانی تشریف لائے اور اتنے ہی آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ

(باقی صفحہ ۲۰۳ کا)۔ یوں غیب کا علم صرف اللہ کو ہے اور ایک مجتہد کی رائے میں صحیح اور غلط دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے، میرے نزدیک مشہور مصری مصنف اور محقق عباس محمود العقاد نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے موقف پر روشنی ڈالتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، وہ اس صورت حال پر بھی صادق آتا ہے۔

اپنے ذہن میں صورت حال کے تمام پہلو اور گوشے سامنے رکھ کر اور مختلف انجام اور نتائج فرض کرنے کے بعد جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس رائے کے علاوہ حضرت علی کو اختیار کرنی پڑی کوئی راستہ مامون و مہنوٹانہ تھا، بلکہ شاید اس کی کامیابی کی امید بہت کم اور خطرات کہیں زیادہ تھے۔

دوسری جگہ کہتے ہیں کیا ان کے زمانہ کے یا ان کے بعد کے ناقدین کے دل میں بھی یہ خیال گزرا کہ وہ اپنے دل سے یہ پوچھتے کہ حضرت علیؑ نے اس وقت جو کچھ کیا اس کے علاوہ بھی ان کیلئے کچھ کرنا ممکن تھا؟ (عبقریۃ علی بن ابی طالب)

سرداران پشاور آئے دونوں فریق محتاط تھے، سلطان محمد خاں کے متعلق یہ افواہ تھی کہ اس کی نیت خراب ہے، اور وہ دھوکہ کرنا چاہتا ہے اس لیے ملاقات میں مولانا اسماعیل صاحب کے سامنے توبہ کی اور مولانا نے سید صاحب کے نائب کی حیثیت سے اس سے بیعت لی، دوسری بار بھی اسی جگہ ملاقات ہوئی اور سلطان محمد خاں نے سید صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی جس کو سید صاحب نے منظور کر لیا۔

پشاور میں سید صاحب اور مجاہدین کو تین جمعے پڑھنے کا اتفاق ہوا، مولوی مظہر علی عظیم آبادی نے جہاد کے موضوع پر وعظ کیا وہ لوگوں کو فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں سمجھاتے تھے، ان کے وعظ میں ایسی رقت تھی کہ اکثر آدمی زار زار روتے تھے۔

حافظ عبداللطیف صاحب نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو اس ملک میں فتح کیا ہے، شہر اور جوار شہر کے لئے دینی احتساب اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے فرمایا کہ آپ اور حضرات قندھاری اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شہر کی تمام مساجد کا دورہ کریں اور نماز کی تاکید کریں جس کو تارک الصلاة پائیں، اس کی تادیب اور گوشمالی کی اجازت ہے، اہل فسق و معاصی آپ کے ڈر سے اور احتساب کے خوف سے روپوش ہو جائیں گے۔

حافظ صاحب نے حضرات اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ شہر کا گشت کیا اور نماز اور جماعت کے التزام کی تاکید کی، اور اس کا بہت اچھا اثر پڑا۔

ارباب فیض اللہ خاں سلطان محمد خاں کا پیغام پھر لائے کہ ملاقات کے لئے دن مقرر کر دیا جائے آپ نے اپنے مشیروں کو جمع کر کے فرمایا کہ سردار صاحب نے ملاقات کا دن دریافت کیا ہے، سو کس قدر آدمیوں کے ساتھ اور کس مقام پر اور کب بلائیں؟ ان اہل شوریٰ نے لشکر کے

سب افسروں اور ستمہ کے سب خوانین کو جمع کر کے مشورہ کیا، آخر میں مولانا محمد اسماعیل صاحب کی تجویز پر سب کا اتفاق ہوا کہ ان کو کہلا بھیجا جائے کہ تمام سواروں و پیادوں کے ساتھ تم آؤ اور یوں ہی ادھر سے ہم اپنے تمام لشکر کے ساتھ آتے ہیں، پھر دونوں کو اختیار ہے جتنی جمعیت کے ساتھ چاہیں، وہ آئیں اور جتنی جمعیت کے ساتھ یہ چاہیں جائیں، اس میں نہ ان کو ہماری طرف شبہ ہوگا نہ ہماری طرف سے ان کو اس سے ہر کوئی جانے گا کہ جو کچھ معاملہ ہوگا ہمارے سامنے ہوگا۔ ملاقات کے لئے ہزار خانی کا میدان سلطان محمد خاں کی طرف سے تجویز ہوا، ایک دن پہلے مولانا محمد اسماعیل صاحب ارباب بہرام خاں دو ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ میدان کو دیکھنے تشریف لے گئے اور اچھی طرح گشت کر کے اس کا نشیب و فراز دیکھا، اگلے روز میدان سے تمام لشکر میں کہلا بھیجا کہ سب بھائی اپنے ساز و سامان سے تیار رہیں، کل سویرے ہمارے ساتھ سلطان محمد خاں کی ملاقات کو چلتا ہوگا، خوانین ستمہ کو بھی اطلاع کر دی گئی، ارباب معج خاں کو آپ نے بلا کر بتا کر فرمایا کہ کل سویرے ہم تو سلطان محمد خاں کی ملاقات کو جائیں گے، تم بدستور سابق اپنے لوگوں کے ساتھ خوب ہوشیاری اور خبرداری سے شہر کا بند و بست رکھنا۔ دوسرے روز لشکر کے غازی لوگ کمر باندھ سہتھیار لگا میدان میں جمع ہو کر آپ کا انتظار کرنے لگے کچھ دیر میں آپ وضو کر کے پوشاک پہن کر اور سہتھیار لگا کر ہوٹلی سے باہر نکلے، سرائے کی مسجد میں دو رکعت نفل نماز پڑھی آپ کو دیکھ کر اور بھی بہت صاحبوں نے نفل کا دو گانہ پڑھا، پھر سر برہنہ کھڑے ہو کر بڑے اکاح وزاری کے ساتھ دعا کی تمام حاضرین پر ایک وجد کی سی حالت طاری تھی۔

دعا کے بعد آپ گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے چلے پشاور کے باہر گورستان کے پاس (جہاں انخوند در یوزہ بابا کا مزار ہے) کچھ دور آگے بڑھ کر گورستان کو پشت دے کر

کھڑے ہوئے وہیں تمام لشکر صرف آراہوا، پشاور کے ہزاروں صنیع و شریف تماشا دیکھنے کو آئے تھے، آدمیوں کی کثرت سے میدان میں آدمیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، آپ نے ظہر کی نماز وہیں پڑھی، سلطان محمد خاں اپنی تمام جمعیت کے ساتھ آیا اور موضع ہزار خانی کی طرف پشت کر کے کھڑا ہوا۔

کچھ دیر کے بعد سردار مدوح پندرہ بیس آدمیوں کو ہمراہ لے کر اس طرف سے چلا اور اسی قدر غازیوں کے ساتھ سید صاحب آگے بڑھے سردار موصوف نے پہلے ہی اس جگہ میدان میں زین پوش بچھا رکھا تھا، جب اس کے اور سید صاحب کے درمیان سو سو اسو قدم کا فاصلہ باقی رہا تب آپ نے سب ساتھیوں کو وہیں ٹھیرا دیا، وہ سب وہیں کھڑے رہے، آپ گھوڑے سے اتر کر پیادہ پاصرف مولانا محمد اسماعیل اور ارباب بہرام خاں کو ہمراہ لے کر آگے چلے اس وقت مولانا مدوح کمر میں فقط تلوار لگائے ہوئے تھے، اور ارباب بہرام خاں کی کمر میں تلوار اور ہاتھ ... میں شیر نیچہ تھا، آپ کو دیکھ کر سردار مدوح نے بھی اپنے ساتھیوں کو روک دیا وہ بھی وہیں کھڑے رہے، فقط ارباب فیض الشراخاں اور ایک شخص مراد علی کو اپنے ساتھ لے کر چلا اور سید صاحب سے السلام علیکم کر کے ملا اور مصافحہ کیا، پھر مولانا صاحب اور ارباب بہرام خاں سے مصافحہ کیا سید صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب زین پوش پر بیٹھے اور ارباب بہرام خاں سید صاحب کی پشت پر کھڑے ہوئے اور ادھر ارباب فیض الشراخاں اور مراد علی سلطان محمد خاں کے پیچھے کھڑے ہوئے۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب نے پہلے جب خاں پیٹ اور سلو خاں پھکیت کو جو قوی سیکل اور چست و چالاک آدمی تھے، کہا کہ ملاقات کے وقت تم دونوں صاحب سید صاحب کے پاس پہنچ جانا اگر سید صاحب منع بھی کریں تب بھی تم نہ ماننا وہ دونوں باوجود سید صاحب

کے ہاتھ سے منع کرنے کے بیس بچیس قدم کے فاصلہ پر کھڑے ہو گئے جس میدان میں آپ بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے وہاں سے جنوب کی طرف ایک جوار کا کھیت تھا، اس میں سلطان محمد خاں نے پہلے سے چالیس پچاس سپاہی مسلح بٹھا رکھے تھے، مجاہدین کو یہ حال معلوم نہ تھا، اتفاقاً ان کی ایک جماعت کھیت کے قریب گئی تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھیت میں چھپے بیٹھے ہیں، یہ غازی ان کی پشت پر کھڑے ہو گئے کہ مبادا کچھ دغا فریب ہو تو پہلے ہم ان کو سمجھ لیں مگر خدا کے فضل و کرم سے کوئی بات نہیں ہونے پائی۔

سید صاحب نے کابل سے مایار کی جنگ تک جنگ کی ساری سرگزشت سلطان محمد خاں اور ان کے بھائیوں کے بیعت کرنے اور جہاد و رفاقت کے عہد و پیمانے، پھر بار بار عہد شکنی اور چڑھائی کرنے اور کفار کا ساتھ دینے کا سبب حال بیان کیا اور فرمایا کہ اب تک تمہارے بھائی اور تمہاری بغاوت کا سبب معلوم نہ ہوا کہ کیا ہے؟

سلطان محمد خاں نے بہت کچھ معذرت کی اور اپنی خطاؤں کا اقرار کیا اور کہا کہ ہماری نافرمانی اور بغاوت کا سبب یہ ہے یہ کہہ کر ایک لیٹا ہوا کاغذ اپنے خریطے سے نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا، آپ نے اس کو کھول کر دیکھا تو وہ ایک بڑا سا محضر تھا، جس پر ہندوستان کے بہت سے علماء اور پیرزادوں کی مہریں لگی ہوئی تھیں، خلاصہ مضمون یہ تھا کہ تم سزائوں اور خوانین کو لکھا جاتا ہے کہ سید احمد نامی ایک دی چند علماء ہند کو متفق کر کے اس قدر جمعیت کے ساتھ تمہارے ملک میں گئے ہیں، وہ بظاہر جہاد فی سبیل اللہ کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ صرف ان کا مکر و فریب ہے، وہ ہمارے اور تمہارے دین و مذہب کے مخالف ہیں، انہوں نے ایک نیا دین و مذہب نکالا ہے، وہ کسی ولی بزرگ کو نہیں مانتے سب کو برا کہتے ہیں، وہ انگریزوں کے بھیسے ہوئے تمہارے ملک کا حال معلوم کرنے گئے ہیں،

تم کسی طرح ان کے وعظ و نصیحت کے دام میں نہ آنا، عجب نہیں تمہارا ملک چھینو اور جس طرح تم سے ہو سکے ان کو تباہ کرو اور اپنے ملک میں جگہ نہ دو اگر اس معاملہ میں سستی اور غفلت سے کام لو گے تو بچھپانا پڑے گا، اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

سید صاحب یہ مضمون پڑھ کر عالم حیرت میں رہ گئے آپ نے سردار موصوف سے فرمایا کہ ہندوستان میں دنیا دار علماء اور مشائخ پیر پرستی میں گرفتار ہیں اسی کو اپنا دین و آئین جانتے ہیں، حلال و حرام میں امتیاز نہیں رکھتے اور یہی ان کا ذریعہ معاش ہے ہمارے وعظ و نصائح سے اللہ تعالیٰ نے وہاں لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کی وہ کہتے موحّد اور قبح سنت ہو گئے اس کی وجہ سے ان دنیا دار عالموں پیروں کے شرک کا بازار سرد ہو گیا اور اہل حق کی نگاہوں سے وہ گر گئے، اور جب ان سے کچھ نہ ہو سکا تب انہوں نے ہم پر بہتان و افترا کیا اور آپ کے پاس بھیجا مگر آپ سے بڑی غلطی ہوئی جو اب تک اس امر کی اطلاع ہم کو نہ کی اور اپنا دین و دنیا کا نقصان کیا ورنہ یہ شک و شبہ ہم آپ کے دل سے پہلے ہی دور کر دیتے اس میں بھی خدا کی مصلحت ہوگی۔

آپ نے وہ محضر لپیٹ کر مولانا محمد اسماعیل صاحب کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھئے گا، ہر کسی کو نہ دکھلائے گا اور نہ بیان کیجئے گا، اس لئے کہ لشکر میں ہمارے غازیوں کا ایسا حال ہے کہ یہ بہتان و افترا سن کر اگر ان بدخواہوں کے حق میں بددعا کر دیں تو عجب نہیں کہ فوراً ان لوگوں کو نقصان پہنچ جائے، ہمارے دل میں یہ ہے کہ اگر کبھی اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے ملائے تو ہم ان کے ساتھ نیکی اور احسان کے سوا کچھ نہ کریں۔

پھر آپ نے سردار موصوف سے فرمایا کہ خان بھائی تم نے جو ارباب فیض اللہ خاں کی زبانی چالیس ہزار روپے خرچ کے واسطے دینے کا وعدہ کیا تھا، تو اب اس کی فکر نہ کیجئے گا،

ہم نے آپ کو معاف کئے کیونکہ ہمارے پروردگار کے یہاں کسی بات کی کمی نہیں ہے۔ آپ ہائے بھائی ہیں، آپ سے کسی طرح کا جرمانہ یا تاوان لینا ہم کو منظور نہیں ہے یہ بات کہہ کر آپ ٹھکھڑے ہوئے اور سردار موصوف بھی اپنے لشکر کو گئے اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ آگئے۔

سلطان محمد خاں نے.... درخواست کی کہ سید صاحب اپنا ایک قاضی پشاور میں مقرر کر دیں جو شرع شریف کے موافق لوگوں کا فیصلہ کرے اور جمعہ کو وعظ بھی کرے ہم لوگ ان کی فرمانبرداری کریں گے اور ان کے وعظ و نصیحت سے لوگوں کو ہدایت ہوگی، آپ نے مولوی منظر علی صاحب عظیم آبادی کو تجویز کیا دس بارہ غازی آپ نے ان کے ہمراہ کئے اور ان کا ہاتھ ارباب فیض الشراخاں کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ تمہارے سردار کی خواہش کے مطابق ہم ان کو قاضی چھوڑے جاتے ہیں، اس کے بعد آپ پنجتار کی طرف روانہ ہو گئے۔

پنجتار کے قریب آپ کی آمد کی خوشی میں سیکڑوں آدمی مرد و عورت آپ کی تعریف میں چاربت کتے تنبل بجاتے اور خوشی کرتے ہوئے اپنے اپنے غول بنا کر آئے اور آپ سے انعام طلب کیا آپ نے ہر ایک کو انعام دلویا اور ہر ایک کو خوش کیا، آپ کی آمد کی خوشی میں پنجتار کے مجاہدین نے گیارہ فیر توپ کے سر کئے۔

آپ سواری سے اتر کر مسجد میں تشریف لے گئے، اور دو رکعت نفل پڑھی اور اکثر مجاہدین نے دو دو نفل رکعتیں پڑھیں پھر آپ نے سر برہنہ ہو کر بہت دیر تک باواز بلند دعا کی اور سب نے آمین کی دعا کے بعد آپ نے سب کو اجازت دی کہ اپنے اپنے ڈیرے پر جا کر اتریں آپ نے بھی اپنے ڈیرے پر قیام فرمایا۔

جمعہ کے دن مولوی احمد اللہ صاحب میرٹھی نے خطبہ پڑھا اور سید صاحب نے نماز پڑھائی

لہ پشتمیں طبل کو تنبل کہتے ہیں۔

نازکے بعد آپ نے وعظ کہا آپ نے فرمایا، بھائیو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تم
 تھوڑے لوگوں کو بڑے بڑے لشکروں پر غالب اور فتیاب کیا، اور تمہارے دل بڑھ گئے
 کہ ہم نے بڑائی جیتی اس خیال پر مغرور نہ ہونا اللہ سے ڈرو اور توبہ و استغفار کرو، بڑائی اور
 کبریائی اسی قادر مطلق اور خداوند برحق کو سزاوار ہے۔“

الہی قانون اور خود ساختہ رسم و رواج

اس زمانہ میں مسلمانوں کے معاشرہ کو (بالخصوص عجمی ممالک میں جو مرکز اسلام سے
 زیادہ دور واقع ہوئے تھے) بہت سی جاہلی عادتوں مقامی رسم و رواج اور خود ساختہ
 قوانین نے جکڑ لیا تھا، اور مسلمان زمانہ دراز سے اس پر اس طرح کار بند تھے جس طرح ایک
 مومن شریعت الہی منصوصات دین اور واجبات و فرائض شرعیہ پر کار بند اور عامل ہوتا ہے،
 یہ جاہلی عادات اور رسم و رواج ایک نسل سے دوسری نسل تک بہت احتیاط و حفاظت
 کے ساتھ منتقل کئے جاتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ برادریوں اور قبائل کی زندگی کا جز بن گئے
 تھے، اور ان کے گوشت پوست اور خون میں سرایت کر چکے تھے، اور ان کو اس سے دست بردار
 ہونے پر آمادہ کرنا ایسا تھا، جیسے کسی نو مولود بچہ کا دودھ چھڑانا یا کسی متدین آدمی کو دین اور
 شعائر دین کو ترک کرنے کی دعوت دینا۔

ان قبائلی عادات و رسوم کو ان کے یہاں وہی دینی تقدس، عظمت، محبت، عصیبت
 اور مذہبی جوش حاصل تھا، جو مذہب اور شریعت آسمانی کا حصہ ہے، وہ اس پر جان دینے پر

آمادہ تھے، اور اس میں کوتاہی اور سستی یا اس کے انکار و تردید کو باعث ننگ و عار اور اسکی پابندی و اہتمام کو اپنے لئے فخر کی بات سمجھتے تھے۔

اسی طرح شریعت کے مقابلہ میں ایک اور شریعت اور فقہ کے متوازی ایک نئی فقہ اور نیا انسانی قانون وجود میں آچکا تھا، یہ خود ساختہ شریعت "لازوال شریعت الہی سے پوری قوت و طاقت اور دلیل و حجت کے ساتھ متصادم تھی" اور لوگوں کے دلوں میں

اس کی مخصوص جگہ اور زندگی میں اس کے دائرہ اثر پر قابض ہونا چاہتی تھی، اور ان ہی اصطلاحوں کا سہارا لیتی تھی، جو علماء دین کے یہاں رائج تھیں، اس میں بھی کچھ فرائض و واجبات تھے، اور کچھ سنن و مستحبات، جو اس سے سرسرا کرنا تھا، وہ دائرہ اسلام سے خارج اور بدعتی سمجھا جاتا تھا، جو اس پر کار بند رہتا اور اس کے احکام بجالاتا، وہ

سچا اور صاحب استقامت مسلمان اور سچا و نیک قرار دیا جاتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
 اَمْ لَكُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَكُمْ مِنَ الدِّينِ
 مَا لَمْ يَأْتِنِ بِهِنَّ اللّٰهُ. (الشوریٰ - ۲۱)

کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا
 دین مقرر کر دیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

یہ بڑے نام ہی ہیں جن کو تم نے اور تمہارے

باپ دادوں نے ٹھیرا لیا ہے، خدا تعالیٰ نے تو

ان کی کوئی دلیل بھیجی نہیں۔

اِنَّ هِيَ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ

وَابَاعَكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ

سُلْطٰنٍ ط (النجم - ۲۳)

چونکہ یہ دستور و قانون لوگوں کی خواہشات اور امر اور دو لہتمندوں کا پیدا کردہ

تھا، اور لوگوں کے تجربات اور عقلا اور اہل الرائے کے قیاس کا نتیجہ تھا، اور اس کا بڑا حصہ

عقلی نام خیالیوں اور ناچختہ خیالات و افکار پر مشتمل تھا، اور اس کا سر شہید حکیم و علیم خدا کا

بنایا ہوا قانون نہ تھا، اس لئے اس میں جاہلیت کے باقی ماندہ اثرات، نفسانی خواہشات
کو تاح بینی، تشدد و غلو، افراط و تفریط اور اسراف و تبذیر کی عجیب و غریب آمیزش تھی،
اور اس نے بہت سے خاندانوں کی حق تلفی کی تھی، اور معاشرہ کے لئے ایک مسلسل مصیبت
بلائے عظیم اور حرماں نصیبی کا سرچشمہ تھا، اس کی وجہ سے دین نے اپنی سادگی اور سہولت کا بڑا
حصہ کھو دیا تھا، زندگی آزادی کی نعمت اور سرورِ نفس کی دولت سے محروم ہو گئی تھی، اور اس
سوسائٹی کے لئے جس نے ان خود ساختہ قوانین اور رسوم و رواج کی پابندی اختیار کر لی تھی،
یہ زندگی کا ایک بوجھ یا پیر کی بیڑیاں، اور گلے کا طوق بن گئی تھی، معاشرہ ایک تنگ و تاریک
قید خانہ میں زندگی گزار رہا تھا، اور خود اپنی لائی ہوئی مصیبت میں گرفتار تھا، اللہ نے جس چیز کو
حرام کیا تھا اس کو انہوں نے حلال کر لیا تھا، اور اللہ نے جس کو حلال کیا تھا، اس کو حرام بنایا
تھا، اللہ نے جس میں کشادگی پیدا کی تھی، اس میں انہوں نے تنگی پیدا کر لی تھی، اور اللہ تعالیٰ کا
یہ فرمان ان پر صادق تھا۔

الْمَرْئِيَّ الَّذِي بَدَّلَ نِعْمَتَ اللَّهِ
كُفْرًا وَآخَلَّوْا قَوْمَهُمْ ذُرِّيَّةً
كَيْفَ آتَيْنَا ان لوگوں کو ہمیں دیکھا جنہوں نے
بجائے نعمت الہی کے کفر کیا اور جنہوں نے اپنی
قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں پہنچایا۔
(ابراہیم - ۲۸)

اس معاملہ میں خود افغانی قبائل جن میں دین خالص اور سنت صحیحہ کی دعوت مختلف
تاریخی اسباب کی بنا پر ہمیشہ کمزور رہی بہت آگے تھے، اور اس کے اکثر علماء نے عہدِ آخر میں صریح کتب فقہ
اور علومِ آلیہ و عقلیہ پر کتفا کر لی تھی یہ افغانی قبائل بہت قدیم زمانہ سے ان عاداتِ رسم و رواج اور
آباد و اجداد کے طور طریق پر شدت سے کار بند تھے، اور اس سے سوا انہوں نے دینی اور بدعت کے مفہم سمجھتے تھے

لہٰذا یہ قبائل نماز میں تشدد کے وقت انگلی اٹھانے کو سخت بدعت اور ناقابل معافی گناہ (باقی صفحہ ۲۱۴ پر)

اس میں مرور زمانہ کے ساتھ نیز علماء و مشائخ کی مداہنت و چشم پوشی کے نتیجہ میں بہت سی جاہلی عادتیں راسخ ہو گئی تھیں اور ان میں کوئی عجیب باقی نہ رہا تھا، ان عادتوں میں ایک بڑی عادت یہ تھی کہ اپنی حیثیت کے مطابق لڑکے والوں سے زندقہ لئے بغیر کوئی اپنی بیٹی کا نکاح کسی کے بیٹے کے ساتھ نہیں کرتا تھا کوئی لڑکے والے سے سو روپیہ کوئی چار پانچ سو کوئی ہزار لیتا، لڑکے والے غریب روپے کی تلاش میں حیران و سرگرداں رہتے اور ان کی بیٹیاں بیچاری بیٹھی رہتیں اور ان کی عمر اسی انتظار میں گذر جاتی بعض لڑکیاں اس وجہ سے معصیت اور دوسری قلعہ چیزوں میں گرفتار ہو جاتیں ان کی صحت بھی خراب رہتی اور ایک تکلیف دہ زندگی گزارتیں۔

اس طرح کی خواتین اور بستی کی عورتوں نے ایک موقع پر آپسے داد خواہی اور انصاف طلبی کی اور آپ کے ایک افغانی مرید احمد خاں کا کا کے ذریعہ یہ پیغام کہلوا یا کہ یہ بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امام بنایا ہے، وہ خدا کے لئے ہماری بیٹیوں کا انتظام کریں اور ہم کو اس عذاب سے نجات دیں۔

یہ صاحب نے فرمایا کہ تم صاحبوں نے میرے ہاتھ پر بیعت ہدایت اور بیعت امامت کی ہے اور شریعت کے تمام احکام قبول کئے ہیں اور ہر ایک گناہ سے اور بڑے کام سے توبہ کی ہے تو خدا اور رسول کا حکم جان کر اس گناہ سے بھی توبہ کرو اور دستور شریعت کے موافق بربضاد رغبت اپنی بیٹیوں کا اپنی برادری میں نکاح کر دو اور یہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف روپیہ لینے کا

(باقی ص ۲۱۳ کا) سمجھتے تھے حتیٰ کہ بعض پرہوش اور مغلوب الغضب لوگ نمازی کی انگلی توڑ ڈالنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور یہ سب اس بنیاد پر کہ بعض فقہ کی کتابوں مثلاً خلاصۃ الیکدالی میں تشدد کے وقت انگلی اٹھانا حرام قرار دیا گیا ہے۔

دستور ترک کروا کر تم نہ کرو گے تو اپنے حق میں بہت برا کرو گے۔
 آپ کی یہ تقریریں کر سب نے جاہلیت کی رسم سے طوعاً و کرہاً تو بہ کی اور اپنی بیٹیوں
 کے نکاح کر دینے کا اقرار کیا۔

حکومت شرعیہ کے عمال اور غازیوں کا قتل عام

پشاور کی سپردگی کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ پشاور اور سمہ کے پورے علاقہ میں حکومت
 شرعیہ کے ان عمال، محصلین، قضاة، محتسبین، اور ان غازیوں کو جو پنجاب کے علاوہ پورے
 علاقہ میں جا بجا متعین اور مقرر تھے، بیک دفعہ قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا اور خفیہ
 طور پر یہ طے کر لیا گیا کہ اس کشمکش سے جو چند سال سے جاری ہے، ہمیشہ کے لئے نجات حاصل
 کر لی جائے، یہ کشمکش کیوں تھی، اور اس فیصلہ کن و نامبارک اقدام کے اصلی اور اندرونی
 محرکات اور اسباب کیا تھے؟ ان کو اس اندوہناک واقعہ کی تفصیلات پڑھنے سے پہلے
 معلوم کر لینا ضروری ہے۔

اس کشمکش کا سب سے بڑا سبب اور محرک سرداروں، خوانین اور ملاؤں کے ذاتی
 اغراض و مصالح ہیں، سید صاحب اور مجاہدین کی آمد سے پہلے یہ تمام گروہ اپنے اپنے اغراض و مقاصد
 کی تکمیل اور اپنے منافع اور فوائد کے حصول میں بالکل آزاد تھے، وہ سب اس علاقہ میں من مانی
 کارروائی کرتے تھے، اس علاقہ میں جو کچھ پیدا ہوتا تھا، اس سے یہ سب گروہ اپنے اپنے حصے اور
 ملک کے رواج کے مطابق فائدہ اٹھاتے تھے، اوپر گزر چکا ہے کہ سرداران پشاور رعایا کی

کھیتی کا نصف غلہ وصول کرتے تھے، اور مختلف انتظامات کا خرچ بھی رعایا کے ذمہ تھا، اس طرح پیداوار کا دو تہائی حصہ ان کے پاس چلا جاتا تھا، سید صاحب کی آمد آپ کی بیعت و امامت اور نظام شرعی کے نفاذ و اجرا سے ان کے ان تمام حقوق و فوائد پر زبرد پڑی اور ان کو صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہ صورت حال باقی رہی اور نظام شرعی کی جڑیں اور مستحکم ہو گئیں تو ان کا یہ اقتدار اور انتقال ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا، اور وہ اپنے حقوق سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گے سرحد کا سارا ملک انہی دنیاوی حاکموں اور دینی پیشواؤں کی عملداری میں بٹا ہوا تھا، جن دلوں میں ایمان کی حلاوت خوف خدا اور فکر آخرت اچھی طرح پیوست نہ ہوئے ہوں، اور ان کے بجائے مال کی محبت، جاہ و منصب کا شوق، اور تن آسانی اور تن پروری کی عادت راسخ ہو چکی ہو وہ کسی دینی منفعت اجتماعی مصلحت اور اخروی سرفرازی و کامیابی کے لئے اپنے ذاتی منافع و مصالح سے دست بردار نہیں ہو سکتے، وہ تو اپنے اغراض و مقاصد کی حفاظت اور کار براری کے لئے دین کو بٹے سے بڑا نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور اجتماعی مصلحت کو آسانی کے ساتھ قربان کر سکتے ہیں، اور سنگین سے سنگین جرم کا ارتکاب کر سکتے ہیں، مسلمانوں کی تاریخ اغراض پرستی کے ان افسوسناک واقعات سے داغدار ہے، جن میں بارہا اجتماعی مصلحتوں کا خون ہوا اور مستحکم سلطنتیں چند اشخاص یا کسی خاص گروہ کی ذاتی اغراض اور حقیر فوائد کی نذر ہو گئیں اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ صوبہ سرحد اور افغانستان میں شریعت اسلامی کے بالکل متوازی ایک دوسرا آئین و قانون صدیوں سے جاری تھا، اس پر اہل سرحد آسمانی شریعت کی طرح عامل و راسخ تھے، اور کسی حال میں اس کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، اس آئین افغانی میں ان کے اغراض و مصالح بھی محفوظ تھے اور باپ دادا کی رسم اور صدیوں

کے ملکی رواج پر بھی عمل ہوتا تھا، عنایت اللہ خاں سواتی اور اس کے ساتھیوں کا یہ خاصا اقرار و اعلان (جو اس نے مولانا اسماعیل صاحب شہید کے جواب میں کہا) اس بات کا واضح ثبوت ہے۔

تم کتاب و سنت سے بال برابر بھی زائد عمل نہیں کرتے قرآن و سنت اور علماء سب تمہاری طرف ہیں، لیکن وہی احکام جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں، ہمارے اوپر شاق اور بار ہیں، اس لئے ہم تمہیں یا جوڑ جانے سے مانع ہیں، اور ہم کسی طرح تم کو جانے نہیں دیں گے، اس سلسلہ میں ہم جنگ کے لئے تیار ہیں، پھر جو فیصلہ ہو، اگر ہم غالب آئے تو ہم اپنے رسوم افغانی پر قائم رہیں گے، اگر تم غالب آئے اور تمہارا عمل دخل اس ملک میں ہوا تو ہم اس ملک کو چھوڑ کر کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے تاکہ وہاں اطمینان سے اپنے باپ دادا کے طریقہ پر عمل کر سکیں۔“

عنایت اللہ خاں اور اس کے ساتھیوں نے اپنے اس اعلان و اقرار میں نہ صرف سوات بلکہ حقیقتاً اس پورے علاقہ کی اکثریت کی اصلی ذہنیت اور خیالات کی ترجمانی کی ہے، جو اس زمانہ میں وہاں عام تھی۔

یہ وہ بنیادی اسباب ہیں جنہوں نے نہ صرف غریب الوطن مجاہدین کے خلاف اس خطرناک اقدام پر آمادہ کیا بلکہ پورے شرعی نظام اور مستقبل کے دینی توقعات و امکانات کو درہم برہم کر دینے پر ابھارا جو اس ملک میں صدیوں کے بعد پیدا ہوئے تھے، اور ان اہل علاقہ سے جن کو انصار کی جانشینی کرنی چاہئے تھی، ایسی قسوت اور سنگ دلی کا ظور ہوا جس نے میدان کربلا اور واقعہ حرہ کی یاد تازہ کر دی، شاید ان کو آسانی سے اپنے سنگدلانہ فعل کی ہمت نہ ہوتی، اس لئے کہ جن کے ساتھ وحشت و بربریت کا یہ سلوک کیا گیا وہ مسلمان تھے،

اور دینی اعمال و شعائر کی پابندی میں نیز اپنے عبادت و تقویٰ میں کھلے طریقہ پر اپنے گرویش میں ممتاز و نمایاں تھے، لیکن سردارانِ پشاور اور ان کے درباری علمائے تیز پیشہ و راہِ رسم پرست ملاؤں نے اس جماعت اور اس کے امیر کے متعلق قساذ عقیدہ اور مسلمانوں کے جان و مال پر تعدی وغیرہ کی جو افواہیں پھیلا رکھی تھیں، اور انھوں نے ان پر مختلف قسم کے جو الزمات لگائے تھے، اور ان کی تشہیر کی تھی، ان سب نے مل کر اس فعل کے لئے اخلاقی اور مذہبی جواز مہیا کر دیا تھا، اور اگرچہ سب کا فرمائی ذاتی اغراض و نفسانیت کی تھی، لیکن اس کو تھوڑا سا سہارا اس الزام تراشی سے بھی مل گیا تھا، جس کو پشاور کی فتح اور حوالگی کے بعد سے خاص طور پر ہوا دی گئی۔

مولانا خیر الدین صاحب شیرکوٹی نے جو شکر اسلام کے ایک بڑے ذہین، ذکی اور مبصر عالم تھے، اس قتل عام کا بڑی حقیقت پسندی سے جائزہ لیا، اور اس کے اسباب و محرکات کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے، وہ اپنی ایک تخریر میں جس کا خلاصہ مولوی سید جعفر علی صاحب نے "منظورۃ السعداء" میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں۔

"تقدیر الہی اور شہدائی خوش قسمتی کے علاوہ اس واقعہ کے چھ ظاہری سبب معلوم ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس علاقہ کے لوگ زمانہ قدیم سے اطاعت و فرماں برداری کے عادی نہیں ہیں، جب ان کو اس بات کا تنبہ ہوا کہ امام و امیر کی اطاعت ضروریات دین میں سے ہے، تو انھوں نے اس کو قبول تو کر لیا، لیکن اطاعت کو نماز روزے اور عشاء کے اندر منحصر سمجھتے تھے، اور ان کے نزدیک اتنی ہی بات میں اطاعت ضروری تھی، اور وہ بھی مرضی کے مطابق، جتنا دل چاہتا عشاء وغیرہ دے دیتے کم یا زیادہ، جب ان سے پورے پورے عشاء کا مطالبہ ہوا اور جنگ میں شرکت نہ کرنے کا تاوان طلب کیا گیا نیز لڑکیوں کی شادی اور

لواماد سے کچھ لئے بغیر ان کو رخصت کر دینے کی تاکید بھی کی گئی تو ان کی طبیعت پر یہ بہت شاق ہوا، اور ان کو یہ معاملات ناقابل برداشت اور تکلیف مالا یطاق معلوم ہوتے لگے۔

اسی کے ساتھ وہ محضر جو ہندوستان اور سرحد کے علماء نے تیار کیا تھا، اس کا اثر سرداران پشاور کی کوشش سے جا بجا پھیل گیا، اور یہ مشہور ہو گیا کہ یہ گروہ جو جہاد کے نام سے یہاں آیا ہے، وہ دین کا مخالف ہے، اور وہابی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے، اس سے ان لوگوں کے دل میں بد عقیدگی پیدا ہوئی، انھوں نے مجبوراً ان کی اطاعت تسلیم کی چونکہ مجاہدین کی قوت و شوکت روز افزوں تھی، ان کا کوئی قابو نہیں چلا اور حضرت امیر المومنین کی تاکید لڑکیوں کے نکاح کی بابت خود لڑکیوں کی فریاد اور درخواست پر تھی، انھوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے ساتھ انصاف فرمایا جائے اس پر یہ حکم صادر ہوا کہ جس منکوحہ کا شوہر موجود ہے، تین دن کے اندر اس کی رخصتی کر دی جائے اور جو لڑکیاں بالغ ہو چکی ہیں، اور ان کے شوہر غیر موجود ہیں، ایک مہینہ کے اندر ان کا نکاح اور رخصتی کر دی جائے جن لڑکیوں کی نسبت ہو چکی تھی، انھوں نے ان لوگوں سے جو اس کام کے لئے مقرر ہوئے تھے، اپنی رخصتی کی درخواست کی چونکہ اہل علاقہ احکام شرعی قبول کر چکے تھے، اس لئے ان کا حیل و حجت کرنا معقول نہ تھا، اپنے مروجہ رسوم و عادات کا جو خلاف شرع تھے، ترک کرنا مناسب تھا، یہ سب ناراضگی اور شکایت مقامی خواتین تک محدود تھی، باقی ہندو بنئے اور اہل حرفہ ہندوستانیوں کی حکومت سے بہت خوش تھے، خواتین کی حکومت میں بڑا ظلم تھا، اور اپنی لڑکیوں کی شادی میں رعیت سے بڑی گراں قدر قیمتیں وصول کرتے تھے، یہ سب احکام شرعی کے اجراء کی وجہ سے موقوف ہو گیا اس لئے یہ سب حضرت امیر المومنین اور ہندوستانیوں کو بڑی دعائیں دیتے تھے کہ ان کی وجہ سے وہ اس ظلم و تعدی سے محفوظ ہو گئے۔

مذکورہ بالا اسباب میں اتنا اور اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ ستمہ کے علاقہ میں جو غازی متعین
یا مقیم تھے، یا کبھی کبھی کسی ضرورت سے دورہ کرتے تھے، ان میں جن کو زیادہ صحبت و تربیت
میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، یا مزاجاً درشت اور لاابالی واقع ہوئے تھے، ان سے
کہیں کہیں بے عنوانیوں اور تعدی کے واقعات بھی پیش آئے، انسانی فطرت ناقابل تبدیل
ہے، اتنی بڑی جماعت کا ایک اخلاقی اور دینی معیار پر ہونا، اور شریعت و اخلاق کے سانچہ
میں سر سے پاؤں تک ڈھل جانا بعید از قیاس ہے، جو لوگ نو وارد تھے یا پست معاشرہ اور
خاندانی ماحول سے تعلق رکھتے تھے، ان سے شاذ و نادر ایسے واقعات بھی ظاہر ہوئے جو اہل علاقہ
کے لئے آزر و گی کا سبب بنے، سید صاحب کو جب ان کا علم ہوا تو سختی کے ساتھ ان کی
سرزنش فرمائی۔ اور فوراً ان کے تدارک کا انتظام فرمایا۔

سید صاحب اور آپ کی جماعت کے اکثر علماء حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی
طرح مسائل میں تحقیقی مسلک رکھتے تھے، اور فقہ و حدیث کی تطبیق کی کوشش کرتے تھے،
لیکن تیرہویں صدی میں تمام عالم اسلامی میں بالعموم ہندوستان میں بالخصوص اور سرحد
افغانستان میں بالخصوص جو دینی اور علمی جمود طاری تھا، اس کے سامنے مروجہ عادات اور
عوام کے مسلک سے سرمو انحراف اور ہر ایسی تحقیق جو علماء کے لئے ناانوس اور نئی تھی،
اکادو زندقہ اور مذہب سے آزادی کے مراد فکھی چنانچہ علماء نے مشہور کیا کہ یہ ہندوستانی
علماء اور ان کا امیر لاندہب لوگ ہیں، خواہش نفسانی کے پیرو اور آزاد خیال ہیں، اس
پروپیگنڈے کا اثر ہوا ہوگا، اس کا اندازہ آج بھی کیا جاسکتا ہے۔

سید صاحب کی دعوت ایمانی اور تحریک جہاد کا حقیقی مقصد اور آپ کا ہر قول و
فعل آپ کا لینا دینا، اٹھنا بیٹھنا ہر چیز کے پیچھے لیک ہی جذبہ کار فرما تھا، اعلا کلمۃ اللہ،

دین کا غلبہ، سنت و شریعت کا احیاء اور حدود و شرعیہ کا اجراء آپ چاہتے تھے کہ مسلمان ایک ایسی اسلامی زندگی گزاریں جس میں جاہلیت، خواہشات نفسانی، عادات اور قدیم رسم و رواج کا کوئی شائبہ نہ ہو، وہ غیر اللہ کی حکومت سے اللہ کی حکومت میں جنگ سے امن میں نفس کی بندگی سے خدا کی بندگی میں داخل ہوں، یہی چیز تھی جس نے ان کو ہجرت و جہاد اور اپنے اہل و عیال کے فراق پر اور خطرات و مصائب کا خندہ پیشانی کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا تھا، اور اسی ایک چیز کے لئے آپ نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی تھی، ان کے نزدیک اگر یہ مقصد پورا نہ ہوتا تو نہ ہجرت و جہاد کی کوئی قیمت ہے، نہ اسلامی حکومت کی، وہ سلیمان شاہ والی حیرال کے نام اپنے مکتوب میں بہت صراحت کے ساتھ کہتے ہیں۔

”اس فقیر کو مال و دولت اور حصول سلطنت و حکومت سے کچھ غرض نہیں دینی بھائیوں میں سے جو شخص بھی کفار کے ہاتھوں سے ملک کو آزاد کرنے، رب العالمین کے احکام کو رواج دینے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پھیلانے کی کوشش کرے گا اور ریاست و عدالت میں قوانین شریعت کی رعایت و پابندی کرے گا، فقیر کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور میری کوشش کامیاب ہو جائے گی“

یہ وہ مخفی حوامل تھے، جو ان افغانی قبائل کی ناراضی کا اصل سبب تھے، جنہوں نے دین و شریعت کے بالمقابل اپنی نئی شریعت قائم کر رکھی تھی، اس ناراضگی و بے اطمینانی نے قبائل کے سرداروں اور جوانین و امراء کو اور مشتعل کر دیا، اور انہوں نے چاہا کہ اس کے ذریعہ وہ اس نظام کو ختم کر دیں جو ان کی من مانی زندگی اور خود ساختہ قبائلی نظام کی راہ میں حائل ہے، پشاور سے واپسی پر سید صاحب نے قاضیوں، محتسبوں اور عالموں کے

تقریر پر خاص توجہ دی، جاہلی عادات کی مذمت و تردید کے لئے جگہ جگہ واعظ و مبلغ بھیجے اور لوگوں نے دیکھا کہ وہ بہت سنجیدگی کے ساتھ اس کام کا بیڑا اٹھا رہے ہیں، اور نہایت درجہ سرگرمی کے ساتھ اس میں مشغول ہیں اور اس آیت کی تفسیر یا خواب کی تعبیر ظاہر ہونے کے قریب ہے۔

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کام کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے ہاتھوں میں ہے۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ
أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
وَأَمْرُوهُم بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْوِهِمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَحِلَّةٌ الْأُمُورِ
(الحج - ۴۱)

اس کا رد عمل ان قبائل میں ایک بھیانک قتل عام اور قیامت صغریٰ کی شکل میں ظاہر ہوا جس کی کچھ تفصیل ٹوٹے ہوئے دل اور رکتے ہوئے قلم سے آگے بیان کی جائے گی۔

یہس جرم کی سزا ہے؟

آخر ایک دن درانیوں اور سرداران قبائل کا جن کی آزادی اور مطلق العنانی ختم ہوتی... نظر آرہی تھی، پیمانہ صبر لبریز ہو گیا، اور انھوں نے محسوس کیا کہ اگر اس نظام شرعی کو کچھ دن اور مہلت مل گئی اور لوگ اس کے عادی ہو گئے تو ان کی آزاد و بے قید زندگی کی دوبارہ واپسی آسان نہ ہوگی انھوں نے دیکھا کہ زمین آہستہ آہستہ ان کے چاروں طرف تنگ ہوتی

جاری ہے، اور اگر اس صورت حال سے جلد چھٹکارا حاصل نہ کیا گیا تو یہ نیا نظام اور نئی امانت و قیادت طاقت اختیار کر لے گی، اور ان کا محاذ پہلے سے زیادہ کمزور ہو جائے گا۔

سلطان محمد خاں کے دل سے (باوجود امتداد زمانہ کے اور سید صاحب کے احسانات اور اس کو دوبارہ اقتدار سلطنت حوالہ کرنے اور بہترین صلہ دینے کے) یار محمد خاں کا زخم مندمل نہ ہوا تھا، وہ جس طرح زخمی ذلیل و خوار اور بے یار و مددگار ہو کر اس دنیا سے گیا، اس کی کسک اس کے دل میں ابھی موجود تھی، اس کی صلح سید صاحب سے اوپری دل سے تھی، اور مجبوری اور ایک حقیقت کے سامنے شکست کے مراد و تھی، طیب خاطر اور انشراح کے ساتھ نہ تھی اس لئے وہ اس کا بوس سے جلد سے جلد چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر کرتا رہا، اور موقع کی تاک میں رہا، پشاور میں اس وقت مولانا منظر علی عظیم آبادی سید صاحب کے نائب اور قاضی تھے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، فصل خصومات اور احکام شرعیہ کا اجرا ان کی ذمہ داری تھی، اور سمجھتے تھے ان کے دائرہ اثر میں تھا، جس پر قبضہ کرنے کی تمنا سلطان محمد خاں اور اس کے بھائی عرصہ سے کر رہے تھے، بلکہ اس کے قبضہ کی ناکام کوشش بھی کر چکے تھے، ان کا خیال تھا کہ اگر اس قوت کو اس وقت کمزور نہ کیا گیا تو یہ نہ صرف پشاور کو فتح کر سکتی ہے، بلکہ حکومت لاہور کے لئے بھی خطرہ بن سکتی ہے، اس لئے اس کے ساتھ نباہ اور بقا رہا، ہم یا اس کو ابھرنے کا موقع دینا خطرناک ہو گا، وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ وہ اور اس کا خاندان جس نے افغانستان اور سرحد پر ہمیشہ حکومت کی اس علاقہ کے واحد حقدار ہیں، اور اس میں شرکت کا کسی اور کو حق نہیں۔

تقریباً ہر گاؤں اور پشاور اور مردان کے درمیان واقع میدانی علاقہ میں ایک ایک قاضی محتسب اور عشر و صدقات کے عامل و محصل موجود تھے، جو ان سرداران قبائل کی

اجارہ داری اور اقتدار کو کمزور و محدود کر رہے تھے، اور بعض اوقات ان کے معاملات متعلقہ امور میں بھی مداخلت کرتے تھے، اور احکام شریعت سے ان کو آگاہ کرتے تھے، ان سب باتوں سے وہ چلیں بچیں ہوتے اور بہت تلخی و ناگواری کے ساتھ اس کو برداشت کرتے۔

ان مختلف النوع عناصر میں قدر مشترک صرف ایک چیز تھی، اور وہ تھی اس طرز زندگی اور نظام سے بے چینی و بے اطمینانی جس کا پہلے ان کو کوئی تجربہ نہ تھا، اور جوان کے لئے بالکل نیا اور نامانوس تھا، ان کے اندر ایمان و عقیدہ کی وہ طاقت یا وہ بصیرت اور اپنی گردن پر ٹکتی ہوئی تلوار کا صحیح شعور و احساس نہ تھا، جوان جاہلی رجحانات، ذاتی اغراض اور انانیت کو مغلوب کر سکتا۔ افسوس یہ ہے اس علاقہ کے اصل باشندے اپنے ان بھائیوں کے ساتھ گھل مل نہ سکے جو تلاش معاش میں اور اپنی سپہ گری اور فوجی اسپرٹ کو باقی رکھنے کے لئے تھوڑی مدت ہوئی، ہندوستان آگئے تھے، اور ان میں افغانوں کی بہت سی خصوصیات اور قبائلی صفات باقی تھیں، اس کی بڑی وجہ ان کے اخلاق و کردار اور ان کی دینی تربیت تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ شخصی مصالح اور مالی منافع کے سامنے کوئی اور منطق نہیں چلتی، اور اس کا لغزہ شیریں عقل و شعور دونوں کو مفلوج، کمزور اور بے حس بنا دیتا ہے۔

بہر حال قبائل میں بغاوت کی آگ سلگتی رہی، اور سازش کا خاکہ پشاور میں تیار کر لیا گیا

قبائلی سردار سلطان محمد خاں سے برابر ملتے رہتے اور اس سے خفیہ احکام... حاصل کر کے

اپنے اپنے مقامات پر واپس آتے، اس درمیان میں مہاجرین اپنے اپنے کاموں میں مشغول اور

حکومت لاہور کے مقابلہ کی تیاری میں مصروف تھے، اور نظام شرعی کا دائرہ آہستہ آہستہ ان

قبائلی علاقوں تک وسیع کرنا چاہتے تھے، جہاں ابھی تک اس کی رسائی نہ ہوئی تھی، ان کے دل میں

کبھی اس کا خیال بھی نہ آتا تھا کہ جن لوگوں نے امیر کی سمع و طاعت کی بیعت کی ہے، اور ان کی

وفاداری کا عہد کیا ہے، وہ اس طرح پھر جائیں گے، دوسری دشواریاں یہ تھی کہ وہ ان کی قومی زبان سے نا آشنا تھے، اس لئے جو کچھ ہو رہا تھا، اس کا اندازہ پورے طور پر کرنا ان کے لئے دشوار تھا، اور خفیہ پیغام رسائی کو (جو مقامی زبان میں ہو رہی تھی) سمجھنا ان کے لئے ناممکن تھا۔

مولانا سید منظر علی صاحب سے سلطان محمد خاں نے اپنے بھائی یار محمد خاں کے قتل کے بارہ میں جس انداز سے گفتگو کی اس سے ان کو شبہہ ہو گیا کہ اس کا رنگ بدلا ہوا ہے، انہوں نے اپنے دلائل سے پشاور کے علماء کو جو اس گفتگو میں شریک تھے، چپ نوکر دیا، لیکن صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بادل ناخواستہ اس وقت خاموش ہیں، سلطان محمد خاں کا غیظ و غضب خاص طور پر نمایاں تھا، اس کے بعد مولانا منظر علی صاحب نے مولانا محمد اسماعیل صاحب سے خط و کتابت کی اور اس زمانہ میں نفاق اور منافقین کے وجود پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی، اس لئے کہ بعض علماء کہتے تھے کہ نفاق اور منافقین کا وجود صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا، اور اس کے بعد ان کا وجود ختم ہو گیا، آپ نے تحریر فرمایا اس قول کا مطلب یہ ہے کہ منافقین کا قطعاً علم جیسا زمانہ رسالت میں (وحی کی وجہ سے) ہو سکتا تھا، بعد کے زمانہ میں نہیں ہو سکتا، اس لئے قرون متاخرہ میں منافقین کی قطعی تعیین ممکن نہیں، اس لئے جب تک کوئی شخص اپنے ایمان کا اظہار کرے گا، اور کلمہ گو ہوگا، مسلمان اس کو مسلمان سمجھتے رہیں گے، لیکن جس وقت وہ اپنے نبی باطن اور کفر کا اظہار کرے گا، تو وہ کافروں میں شمار کیا جائے گا، اگر ایسا نہ ہو تو جن حدیثوں میں منافقین کی علامات بیان کی گئی ہیں، اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ وان صلی و صام و ظن انہ مسلم، (چاہے وہ نماز روزہ کرتا ہو اور اپنے کو

مسلمان ہی سمجھتا ہو) ان احادیث کا مصداق کیا ہوگا؟

انہوں نے سید صاحب سے یہ مشورہ بھی چاہا کہ آیا وہ یہاں مقیم رہیں یا ان کے پاس چلے آئیں، مولانا محمد اسماعیل نے ان کو یہ اشارہ دیا کہ وہ سلطان محمد خاں سے اجازت لیں اور مرکز مجاہدین آجائیں۔

بعض مجاہدین نے مقامی باشندوں کو ایسی باتیں کرتے سنا اور ان کے بعض مخلصین نے ان کو آگاہ بھی کیا کہ اس معاملہ کی کچھ اصل ضرور ہے، اس لئے اس کو محض افواہ پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا، سلطان محمد خاں اور سرداران قبائل نے اس کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا ہے جس میں وہ اپنے منصوبہ پر یکجا اور بیک وقت عمل کریں گے، اور تمام عمال اور غازیوں کو ایک ہی وقت میں شہید کریں گے، اس کے لئے انہوں نے ایک مخصوص اصطلاح بھی وضع کی ہے، جب یہ لفظ بولا جائے گا تو قتل عام کا آغاز ہو جائے گا۔

جب سید صاحب کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ نے اپنے عمال اور متفرق مہاجرین کو جو مختلف جگہوں میں تھے، یہ حکم بھیجا کہ وہ ان مقامات کو چھوڑ کر ان سے مل جائیں، جب سازشیوں کو یہ خبر لگی کہ آپ کو اس کی اطلاع ہو گئی ہے تو انہوں نے اس منصوبہ کو وقت سے پہلے شروع کر دیا اور قتل عام کی ایک لہر نے پورے علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور ظلم و سفاکی کا ایسا منظر سامنے آیا جو تاریخ اسلام نے بہت زمانہ سے نہیں دیکھا تھا۔

ان محققین کا مسلک یہی ہے کہ نفاق فطرت انسانی کی ایک کمزوری اور نفسانی مرض ہے، جو کسی زمانہ اور مقام سے مخصوص نہیں ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی جلیل القدر تصنیف "الفوز الکبیر" میں اس پر مختصر لیکن بڑی عالمانہ بحث کی ہے، حضرت حسن بصریؒ اور جمہور محققین کا یہی مسلک ہے اور اب اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں رہا، تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے تاریخ دعوت و عزیمت "حصہ اول از مصنف" تذکرہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ۔

سب سے پہلے نشانہ سید منظر علی صاحب کو اور ارباب فیض الشرفاں (جو سلطان محمد خاں اور سید صاحب کے درمیان اکثر قاصد کا کام کر چکے تھے، اور جن کی کوشش سے سلطان محمد خاں کو پشاور کا اقتدار ملا تھا) کو بنایا گیا۔ ان کو سلطان محمد خاں نے بلوایا، اور حکم دیا کہ ان کے سر تن سے جدا کر دیئے جائیں۔

عشا کے بعد بستی والوں نے سب کو گھیر لیا، اور غازیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا، کوئی نماز پڑھنے میں شہید ہوا، اور کوئی وضو اور استنجا کرنے میں یہی حال ہر بستی میں ہوا، کچھ لوگ بھاگ کر یا کسی گھر میں چھپ کر بچے اور جان سلامت لے کر پنجتار میں سید صاحب کے پاس آئے باقی سب شہید ہو گئے۔

کچھ لوگ ایک مسجد میں محصور ہو گئے، اور وہاں سے مقابلہ کرتے... رہے، بلوائیوں نے ہر طرف سے ایسا سخت گھیرا کہ نکلنے اور بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا، بستی والوں نے سب آدمی بھی روک لئے، کوٹھوں کی چھتوں پر بھی لوگ بند وقتیں لئے بیٹھے تھے، غازیوں کی مار ان پر نہیں پڑتی تھی، اور یہ ان کا نشانہ بنے ہوئے تھے، جب غازیوں کے پاس گولی بارود ختم ہو گئی، تب یہ مجبور ہو کر اپنے غازیوں کے ساتھ مسجد میں گھس گئے، اور اندر سے کوارٹر بند کر کے زنجیر لگائی، اس وقت بند وقتیں چلنی موقوف ہوئیں، اور سب بلوائیوں نے ہر طرف سے آکر مسجد کا محاصرہ کر لیا، اور اس فکر میں ہوئے کہ اب ان کو کس ترکیب سے ماریں، بعضوں نے کہا دیوار میں نقب کر کے ماریں اور بعضوں نے کہا مسجد میں آگ لگا دیں، اس سے آپ ہی جل کر مر جائیں گے، اور جو کوئی باہر نکلیں ہم ان کو ماریں گے، شاہ ولی خاں نے جن کی یہ مسجد تھی کہا، میں نہ اپنی مسجد کھودنے دوں گا، نہ جلانے دوں گا۔

اس گفتگو میں اس بستی کے علماء اور سادات کلام اللہ شریفینے لے کر آئے اور

بڑی خوشامد کے ساتھ خدا و رسول کا واسطہ دے کر کہنے لگے کہ ان مسلمان مظلوموں کو ناحق ظلم سے قتل نہ کرو، خدا کے غضب سے ڈرو یہ حاجی 'غازی' اور مہاجرین ہیں اور انھوں نے تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں کیا، اسی طرح بستی کی تمام عورتیں کوئی اپنے خاوند سے کوئی اپنے بیٹے سے کوئی اپنے بھائی بھتیجے وغیرہ سے لپٹتی تھیں، اور کہتی تھیں کہ ان مظلوموں بے گناہوں کو مارنے ہو، اور کافر ہوتے ہو، غضب الہی سے ڈرو اور خون ناحق نہ کرو، مگر وہ کسی کا گناہ خیال میں نہیں لاتے تھے۔

سب کے بعد وہاں کے بنے جمع ہو کر آئے اور کہنے لگے کہ ہم ہندو لوگ ہیں، کوئی جانور نہ مارتے ہیں، نہ امکان بھر غیر کو مارنے دیتے ہیں، اور تم ان آدمیوں کے مارنے پر آمادہ ہو، جو تم چاہو ہم سے لے لو اور ان کو ہمیں دے دو، ہم تم سے اقرار کرتے ہیں کہ ان کو پختیار میں سید بادشاہ کے پاس نہیں بھیجیں گے، دریا سے سندھ کے پار سکھوں کی عملداری میں تارک وہاں سے بدھ چاہیں چلے جائیں گے مگر انھوں نے یہ بھی نہ مانا۔

غازی یہ تمام باتیں مسجد کے اندر سے سن رہے تھے، آخر سب اس امر پر متفق ہوئے کہ مسجد میں آگ لگا دو جب غازیوں کو یقین ہوا کہ اب یہ مسجد میں ضرور آگ لگا دیں گے، تب وہ مسجد کے کواڑ کھول کر ننگی تلواریں لے کر باہر نکلے، مسجد کے صحن میں پیر خاں کا پاؤں پھسلا اور زمین پر گرے، لیکن جلد ہی ایک جوان نے ان کو اٹھایا، اور باہر مشرق کی طرف لے چلا، کسی بلوائی نے جان کے خوف سے اس وقت ان غازیوں کا تعاقب نہ کیا سب لوگ مسجد کے اندر ان کا مال و اسباب لوٹنے میں لگ گئے، تب یہ لوگ بستی کے باہر نالے پر جا پہنچے اور پانی پینے پر جھکے اور جانا کہ ہم سب سلامت بچ گئے، اس عرصہ میں بلوائی مال و اسباب کے لوٹنے سے فارغ ہو کر ان کے تعاقب میں دوڑے اور نالے کے اندر چاروں طرف سے

گھیر لیا، اور پتھروں اور نیزوں سے مارنا شروع کیا، اور سب کو وہیں قتل کر ڈالا ان میں سے ایک کو زندہ نہ چھوڑا اور ان کے کپڑے لے لے ہتھیار وغیرہ لے کرستی کو چلے آئے۔

غرض قتل عام میں کسی کی قید نہ تھی، جو چند مہاجر اور مجاہد اپنے حرم و تندر اور حاضر دہائی کی وجہ سے نکل بچنے میں کامیاب ہو گئے، ان میں مولانا خیر الدین شیر کوٹی بھی تھے، وہ اپنے بہت سے رفقاء کے ساتھ اس محاصرہ سے نکل آئے اور سید صاحب کے پاس بحفاظت پہنچ گئے، سید صاحب ان کی سلامتی پر خدا کا شکر بجالائے اور ان کی آمد کی خوشی میں توپیں داغی گئیں تاکہ دشمنوں کے دل میں اس کی ہیبت بیٹھ جائے، آپ نے ایک ایک رات لوگوں کو ان کی میزبانی کا حکم دیا اور ان کے لئے نئی پوشاک اور نئے جوتے کا انتظام کیا۔

اس ظلم و بربریت کا شکار وہ لوگ بنے جو مہاجرین و مجاہدین کا عطر اور خلاصہ کہے جاسکتے ہیں، یہ لوگ اپنے زہد اور شوق آخرت میں اور امانت و دیانت میں بے نظیر تھے، شب زندہ دار عبادت گزار جن کا دن گھوڑوں کی پشت پر اور دین کی نصرت میں گزرتا تھا، اور رات مناجات الہی اور اس کے حضور گریہ و زاری اور بے چینی و بے قراری میں۔

تَمَيَّزُوا فِي جُودِهِمْ عَنِ الْمَضَاجِحِ
يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا
ان کے پہلو خواہگا ہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں،
اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے
(السجدہ - ۱۶) اور خون سے پکارتے ہیں۔

غرض اس طرح یہ جماعت جو خود ان کی نصرت کے لئے اور ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے اور ظالموں و مفسدوں سے ان کی گلو خلاصی کے لئے چلی تھی، خود ان کے ظلم و بربریت کا شکار ہو گئی۔

لہ میرت سید احمد شہید - ص ۲۲۹

غیب سے یہ صدا آج بھی کانوں میں گونج رہی ہے۔
 يَا أَيُّهَا الذَّنْبُ قُتِلْتُ (سورہ تکویر - ۹) آخر اس کو کس جرم میں قتل کیا گیا۔

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
 کہ اس مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

نئی ہجرت بنیاء جہاد

اس حادثہ فاجعہ کا سید صاحب کے دل پر بہت گہرا اثر پڑا آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کریم النفسی، عالی حوصلگی، کشادہ دلی، قوت برداشت، اور اپنے دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا جو حصہ وافر ملا تھا، اس کو دیکھ کر عقل حیرت زدہ رہ جاتی ہے، اس باب میں آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تھے، جو قطع تعلق کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی، جو اپنا ہاتھ کھینچے اس کے لئے بذل و عطا، اور جو ظلم و زیادتی کرے اس کے ساتھ احسان آپ کا شیوہ تھا، اپنے لئے غصہ کرنا، اور کسی انسان کی طرف سے اپنے دل میں کینہ و بغض رکھنا آپ کی عادت نہ تھی، چنانچہ جن لوگوں نے آپ کو زہر دے کر شہید کرنے کی کوشش کی تھی ان کو نہ صرف آپ نے معاف کر دیا، بلکہ ان کے ساتھ احسان بھی کیا، اور یہ کوشش کی کہ ان کو کوئی گزند نہ پہنچے، کسی برائی کرنے والے کے ساتھ آپ کا سلوک کوئی دیکھتا تو سمجھتا کہ اس نے شاید آپ کے ساتھ کوئی احسان کیا ہے، اور انعام و شکر کا مستحق ہے۔ لیکن اس سانحہ کی نوعیت مختلف تھی، یہ ایک عقلی و فکری صدمہ اور اجتماعی سلاحتھا

جوان کی ذات سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا، اور اس کے لئے کسی عالی ظرفی اور فراخ حوصلگی کی ضرورت نہ تھی، اس طرح کے حوادث و آلام کے لئے آپ کے فراخ سینہ میں کافی گنجائش تھی، لیکن یہ سانحہ اس بات کا مقتضی تھا کہ سارے مسئلہ کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور نفع نقصان کا دوبارہ موازنہ کیا جائے۔

اس المیہ کی مثال ایک ایسے کسان سے دی جاسکتی ہے، جو اپنی زمین میں اعلیٰ سے اعلیٰ بیج ڈالے، بلکہ اپنا تخم دل اس کے حوالہ کر دے اور اپنے خون اور پسینے سے اس کی آبیاری کرے، اچھی سے اچھی کھاد کا استعمال کرے، اور اس کی پرورش اور نگہداشت میں دن رات ایک کر دے، اور جب اس کا سر سبز و شاداب چمن تیار ہو جائے تو کوئی کسان اور اس کا کوئی ساتھی اور پڑوسی اس کو آگ لگا کر اچانک تباہ و برباد کر دے، یہ المناک سانحہ یہاں ایک بار نہیں بار بار پیش آیا، اگر ایک ہاتھ تعمیر کرتا تو ہزار ہاتھ اس کو ڈھانے اور گرانے کے لئے موجود ہوتے، اب کیا اس زمین میں دوبارہ یہاں بیج ڈالنے اور از سر نو اس کی آبیاری، نگرانی و محنت و جانفشانی اور پھر اس کے نامعلوم نتیجہ کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانا چاہئے؟ وہ سر زمین جس نے سید صاحب کی ناقدری و محسن کشی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا یا خدا کی وسیع سر زمین میں کسی نئے اور پاک و صاف خطہ کو اپنی جد و جہد کا مرکز بنانا چاہئے، اور ان بیجوں کی جو باقی رہ گئے ہیں، حفاظت کرنی چاہئے؟ آپ جانتے تھے کہ ایک کتابھی جب کسی در پر بار بار آتا ہے، تو لوگ اس کا حق مانتے ہیں اور روٹی کا ایک ٹکڑہ اس کے سامنے ضرور پھینک دیتے ہیں، وہ بھی گھر والوں سے مانوس ہو جاتا ہے، اور ان کو چھوڑنا یا ان کے ساتھ بے وفائی کرنا نہیں جانتا تو کیا وہ اور ان کے رفقا ران پالتو جانوروں سے بھی گئے گزے ہیں؟ اور کیا وہ اب تک صرف صحرا میں صدا گار رہے تھے؟ اور ہوا میں

محل بنا رہے تھے؟ اور اپنی ساری قوت و طاقت غلط جگہ پر ضائع کر رہے تھے؟
 جس چیز نے ان کے زخم کو اور گہرا کر دیا تھا، اور ان کو روحانی اذیت پہنچائی تھی،
 وہ یہ بات تھی کہ فتح خاں پنجتاری نے (جنھوں نے آپ کو اپنے علاقہ میں آنے کی دعوت دی تھی
 اور وعدہ کیا تھا کہ وہ اور ان کی قوم آپ کے ساتھ وہ سلوک کرے گی جو انصار نے مہاجرین
 کے ساتھ کیا تھا) اس موقع پر کھل کر سازشوں اور مفسدین کا ساتھ دیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ
 کسی شخص پر اعتماد کرنا مشکل ہو گیا، اور کسی کی وفاداری پر بھروسہ خام خیالی نظر آنے لگی،
 سید صاحب نے فتح خاں سے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ
 ”ہم کو تو اب ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنے دل کا علاج کریں کہ کلمہ گو یوں کی طرف سے ہمارا
 شک زائل ہو“

لیکن سید صاحب نے اپنے فیصلہ میں کسی جلد بازی سے کام نہیں لیا، بلکہ اپنے
 ان اسباب و محرکات کو معلوم کرنے کی کوشش کی جو اس بہیمانہ قتل و غارت گری کی پشت پر
 کار فرما تھے، اس کے لئے آپ نے اس علاقہ کے علماء، سادات و خواہین اور بعض سرداران قبائل کو
 خطوط ارسال کئے اور فتح خاں سے بھی اس معاملہ میں مدد چاہی اور ان کو پنجتار آنے کی دعوت
 دی تاکہ اس اہم مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا جاسکے۔

اپنے رفقاء کو آپ نے ان کی ضیافت و مہمان نوازی کی خوب تاکید کی اور یہ ہدایت
 کی کہ اگر کوئی ایسا شخص ان کو نظر آئے جس کا اس قتل میں حصہ ہو تو ہرگز شکوہ شکایت نہ کریں،
 نہ ترشروی سے پیش آئیں بلکہ اس کی اور زیادہ خاطر مدارات کریں۔

جو لوگ اس موقع پر جمع ہوئے ان میں بے گناہ بھی تھے، اور وہ بھی جن کے ہاتھ شہداء
 کے خون سے رنگین تھے، مہاجرین نے ان دونوں میں واقعی کوئی فرق محسوس نہ ہونے دیا،

اور دونوں کے ساتھ ضیافت و پذیرائی کا یکساں معاملہ کیا، سید صاحب اور ان شرکار کے درمیان دیر تک گفتگو ہوئی، آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ وہ کیا اسباب تھے جنہوں نے ان کو قتل و خون پر آمادہ کیا، انہوں نے ان اسباب کا ذکر کیا جس پر بار بار بحث کی جا چکی تھی نیز ان افواہوں کا تذکرہ کیا جو اس جماعت کے متعلق وہاں پھیل گئی تھیں، اور بعض عمال و محصلین کے اس رویہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی جس سے مقامی باشندوں کو شکایت تھی۔

سید صاحب نے ان سب باتوں کا ثانی و وافی جواب ارشاد فرمایا، اس موقع پر مقامی اور غیر ملکی علماء میں سے بعض حضرات نے بھی تقریریں کیں، اور یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ ان کے دلائل میں کوئی وزن نہیں ہے، اور ان کے پاس کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اتنے بڑے قتل عام (جس میں مہاجرین و مجاہدین کا بہترین پوڑہ تہ تیغ کر دیا گیا تھا) کا جواز پیدا کر سکے۔

بالآخر سید صاحب نے اس علاقہ کو (جس نے آپ کی ساری مساعی کو خاک میں ملادیا اور احسان کا بدلہ ظلم سے اور وفا کا غداری و بے وفائی سے دیا اور مستقبل کی ساری توقعات پر پانی پھیر دیا) خیر باد کہنے کا فیصلہ کیا۔ اس موقع پر آپ کے بعض رفقاء نے یہ کوشش کی کہ آپ اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی کریں، خاص طور پر مولانا خیر الدین شیر کوٹی نے آپ سے اس مسئلہ پر گفتگو کی اور کہا کہ آپ جو یہاں سے ہجرت کی تیاری فرما رہے ہیں تو میری ناقص رائے یہ ہے کہ یہاں سے منتقل ہونا مناسب نہیں ہے، اگر آپ دوسرے ملک میں جائیں گے تو پھر ایک مدت مدید چاہئے کہ وہاں کے لوگوں کو وعظ و نصائح کریں اور ان کی عادات و خصلتوں سے واقف ہوں

پھر دیکھتا چاہئے کہ وہ لوگ کس قسم کے ہوں، آپ کے وہاں ٹھہرنے سے راضی ہوں یا نہ ہوں، اس سے تو ہمیں ٹھہرنا مناسب ہے، کیونکہ یہاں کے آدمی برتے ہوئے ہیں، مخلص و منافق اور مطیع و باغی ایک دوسرے سے ممتاز ہو گئے ہیں، جہاد کا جو معاملہ یہاں آسانی سے بنے گا اس کو دوسری جگہ ایک مدت دراز چاہئے۔

آپ نے فرمایا بات تم سچ کہتے ہو مگر یہاں قیام کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی کیونکہ مخلص لوگ تو تھوڑے ہیں، اور مفسد بہت، اب ان سے ہدایت و صلاحیت کی امید نہیں رہی، ایک بار ان سے دھوکا کھا کر پھر ان میں رہنا دینداری اور ہوشیاری سے بھی بعید ہے، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لا یلدغ المؤمن من جحر مرتضیٰ سوات کا ملک جو اس علاقہ کی پشت پر ہے، وہ بھی مخالف ہے۔

اس کے علاوہ فتح خاں جس کے یہاں ہم مقیم ہیں، اس کی طرف سے بھی ہم کو اعتماد جانا رہا اگر تمام لوگ مخالف ہوتے تو کچھ بھی پروا نہ تھی، نقطہ یہ ہمارے قیام سے راضی ہوتا تو بھی یہاں رہنے کی ایک صورت تھی، اب یہاں کے لوگوں سے مجھ کو ایسی نفرت معلوم ہوتی ہے، جیسی آدمی کو اپنی قے سے اب یہاں سے ہجرت ہی کرنی بہتر ہے۔

مولوی خیر الدین صاحب نے کہا کہ ہم فرزند دار ہیں، آپ جس طرف کو چلیں گے ہم لوگ بلا عذر آپ کے ہمراہ ہوں گے۔

ارباب بہرام خان نے کہا کہ آپ اجازت دیں تو میں لشکر کا ایک حصہ اور توپ لے کر دیہاتوں کا دورہ کروں اور انشاء اللہ جنگ کی نوبت بھی نہیں آئے گی اور سب تابع ہو جائیں گے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ بھائی اول اول جب ہم اس ملک میں پہنچے تو نہ ہم اس قوم کے

لے مومن ایک مورخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا، یعنی ایک جگہ سے کئی کئی بار دھوکہ نہیں کھاتا۔

حالات سے واقف تھے، نہ وہ ہماری حالت سے ہم نے کئی سال وعظ و نصیحت کے ساتھ ان کی دجوئی کی جب اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تو ہم نے حاکمانہ معاملہ کیا اور فہمائش اور دلائل کے ساتھ اپنے احکام کی حقیقت ثابت کرنے سے دریغ نہیں کیا، اور ہمارا مقصود اس تمام جدوجہد سے محض دین حق کا اجرا تھا، اس پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ ان کی سرکشی اور تمرد میں اتنی ترقی ہوئی کہ اتنے مسلمانوں کو جو اپنے ملک کا خلاصہ اور لب لباب تھے، شہید کر دیا، ہمارا نیت اس پورے طرز عمل سے ملک گیری یا جاہ طلبی کی نہ تھی، ہمارا مقصود محض اصلاح و تربیت تھا، اب ہم اس ملک کے لوگوں کو منقسم حقیقی کے انصاف پر چھوڑتے ہیں اور اپنے باقی ماندہ رفیقوں کو لے کر کسی دوسرے ملک کی طرف رخ کرتے ہیں، اس لئے کہ جب ہم نے اپنے ملک سے ہجرت اختیار کی تو جہاں کہیں راست باز اور صادق القول لوگ ملیں گے، وہیں ہم قیام اختیار کر لیں گے کچھ اسی ملک پر انحصار نہیں ہے۔

جب آپ کی ہجرت کی خبر مشہور ہوئی تو جو حقانی عالم و مخلص سادات اور معتقد خواہین پنجتار میں حاضر تھے، سب کو اس خبر سے بڑا رنج ہوا، یہ خبر سن کر اطراف و نواح کے مخلصین و معتقدین بھی آنے لگے اور کہنے لگے کہ کسی طرح آپ یہاں سے نہ جائیں، ایک روز سردار فتح محمد خاں کی قوم کے لوگ جو اطراف کی بستنیوں میں رہتے تھے، جمع ہو کر پنجتار آئے اور فتح خاں کو ساتھ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت عصر و مغرب کا درمیان تھا، اور آپ مسجد میں بیٹھے تھے، فتح خاں نے عرض کی میری قوم کے لوگ آئے ہیں، اور آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا اچھا بیان کرو یہ بھائی کیا کہتے ہیں، فتح خاں نے کہا یہ سب صاحب عرض کرتے ہیں کہ آپ یہاں سے کہیں تشریف نہ لے جائیں، ہم سب آپ کے فرماں بردار اور جاں نثار ہیں، ہم سے

۱۔ منظورۃ السعداء ص ۱۱۳۔

آج تک آپ کی خدمت میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں ہوئی۔

آپ نے فرمایا یہ بھائی سچ کہتے ہیں، آج تک ان سے کوئی قصور صادر نہیں ہوا ہم ان سے راضی ہیں ان پر بغاوت کا حکم نہیں لگاتے اور جو یہ کہتے ہیں کہ سید بادشاہ یہاں سے نہ جائیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزا خریدے! بات یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ملک سمہ و سوات، بستر وغیرہ وغیرہ کے تمام لوگ یہ کہیں کہ تم یہاں سے نہ جاؤ اور اکیلے تم کہو کہ جاؤ تو میں چلا جاؤں گا اور تمام لوگ کہیں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور تم اکیلے کہو کہ نہ جاؤ تو میں ہرگز نہ جاؤں گا، اگر اس بات کے کہنے سے تم کو کچھ لحاظ معلوم ہوتا ہو تو اپنے دل کی بات چپکے سے میرے کان میں کہہ دو۔

یہ فرما کر آپ نے فتح خاں کو اپنے پاس بٹھا کر اپنا کان فتح خاں کے منہ کے پاس کر دیا، بہت دیر تک فتح خاں کچھ باتیں کرتا رہا، آپ بھی اس کے کان میں کچھ باتیں کرتے رہے تمام لوگ دور سے دیکھتے رہے، مگر کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ باتیں کیا تھیں۔!

جب سید صاحب فتح خاں سے باتیں کر چکے تو آپ اس کی قوم کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ ”بھائیو ہم تم سے راضی ہیں، تم پر بغاوت کا حکم نہیں لگاتے ہم جو یہاں سے جاتے ہیں تو کسی مصلحت سے جاتے ہیں، اور ہم تمہارے فتح خاں کو خلیفہ بنا کر جائیں گے جو کچھ عشر کا علم تم سب ہم کو دیتے تھے، اب ان کو دیا کرنا، اور شریعت کے جو احکام فتح خاں تم کو تعلیم کریں ان کو قبول کرنا اور ان سے کسی امر میں بغاوت نہ کرنا اور ہندوستان کے جو لوگ اس طرف ہو کہ کبھی آئیں تو ان کی خاطر داری کرنا ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا۔“

اسی طرح ان کو اچھی طرح سمجھا بچھا کر رخصت کیا۔

ایک روز آپ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھے سردار فتح خاں بھی اس وقت موجود تھا، آپ نے اپنا کرتا اپنے ہاتھ سے خان مہرچ کو پہنایا اور اپنا عمامہ اس کے سر پر باندھا

اور خلافت نامہ لکھوا کر دیا۔

روانگی سے پیشتر آپ نے اپنے ساتھیوں اور مقامی مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ بھائیو اللہ تعالیٰ نے تم کو اس عبادت (جہاد) میں شریک کیا، اور تم نے محض لوجہ اللہ اس راستہ کے گرم و سرد کو برداشت کیا، تم نے نصرت و رفاقت کا حق ادا کیا اب ہم اس ملک سے دور دراز ملک کا قصد رکھتے ہیں ہم کو خود معلوم نہیں کہ کہاں جائیں گے سفر کو قطعہ من العذاب کہا گیا ہے خصوصیت کے ساتھ یہ سفر کو ہستان کا ہے، اس میں کھانے پینے کی تکلیف ضرور ہوگی اور بالوفات و عادات کو ترک کرنا ہوگا، اس لئے وہ شخص ہمارے ساتھ چلے جو صبر و استقامت کے لئے تیار ہو اور مالک کی شکایت زبان پر بھی نہ لائے، ہم ابھی سے خبردار کر دیتے ہیں کہ تکلیف کے پیش آنے کے وقت کوئی یوں نہ کہے کہ سید نے ہم کو دھوکا دیا یا یہ کہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ اتنی تکلیفیں پیش آئیں گی پس جو شخص اپنے اندر صبر و استقامت کی طاقت پائے وہ ہمارا شریک ہو۔

پنجتار سے بالا کوٹ تک

ماہ رجب ۱۲۷۶ھ میں سید صاحب نے روانگی کا اعلان کیا، راستہ میں جاں طلب نواسہ سید موسیٰ بن سید احمد علی شہید سے ملاقات ہوئی، وہ سید صاحب کا بے چلتی سے انتظار کر رہے تھے، سید صاحب نے ان کے پاس خاطر کے لئے ایک روز وہاں قیام بھی فرمایا، دوسرے روز راستہ ہی میں آپ کو ان کے انتقال کی اطلاع ملی۔

اس درمیان میں آپ کو کئی بار ہجرت کے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی لیکن آپ نے خوش اسلوبی اور نرمی کے ساتھ معذرت کر دی، بلکہ ان باغیوں اور غداروں کو مختلف تحائف اور ہبے دے کر اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

راستہ میں سید صاحب مختلف موقعوں پر وعظ و نصیحت بھی کرتے جاتے تھے، اور جہاد اور ہجرت کی فضیلت اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس خوشنودی اور انعام و اکرام کا وعدہ ہے، اس کی تفصیل بیان کرتے تھے جس سے ان مہاجرین و مجاہدین کے دلوں میں ایک نیا حوصلہ و ولولہ پیدا ہوتا۔

بزدھیری سے روانگی سے ایک روز پہلے آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ بھائیو کل سویرے کوچ ہوگا، ہوشیار ہو رہو، اور جن صاحبوں کو کچھ کارِ ضروری ہو اس سے فراغت کر لیں، اسی کے بعد اسی مجلس میں آپ نے بہت دیر تک ہجرت و جہاد کے فضائل اور مجاہدین شہداء کے بلند مراتب کا بیان کیا یہ سن کر حاضرین کے قلوب از سر نو تازہ ہو گئے اور وہ سفر کی تکلیفوں کو بھول گئے جیسے مہجائی ہوئی کھیتی پانی دینے سے لہلہا اٹھے۔

ہجرت کا یہ راستہ بھی اپنی دشوار گزاری اور سختی میں اس راستہ سے کم نہ تھا، جس سے مہاجرین پہلے یہاں آئے تھے، ان کے راستہ میں ایک بار کھپر بلند پہاڑ تھے، جن پر چڑھائی آسان نہ تھی، بعض مقامات پر دن کو کڑا کے کی سردی سے واسطہ پڑا اور محنت و مشقت کے ساتھ فقر و فاقہ کی نوبت بھی آئی، لیکن سید صاحب ہمراہیوں کو برابر اجر و ثواب کی امید دلاتے، ان کا حوصلہ بڑھاتے، اور راہ جہاد میں ہر قسم کی تکلیفوں کو برداشت کرنے پر آمادہ کرتے اور خود بھی راحت و تکلیف میں ان کے ساتھ شریک رہتے ان دنوں میں آپ کا چہرہ فرط مسرت سے دکھتا تھا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے آپ انتہائی عیش و آرام میں ہیں۔

اور نہایت شوق و ذوق کے ساتھ اپنے اصل آشیانہ یا نشیمن کی طرف مائل پرواز ہیں، اپنے اخلاق و شفقت اور اپنی باتوں سے آپ لوگوں کو اپنے سے قریب اور مانوس رکھتے اور ان کی ملاحظت و دلداری کرتے رہتے، مختلف دیہاتوں اور قصبوں میں کئی کئی روز قیام فرماتے اور وہاں کے مقامی نزاعات اور قبائلی اختلافات کو ختم فرماتے، اور لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتے، اللہ تعالیٰ غیب سے رزق مہیا فرماتا، جگہ جگہ ان کی ضیافت ہوتی اور عزت و محبت کے ساتھ ان کو مہمان بنایا جاتا، اسلامی زندگی، مساوات، ایثار و ہمدردی اور تعاون "علی البر والتقویٰ" پوری شان کے ساتھ یہاں جلوہ رہتا تھا۔

راستہ ہی میں آپ کو خبر مل گئی تھی کہ جس وقت انھوں نے پنجتار کو چھوڑا اس کے بعد ہی ہری سنگھ حاکم ہزارہ ایک لشکر جبار لے کر جو چکیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے، روانہ ہوا، اور اس نے دریائے سندھ کو پار کر کے وہاں کے گاؤں والوں کو اپنے قتل و غارتگری اور لوٹ مار کا نشانہ بنایا اور اس کے لشکریوں نے بڑی تعداد میں مسلمان لڑکیوں کو اور مسلمانوں کی بیویوں کو اغوا کر لیا ہے۔

یہ صاحب اس گھاٹی میں تشریف لائے جو کشمیر کے راستہ میں پڑتی ہے، آپ نے وہاں اس کے پہرہ و استحکام کا انتظام کیا۔

موضع راج دواڑی میں اکثر غازیوں نے آپ کے ہاتھ پر اصحاب صفہ کی بیعت کی اس بیعت میں عہد و پیمانہ یہ تھا کہ وہ اپنی چھوٹی بڑی سب حاجتوں کو سوائے خدا کے کسی سے طلب نہ کریں گے، اور جو بات اپنے حق میں معیوب و مکروہ جانیں گے وہ اور کسی مسلمان بھائی کو نہ کہیں گے، اور اپنی ضرورت پر مسلمان بھائی کی ضرورت مقدم رکھیں گے، اور جو چیز اپنے نفس کے لئے پسند کریں گے وہی اور مسلمانوں کے واسطے بھی پسند کریں گے۔

اس پہاڑی علاقہ میں سکھوں کے تاخت و تاراج کی وجہ سے بڑی بے اطمینانی کیفیت پائی جاتی تھی، سکھ ان امراء اور سرداران قبائل کو ایک دوسرے سے لڑاتے رہتے تھے، بعض سرداروں کو ان کے ملک سے نکال دیا گیا تھا، چنانچہ یہ لوگ سب سید صاحب سے آکر مل گئے۔

کشمیر پر قبضہ کے لئے اور اس کو دعوت و جہاد کا مرکز بنانے کے لئے ان عناصر کا اتحاد ضروری تھا، بالا کوٹ جو وادی کاغان کے قریب واقع تھا، اور تین طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا، اس نقل و حرکت کا بہترین مرکز بن سکتا تھا، اور قدرت نے اس کو ایک مستحکم قلعہ کی شکل دے دی تھی، چنانچہ یہ رائے طے پائی کہ اسی جگہ کو مجاہدین کا مرکز بنایا جائے۔

سید صاحب نے مولانا محمد اسمعیل صاحب کو وہاں روانگی کا حکم دیا، مولانا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دوپہر کے قریب بھوگڑ منگ سے بالا کوٹ کی طرف روانہ ہوئے، چلتے چلتے پہاڑ کی چڑھائی آئی وہاں کئی چشمے جاری تھے، ظہر کا وقت ہوا سب نے وضو کر کے وہیں نماز پڑھی پھر قطار باندھ کر پہاڑ پر چڑھنے لگے، تمام پہاڑ برف کی وجہ سے سفید بلور سے نظر آ رہے تھے، گوجر پیال کی چیل پاؤں میں پہنے برف پر چلتے تھے، ان کے چلنے سے برف پر نشان سا بنتا جاتا تھا، اسی نشان پر سب آگے پیچھے چل رہے تھے، اس عرصہ میں ابرا گیا، اور برف برسنے لگی عصر اخیر کو برف برسی موقوف ہوئی اور آفتاب نظر آیا اسی وقت لوگوں نے جلد جلد اسی برف سے وضو کر کے جس نے جہاں موقع پایا وہاں نماز پڑھی کسی نے اکیلے کسی نے جماعت سے، کسی نے پہاڑ کی چوٹی پر مغرب کی نماز پڑھی کسی نے درے میں، اسی وقت لوگوں نے رمضان المبارک کا چاند دیکھا۔

وہاں سے پہاڑ کا اتار شروع ہوا برف کی کثرت سے پہاڑ کا نشیب و فراز برابر ہو گیا تھا، راستہ کا پتہ نشان نہیں معلوم ہوتا تھا، سب لوگ اٹکل سے چل رہے تھے، اور جا بجا ایک دوسرے پر پھسل پھسل کر گرتے تھے، اس وقت تکلیف کے مالے لوگ اپنی زندگی سے تنگ تھے، جو دو چار بار پھسل کر گرا اس میں چلنے کی طاقت نہ رہی، بار برداری کے جو چند خچر گوہ بارود وغیرہ سے لدے ہوئے تھے، وہ بھی لوگوں سے چھوٹ گئے، اسی اثنا میں کئی آدمیوں نے پکار کر آواز دی کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب گر گئے، یہ سن کر تمام لوگ غم کے مالے رونے لگے دامن کوہ میں جا بجا چند گھر گوبروں کے تھے، ناصر خاں کے ساتھی گوبروں نے اپنی بولی میں گوبروں کو پکارا کہ جلد دوڑو غازی لوگ برف میں گر گئے، ان کو اٹھاؤ۔

بالاکوٹ میں

۵ ذیقعدہ ۱۲۵۶ھ کو بید صاحب مع اپنے لشکر کے بالاکوٹ روانہ ہوئے۔ ادھر بالاکوٹ سے فجر کی نماز پڑھ کر مولانا محمد اسماعیل صاحب سب لوگوں کو لے کر آپ کے استقبال کو آئے، جب آپ پہاڑ سے اتر کر موضع بستنی کے نالے پر پہنچے تو وہاں مولانا صاحب اور سب لوگوں سے ملاقات ہوئی، سب کے ساتھ آپ بالاکوٹ میں داخل ہوئے، بستنی کے خان واصل خاں نے آپ کے لئے اپنی جویلی خالی کر دی، اس میں آپ اتنے باقی لوگ بستنی کے دوسرے گھروں میں۔

بالاکوٹ وادی کا خان کے جنوبی دہانے پر واقع ہے، یہاں پہنچ کر وادی... کو

پہاڑی دیوار نے بند کر دیا ہے، دریا کے کنارے کنھار کے منفذ کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، پہاڑ کی دو دیواریں، متوازی چلی گئی ہیں، سج میں خلا ہے، جس کا عرض آدھ میل سے زیادہ نہیں، اسی خلا میں دریا کے کنارے گزرا ہے۔

بالاکوٹ کے مشرق میں کالو خاں کا بلند ٹیلہ واقع ہے، جس کی چوٹی پر کالو خاں نام کا گاؤں ہے، مغرب میں مٹی کوٹ کا ٹیلہ ہے، جو بہت بلند ہے، ٹیلے کے شمالی حصہ میں چوٹی پر مٹی کوٹ گاؤں ہے، جس کے بارے میں مثل مشہور تھی کہ جس کا مٹی کوٹ اس کا بالاکوٹ، ایک پرانی پگڈنڈی جنوبی و مغربی سمت کے پہاڑوں میں سے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچتی تھی، مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک راستہ جو ہندوستان کے سلاطین قدیم کا تراشا ہوا تھا، اس چوٹی تک جاتا تھا، مرور زمانہ سے وہاں بڑے بڑے درخت کھڑے ہو گئے تھے، اور جنگل ہو گیا تھا، پہاڑوں سے لڑھک کر گرنے والے پتھروں نے بھی اس راستہ کو خراب کر دیا تھا، لیکن مقامی لوگوں کو اس راستہ کی شناخت تھی۔

بالاکوٹ کے شمالی جانب تین ٹیلے ہیں جنہوں نے مل کر ایک دیوار بنا دی ہے، وہ دیوار بالاکوٹ کے شمالی اور مغربی گوشے سے شروع ہو کر شمالی اور مشرقی گوشے تک چلی گئی ہے، مغرب کی سمت میں ست بنے کا ٹیلہ ہے، جس پر اسی نام کا گاؤں آباد ہے۔

جنوب کی سمت میں کنھار کی وادی ہے، جس نے کاغان سے باہر نکلنے ہی بالاکوٹ کے پاس جنوبی و مغربی رخ اختیار کر لیا ہے۔

حلقہ کے عین سج میں ایک ٹیلہ یا قدرتی پشتہ ہے جس پر بالاکوٹ کا قصبہ آباد ہے، پشتہ کے شمالی و مغربی سمت میں زمین کی سطح تک مکان چلے گئے ہیں، اور عام پہاڑی آبادیوں کی طرح درجہ بدرجہ ہیں، یعنی نیچے کے مکان کی چھت اوپر کے مکان کا صحن ہے۔

شیرنگہ دریائے کنھار کے مشرقی کنارے بالا کوٹ سے دو ڈھائی کوس پر اپنے
 لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، واقع "میں ہے کہ لوگ بالا کوٹ سے اس کے خیمے
 ڈیرے دیکھتے تھے، اس کے لئے بالا کوٹ پر حملہ کی دوہی صورتیں ہو سکتی تھیں، یا وہ پہاڑ پر
 اس پرانی پگڈنڈی سے چڑھتا جو جنوبی و مغربی سمت کے پہاڑوں میں سے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر
 پہنچتی ہے، اور مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچ کر نیچے اترتا یہ راستہ کسی مقامی واقف حال آدمی
 کی رہبری کے بغیر طے نہیں ہو سکتا تھا، اس راستہ سے بھاری سامان اور توپیں بھی لے جانا
 ممکن نہ تھا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ وہ دریائے کنھار کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ
 بالا کوٹ کے سامنے پہنچتا یہ صورت نسبتاً آسان تھی، ان دونوں راستوں کی حفاظت اور
 ناک بندی ضروری تھی، اور سید صاحب نے بالا کوٹ پہنچتے ہی اس کا بند و بست فرمایا۔
 واقع احمدی میں ہے، ایک ملکی نے آکر خبر دی کہ آج سکھ لوگ اس پار اترنے کو
 دریا پر لکڑی کا پل بنا رہے ہیں، یہ خبر سن کر آپ نے حبیب اللہ خاں سے کہا کہ اس دریا کی
 کھڑکی پر تو ہمارے امان الشرفاں متعین ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور بھی آنے کا راستہ ہے؟
 انھوں نے عرض کیا کہ ہاں ایک اور پگڈنڈی ہے، جہاں مرزا احمد بیگ کا پہرہ ہے، آپ نے
 پوچھا وہ راستہ سکھوں کو معلوم ہے؟ خان موصوف نے عرض کیا کہ سکھوں کو تو معلوم نہیں مگر
 اسی ملک کا کوئی بھیدی اگر طبع دنیا سے کچھ لے کر ان کو لے آئے تو آسکتے ہیں، یہ سن کر آپ نے
 فرمایا کچھ اندیشہ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اس کے اگلے روز فجر نے آکر خبر دی کہ آج سکھوں کا لشکر دریا کے اس پار اترتا ہے
 مگر ادھر نہیں آتا، اور طرف جاتا ہے، آپ نے سن کر فرمایا خیر لشکر ادھر آئے اور کہیں جائے

اللہ تعالیٰ ہمارا محافظ و ناصر ہے، پھر وہ شکر شام تک نہ معلوم ہوا کہ دیا اتر کر کہاں چلا گیا۔
 اس کے اگلے روز ظہر کے اخیر وقت مرزا احمد بیگ کے پہاڑ پر یکبارگی بندو قیں چلنے لگیں
 ادھر سب غازی ہوشیار ہو گئے اور کہنے لگے دیکھو تو یہ بندو قیں کیوں چلتی ہیں، اسی اثنا میں
 پہاڑوں پر جا بجا گوجر لوگ پکارنے لگے کہ سکھوں کا لشکر آپہنچا آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ مرزا
 احمد بیگ کی کمک کو جلد جائیں اور ان کو وہاں سے ادھر لے آئیں اور وہاں ان سے مقابلہ
 نہ کریں، مگر ابراہیم خیر آبادی کہ نشان بروار تھے اور ان کے جوڑی داد فرج الشریعی کو
 حکم ہوا کہ تم نشان لے کر جاؤ ان کے پیچھے سید الشہ نور شاہ ولایتی کو مع جماعت اور ان کے
 پیچھے آپ نے ایک اور نشان بھیجا، اس کے ہمراہ بھی کچھ لوگ تھے، ان چاروں نشانوں کے
 ہمراہ کچھ اوپر دو سو آدمی ہوں گے، کوئی پتہ نہ رہے، سب جا کر مٹی کوٹ پہنچے، ادھر سے
 مرزا احمد بیگ اپنی جماعت کے ساتھ آپہنچے اور کہنے لگے کہ اب آگے جا کر کیا کرو گے وہاں تو
 سکھوں کا لشکر آ گیا۔

مشہد بالا کوٹ

اس اثنا میں لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ بالا کوٹ سے ہٹ کر پہاڑی کے دامن
 میں آجائیں، اس سے یہ حملہ آور لشکر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے گا، اس طرح کی باتیں
 سن کر آپ نے فرمایا کہ کفار کے ساتھ چوری سے لڑنا ہم کو منظور نہیں، اسی بالا کوٹ کے
 نیچے ان سے لڑیں گے۔ اسی میدان میں لاہور ہے، اسی میں جنت ہے، اور جنت تو پروردگار نے
 لہ جنگ کے سلسلہ میں ایک مقام ضرور ایسا آتا ہے، جہاں فیصلہ کن جنگ اور ثبات و (باقی صفحہ ۲۲۵ پر)

ایسی عمدہ چیز بنائی ہے کہ ساری دنیا کی ریاست اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمام جہاں سے جو عمدہ چیز ہو، اس کو اپنے پروردگار کے نذر

کر کے اس کی رضامندی حاصل کروں اور اپنی جان کو اس کی راہ میں نثار کرنے کو تو میں ایسا

سمجھتا ہوں، جیسے کوئی ایک تنکا توڑ کر پھینک دیتا ہے۔

اسی صلاح و مشورہ میں دو ڈھالی گھڑی رات گزر گئی اس وقت یہ بات ٹھہری کہ

دریا کا پل توڑ کر غازیوں کا پہرہ اٹھالیا جائے چنانچہ یہی کیا گیا۔

عشا کی نماز کے بعد آپ نے ملاعل محمد قندھاری سے فرمایا کہ بھلا تم ستینی کے اس

نالے پر ہو کر اور پہاڑ کے اوپر جا کر سکھوں پر چھاپہ مار سکتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں کیوں

نہیں مار سکتے مگر اس شرط سے کہ آپ کو یہاں تنہا نہ چھوڑیں گے، اپنی جان کے ساتھ رکھیں گے

کیونکہ اتنے برس اس ملک میں رہ کر یہاں کے لوگوں کا حال خوب دیکھ لیا ان سے نفاق دور

ہونا بہت مشکل ہے، سکھوں کا جو لشکر پہاڑ پر آیا ہے، ان کو بھی ملکی لوگ لائے ہیں، ورنہ کیا مجال

تھی کہ آسکے۔

آپ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو حقیقت حال یہی ہے، اتنے برس ہم نے اس کا رخیر کے

واسطے طرح طرح کی کوشش و جانفشانی کی، اپنی دانست میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا،

(باقی صفحہ ۲۲۴ کا) استقامت کی ضرورت ہوتی ہے، یہ صاحب نے اس موقع پر پورے مقابلہ کا فیصلہ فرمایا

نظاہر بالاکوٹ چھوڑ کر چلے جانے کے مشورے قرین عقل معلوم ہوتے ہیں، لیکن زیادہ گہری نظر اور ایک غیور بہادر

کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ مشورہ قابل قبول اور یہ تدبیر کارگر نہ تھی، اس کا انجام صرف یہ ہوتا کہ

وقتی طور پر لشکر کی جان بچ جاتی مگر سکھ بالاکوٹ کی پوری بستی کو پھونک دیتے، اور ناکردہ گناہ آبادی کو

نہ تیغ کر کے رکھ دیتے۔

ہندوستان اور ترکستان میں اپنے خلفاء روانہ کئے انھوں نے بھی حتی الامکان دعوت
فی سبیل اللہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور ہم بھی جہاں جہاں گئے وہاں کے لوگوں کو ہر طریقہ پر
وعظ و نصیحت سے سمجھاتے رہے، مگر سوائے تم غزباد کے کسی نے ہمارا ساتھ نہ دیا، بلکہ ہم پر
طرح طرح کا افترا کیا، اب ہمارے کاتب بھی خطوط لکھتے لکھتے تھک گئے اور ہم کھیچتے کھیچتے
تنگ آگئے، اور کچھ ظہور میں نہ آیا، اب یہی خوب ہے کہ اپنے غازیوں کو پیروں پر سے اپنے پاس
بلوالیں، کل صبح کو اسی بالا کوٹ کے نیچے ہمارا اور کفار کا میدان ہے، اگر اللہ نے ہم عاجز بندو
کو ان پر فتیاب کیا تو پھر چل کر لاہور دیکھیں گے اور اگر شہید ہو گئے، تو جنت الفردوس میں
چل کر عیش کریں گے۔

اس وقت تمام لوگ عالم سکوت میں تھے، کوئی کسی طرح کا چون و چرا نہ کرتا تھا، پھر
آپ نے مٹی کوٹ کے سب غازیوں کو بلوا کر اپنے پاس جمع کر لیا۔

آپ نے سب غازیوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو آج کی رات اپنے پروردگار
سے بہ کمال اخلاص توبہ و استغفار کرو اور گناہوں کی بخشش چاہو، یہی وقت فرصت کا
ہے، کل صبح کو کفار سے مقابلہ ہے، خدا جانے کس کی شہادت ہے، اور کون زندہ رہے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ سکھ مٹی کوٹ سے اتر کر بالا کوٹ پر حملہ آور ہوں گے،
ایک موثر اور فیصلہ کن جنگ کے لئے انتظامات کئے گئے، قصبہ کا جائے وقوع اور میدان جنگ
کی طبعی کیفیت مجاہدین کے لئے سازگار تھی، اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی

حملہ آور جب مٹی کوٹ سے اترتے تو ان کو قصبہ پر حملہ کرنے سے پہلے (جو بندی پر واقع تھا)
اسی نشیبی میدان سے سابقہ پڑتا جو ٹیلے اور قصبہ کے درمیان واقع ہے، اس نشیبی میدان میں
دھان کے کھیت تھے، آپ کے حکم سے وہاں چٹھے کا پانی چھوڑ دیا گیا تاکہ سطح میدان دلہل میں

تبدیل ہو جائے جس کو عبور کرنا، اور وہاں جنگی نظام قائم رکھنا، حملہ آوروں کے لئے دشوار ہو
 اس کے بالمقابل مجاہدین کو جو قصبہ کی بلندی پر موجود اور مورچے لگائے ہوئے تھے ان پر
 حملہ کرنا آسان ہوا اور حملہ آور آسانی کے ساتھ ان کی گولیوں کی زد میں آجائیں۔
 اس تدبیر کے علاوہ مختلف مورچوں پر جہاں سے سکھ لشکر کے دباؤ اور زور کا اندیشہ
 تھا، مجاہدین کی مختلف جماعتوں کو مقرر کر دیا گیا تھا، زیادہ تر مورچے ست بنے کے نالے پر
 تھے، جو بالاکوٹ سے شمال مغرب کے گوشہ پر ہے، اور مٹی کوٹ سے اترنے والے لشکر کا اس
 طرف سے بالاکوٹ پر حملہ کرنا زیادہ متوقع تھا، یہاں سب سے پہلا مورچہ بلا لعل محمد قندھاری
 کا تھا، جو ست بنے کے نالے اور ٹیلے کے درمیان تھا، وہاں سے سلسلہ وار قصبہ کی جانب مولانا
 محمد اسماعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب کی جماعتوں کے مورچے تھے، پھر ناصر خاں اور
 حبیب اللہ خاں کے مورچے تھے۔

قصبہ کی تینوں مسجدوں اور مناسب مقامات پر بھی مورچہ بندی کر دی گئی۔
 واقع احمدی میں ہے، بالاکوٹ کے جانب مغرب مٹی کوٹ ہے، اس کی جڑ بھی زینے
 کی مانند ڈھلوان تھی، وہاں دھان بوئے جاتے تھے، حضرت امیر المؤمنین کی اجازت سے
 اس زمین میں چشمہ کا پانی رات ہی کو چھوڑ دیا گیا۔

بالاکوٹ میں تین مسجدیں تھیں، بستی کے بیچ میں ایک مسجد بڑی تھی، جس میں حضرت
 نماز پڑھتے تھے، ایک اور مسجد اس مسجد سے تھوڑی دور تھی، اور ایک مسجد بالاکوٹ کے نیچے
 اتار پڑھی، سو حضرت نے رات ہی کو اپنے سب غازیوں سے فرمایا کہ جس کو جو کچھ لکڑی یا پتھر
 دستیاب ہو وہ اپنے اپنے ٹھکانے پر لڑائی کے واسطے مورچہ بنائے پھر اپنے پاس سے سب کو
 رخصت کیا، اسی وقت جا کر لوگوں نے اپنے اپنے مورچے بستی کے کوارٹھنئے لکڑی پتھر لاکر

بنائے، اور چوکی پھروں کا بندوبست کر کے سوتے لگے۔

آپ مسجد سے اپنے ڈیرے پر تشریف لے گئے کھانا تناول فرمایا، اور اپنے کپڑے اور ہتھیار منگوائے، آپ نے چار کپڑے فشتی خواجہ محمد (حسن پوری) کو بھیجے کہ کل فجر کو یہی کپڑے پہن کر مقابلہ کو چلیں اور تین کپڑے حکیم قمر الدین پھلتی کو کہ وہ بھی کل فجر کو یہی پوشاک پہنیں، اور ایک ارفالقی، ایک دستار کا کریزی، ایک شمال کشمیری پٹکا اور سپید پانچجامہ، یہ چار کپڑے اپنے واسطے رکھے، اور ہتھیاروں میں سے ایک تفنگچہ، ایک لائٹی چھری، ایک ہندوستانی تلوار اور کٹار سے چار ہتھیار اپنے واسطے رکھے، پھر لوگوں سے فرمایا کہ اب اپنے اپنے بستر پر جا کر سو رہو، ہم بھی سوتے ہیں۔

میاں عبدالقیوم صاحب کہتے ہیں کہ وہ رات اس طرح وحشتناک تھی کہ اس کا بیان تقریر سے باہر ہے، آسمان پر ابر بھی تھا، اور بوندیاں بھی پڑتی تھیں، شام سے صبح تک تمام پرند جانور شور و غل کرتے رہے، خود اس بستی کے لوگ ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم نے ایک سے ایک اندھیری اور خوفناک رات دیکھی، مگر ایسی ادا اس اور خوفناک رات دیکھنے میں نہیں آئی۔

میاں لعل محمد جگدیس پوری کہتے ہیں کہ بالاکوٹ کی لڑائی سے کئی روز پہلے سے لڑائی کی خبریں سن کر لوگوں کو ایک ہیبت اور ادا سی معلوم ہوتی تھی، ویسا دھواں کبھی نہ دیکھا تھا، غازیوں میں اس کا تذکرہ ہوا، اور قاضی علاء الدین صاحب نے سید صاحب سے ذکر کیا، آپ کچھ دیر سکوت میں رہے، اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے اس کے بعد فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہمارے لشکر کے مجاہدین میں سے کچھ لوگ اہ خدا میں اپنی جانیں دے کر اپنی دلی مراد کو پہنچ کر کامیاب ہوں گے اور تم لوگوں میں سے کوئی شخص جدا بھی ہو جائے گا، آگے اس کی حقیقت الشرح جانے۔

شہادت کی صبح

۲۲، ذیقعدہ (۱۲۲۶ھ) کی صبح صادق اور صبح کی اذان ہوئی تو سب لوگ وضو کر کے مسلح ہو کر حاضر ہوئے آپ نے نماز پڑھائی پھر اجازت دی کہ اپنی اپنی جگہ جا کر ہوشیار رہو آپ بھی اپنے ڈیرے پر آکر وظیفے میں مشغول ہو گئے، جب آفتاب نکلا تو نماز اشراق پڑھ کر کچھ دیر کے بعد وضو کر کے سرمہ لگایا اور ڈاڑھی میں کنگھی کی اور لباس اور ہتھیار پہن کر مسجد کو چلے، اس وقت سکھ پہاڑ سے مٹی کوٹ کی طرف اترتے تھے، لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کر کے آپ سے عرض کیا کہ سکھوں کا لشکر پہاڑ پر سے اترتا ہے، آپ نے فرمایا کہ اترنے دو پھر آپ مسجد میں داخل ہوئے اور اس کے سائبان کے تلے بیٹھے اور ایک ایک دُودو کر کے بہت سے غازی بھی وہیں جمع ہو گئے۔

یہ وہ مبارک ساعت تھی، جب جنت آراستہ ہو کر ان کی نگاہوں کے سامنے آگئی، ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے ان کی آنکھوں سے پردہ سا اٹھ گیا ہے، اور بالاکوٹ کے پہاڑ کے پیچھے سے جنت کی خوشبو ان کے مشام جان کو معطر کر رہی ہے۔

الہی بخش رامپوری کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں پیالہ کے ایک سید چراغ علی تھے اور کھیر پکار ہے تھے، اور قرابین ان کے کندھے پر پڑی ہوئی تھی، سکھ مٹی کوٹ سے نیچے اتر رہے تھے، وہ اپنی کھیر بھی چیمے سے چلاتے جاتے تھے اور سکھوں کی طرف بھی دیکھتے تھے، اس وقت ان پر ایک اور ہی حالت واقع تھی، یکبارگی آسمان کی طرف دیکھ کر بولے کہ وہ دیکھو

ایک سو کپڑے پہنے ہوئے چلی آتی ہے، کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ دیکھو ایک پوشاک پہنے ہوئے آتی ہے یہ کہہ کر وہ چمچہ دیکھی پر مارا اور یہ کہتے ہوئے کہ اب تمہارے ہی ہاتھ کا کھانا کھائیں گے سکھوں کی طرف روانہ ہوئے کتنا ہی لوگ کہتے رہے کہ میرا صاحب ٹھیر جاؤ ہم بھی چلیں گے، انھوں نے کسی کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا اور جاتے ہی سکھوں کے مجمع میں گھس گئے اور داد جو امر دی دے کر شہید ہو گئے۔

ادھر آپ سائبان کے نیچے سے اٹھے اور سب لوگوں سے فرمایا کہ تم سب یہیں رہو، ہم اکیلے جا کر دعا کرتے ہیں، ہمارے ساتھ کوئی نہ آئے پھر سب لوگ جہاں کے تھاں ہتھیار باندھے تیار کھڑے رہے، آپ مسجد کے اندر گئے اور دروازہ اور کھڑکی کے کواڑ بند کر لئے اور دعائیں مشغول ہوئے، کچھ دیر کے بعد یکایک کھڑکی کھول کر آپ نے پوچھا مجھ کو کس نے پکارا؟ محمد امیر خاں کہتے ہیں، میں نے عرض کی کہ ادھر سے تو آپ کو کسی نے نہیں پکارا کیونکہ ادھر میرے سوا کوئی اور آدمی نہیں ہے، یہ سن کر پھر آپ نے کھڑکی بند کر لی کچھ دیر کے بعد پھر آپ نے کھڑکی کھول کر پوچھا مجھ کو کسی نے آواز دی؟ میں نے پھر عرض کیا کہ ادھر سے کسی نے آپ کو نہیں پکارا، الغرض تین بار کھڑکی کھول کر وہی پوچھا اور تینوں بار میں نے وہی جواب دیا کہ ادھر سے کسی نے آپ کو نہیں پکارا یہی حال بڑے دروازہ کی طرف گزرا۔

شیر محمد خاں کہتے ہیں کہ تیسری بار آپ نے وہی پکارنے کا سوال کیا اور لوگوں نے وہی پہلا جواب دیا، آپ مسجد سے نکلے اور جلد باہر کو روانہ ہوئے، صحن مسجد سے نکل کر بالاکوٹ کے نیچے اترنے لگے، آپ آگے تھے اور سب لوگ آپ کے پیچھے تھے، ایک مسجد جو نیچے اتار پڑھی، غازیوں کا ایک مورچہ اس میں بھی تھا، آپ اس میں تشریف لے گئے۔

میاں عبدالقیوم صاحب کی روایت ہے کہ جب آپ نیچے کی مسجد میں تشریف لائے

وہاں کے سکھوں کی گولیاں اولے کی طرح برستی تھیں، کوئی آدم گھڑی مسجد میں ٹھہر کر دوا سید
ابو الحسن سے فرمایا کہ نشان لیکر آگے چلو، پھر آواز بلند تکبیر کہتے ہوئے آپ حملہ آور ہوئے،
اس وقت ارباب بہرام خاں آپ کے آگے آگے سپرین کر چلتے تھے۔

حافظ و جہیہ الدین صاحب باغلتی کہتے ہیں کہ میں بندوق لگاتے لگاتے ایک نالہ پر
پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ چند آدمیوں کے ساتھ مید صاحب قبلہ رو بیٹھے ہوئے بندوق میں چلا رہے
ہیں، اس وقت حضرت نے میرے روبرو اپنی داہنی چھاتی پر بندوق جما کر فرمایا تو مجھ کو آپ کے
داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں یا اس کے پاس والی میں تازہ خون نظر آیا، میں نے قیاس سے
معلوم کیا کہ شاید آپ کے مونڈھے میں گولی لگی ہے، بندوق چھاتی پر رکھتے وقت اس کا
خون آپ کی انگلی میں لگ گیا ہے، اسی دوران حضرت نے فرمایا کہ بھائیو ان موذیوں کو تاک
تاک کر گولیاں مارو۔

محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں، اس وقت آسمان صاف تھا، نہ ابر تھا نہ غبار
دھوپ پھیلی ہوئی تھی، مگر بارود کے دھوئیں کے سبب سے اس طرح کی تاریکی تھی کہ نزدیک
کا آدمی بھی مشکل پہچانا جاتا تھا، سکھوں کی بندوقوں کے کارتوس کے کاغذیوں معلوم ہوتے
تھے، جیسے ٹیریاں اڑتی ہیں، وہ وقت نہایت اداس اور خوفناک نظر آتا تھا، سب مجاہدین
نے قرابین اور بندوقیں گلے میں ڈال کر تلواریں پکڑ لیں اور یکبارگی آواز بلند اللہ اکبر
اللہ اکبر کہہ کر حملہ آور ہوئے، اس وقت لڑائی کا یہ رنگ تھا کہ تمام سکھ سپاہیوں پر
چڑھے جاتے تھے، اور مجاہدین پہاڑ کی جڑ تک پہنچ گئے تھے، اور سکھوں کی ٹانگیں پکڑ پکڑ
کھینچتے تھے، اور تلواریں مار مار کر مردار کرتے تھے، اور جانبین سے پتھر چلتے تھے، اسی اثناء میں

لہٹیاں

سب لوگوں نے پیچھے پھر کر جو دیکھا تو سید صاحب نظر نہ آئے، مولانا محمد اسماعیل صاحب کو لوگوں نے آخری بار اس حال میں دیکھا کہ بندوق گردن میں عمائل ہے، ہاتھ میں تلوار ہے پیشانی خون آلود ہے، اور آپ اس کو اپنے ہاتھ سے پوچھ رہے ہیں، اس وقت کسی کو کسی کی خبر نہ تھی، مجاہدین کو اس معرکہ میں سخت ابتلا کا سامنا کرنا پڑا، مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید ہو گئے، شجاعت و بہادری، شوق شہادت و دنیا کی حقارت اور امام کی محبت و اطاعت کے ایسے عجیب واقعات اس معرکہ میں پیش آئے، جنہوں نے اسلام کی ابتدائی صدیوں کی یاد تازہ کر دی اور وہ پرانا زمانہ ایک دفعہ پھر لوٹ آیا۔

واقعات و بیانات میدان جنگ کی شہادتیں، قرآن و وجدان سب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کی دعوت و تربیت اور جس کی ترغیب و تحریک سے سیکڑوں ہندوگان خدا کو جو اپنے وطن میں عاقبت و سلامتی کی زندگی گزار رہے تھے، شہادت کی لازوال دولت نصیب ہوئی، وہ اس نعمت عظمیٰ اور سعادت کبریٰ سے ہرگز محروم نہیں رہا، بلکہ جس طرح اس کو ہندوستان میں اس کی دعوت میں اولیت و تقدم حاصل ہوا، اس کے حصول میں بھی اس کو سبقت اور امتیاز حاصل ہوا، اور وہ شہداء اہل بیت میں اپنے ان آباء کرام سے جا ملا جنہوں نے مختلف طریقوں پر شہادت پائی اور ان کا جسد طہر شہادت کے بعد بھی دشمنوں کی گستاخیوں اور جذبہ انتقام سے محفوظ نہیں رہا۔

ایک روایت یہ ہے کہ جنگ کے اختتام پر ایک مسلمان بچہ کی رہنمائی پر سکھوں نے مسلمانوں کو اس کی اجازت دی کہ اپنے مذہب کے مطابق آپ کی تجہیز و تکفین کریں، ایک اور روایت ہے کہ آپ کا سر دھڑ سے علیحدہ ہو گیا تھا، اور دونوں علیحدہ دفن ہیں، بہر حال آپ کی یہ دعا قبول اور یہ تمنا پوری ہوئی کہ میری قبر کا نام و نشان

باقی نہ رہے، نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت سے ایک شخص نے کہا کہ آپ قبر پرستی اور بزرگان دین کے مزارات پر مشرکانہ اعمال اور بدعات سے اس شد و مد کے ساتھ روکتے ہیں، لیکن خود آپ کے ہزاروں مرید اور ہزاروں معتقد ملک میں ہیں، آپ کی وفات کے بعد آپ کے مزار پر وہی ہوگا، جو دوسرے بزرگان دین کے مزارات پر ہو رہا ہے، اور آپ کے قبر کی پرستش بھی اسی طرح ہوگی، جس طرح ان قبروں کی پرستش ان کی وفات کے بعد ہوتی ہے، حضرت نے فرمایا کہ میں درگاہ الہی میں بصد آہ وزاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو نامعلوم کر دے، نہ قبر رہے گی، نہ اس پر شرک و بدعت ہوگی، خدا کی قدرت و رحمت ملاحظہ ہو کہ حضرت کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کی قبر کا آج تک پتہ نہ چلا۔

اسی مشہد بالا کوٹ میں اسی تاریخ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۲۶ھ کو مولانا محمد اسماعیل صاحب نے بھی شہادت پائی، اور دلی مراد کو پہنچے، جس کی خون جگر سے پرورش کی تھی، اور اسی طرح جہد و جہاد کی اس طویل و مسلسل حیات طیبہ کا خاتمہ ہوا، جس میں شاید ایک دن بھی فراغت و راحت اور ایک رات بھی غفلت اور استراحت کی نہ تھی۔

اس معرکہ میں تین سو سے زائد مجاہد جو اپنے اپنے علاقوں کا خلاصہ اور لب لباب کہے جاسکتے ہیں، شہادت سے سرفراز ہوئے اور ان کا ایک ہی جگہ گنج شہیداں بنا۔

جب فتح بالا کوٹ کی خبر لاہور پہنچی تو رنجیت سنگھ خوشی سے باغ باغ ہو گیا، اور اس نے حکم جاری کیا کہ سرکاری طور پر سلامی کی توپیں سرہوں اور امرتسر میں اس واقعہ کی مسرت و شادمانی میں چراغاں کیا جائے، مہاراجہ نے فتح کی اطلاع سے مسرور ہو کر قاصد کو جو یہ خبر لایا تھا، سونے کے گنگن کی ایک جوڑی اور ایک شالی بگڑی انعام میں دی، اس نے اپنے بیٹے

کنور شیرنگھ کو خط لکھا، جس میں اس کے مراسلہ کی رسید دی، اور لکھا کہ جب واپس آئیں گے تو ان کو اس خدمت کے صلہ میں ایک نئی جاگیر عطا کی جائے گی، ایک فرمان فقیر امام الدین حاکم گویند گھر کے نام صادر ہوا کہ وہ اس واقعہ کی مسرت میں اس قلعہ کی ہر بند و ق سے گیارہ فیہر سلامی کے سر کریں۔

شاہی دربار کے انگریزی سفیر نے بھی گورنر جنرل کی طرف سے مہاراجہ کو اس فتح عظیم پر تہنیت پیش کی ہے۔

تاریخ جہاد کا بیابان

رنجیت سنگھ کو اس خوشی و مسرت سے زیادہ لطف اندوز ہونے کا موقع نہ مل سکا بالاکوٹ کے معرکہ کے بعد وہ آٹھ برس زندہ رہا، اور ۱۸۳۹ء میں اس کا انتقال ہوا، اس کی اولاد کے ساتھ مختلف مصائب پیش آئے۔

بعض عین نوجوانی میں مرے، کوئی حادثہ اور ناگہانی مصیبت کا شکار ہوا، اس کا رٹا کا شیرنگھ بھی جو بالاکوٹ کا فاتح تھا، اور ذہانت و وجاہت کے آثار اس کے چہرہ سے ظاہر تھے، جلد ہی ۱۸۴۳ء میں مر گیا، اور اس کے بعد اس کے گھرانہ میں شدید اختلاف اور رسہ کشی کی نوبت آگئی اور خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں، اور بالآخر اس نوزائیدہ مملکت پر ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے قبضہ کر لیا اور یہ سلطنت اس طرح ختم ہوئی کہ اس کا نام و نشان

اے نقل از گورنمنٹ رکارڈ آفس مغربی پاکستان مصدرہ حکومت پاکستان۔

تک مٹ گیا۔

مجاہدین جو اس ہزیمت اید صاحب اور بڑی تعداد میں مجاہدین کی شہادت سے افسردہ و مایوس تھے، کچھ عرصہ کے بعد بیدار ہوئے اور انہوں نے شیخ ولی محمد پھلتی کو جو اید صاحب کے خاص رفقا میں تھے، اپنا امیر مقرر کیا، ان کے بعد مولانا نصیر الدین منگلوی اور ان کے بعد مولانا نصیر الدین دہلوی نے یہ جگہ سنبھالی۔

آخر میں جماعت کی قیادت عالم ربانی اور شیخ کامل مولانا ولایت علی عظیم آبادی کے ہاتھوں میں آئی جو اید صاحب کے اکابر خلفا میں تھے، یہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء کا واقعہ ہے۔ ان کی وفات ۱۲۶۹ھ ۵ نومبر ۱۸۵۲ء میں ہوئی۔

ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی مجاہد حلیل مولانا عنایت علی عظیم آبادی نے جماعت کی قیادت کی، ان کے عہد میں پنجاب اور شمال مغربی صوبہ پر انگریزوں کا تسلط مکمل ہو گیا، اور وہ مجاہدین کی سرگرمیوں اور اعلیٰ مقاصد کے لئے ایک چیلنج بن کر سامنے آئے، یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ انگریزی حکومت اپنی فتوحات، توسیع پسندانہ عزائم اور اپنی زندگی توانائی اور حوصلہ مندی کی وجہ سے نہ صرف برصغیر کے لئے بلکہ پورے مشرق اسلامی کے لئے حقیقی خطرہ ہے، اید صاحب اور آپ کی جماعت کے لوگ اس تاریخی حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے، آپ نے مسلمان رہنماؤں سلاطین اور والیان ریاست کو اپنے مکاتیب میں جو آپ نے ہندوستان، افغانستان اور ترکستان ارسال فرمائے تھے، اس خطرہ سے

لے انگریزوں نے ان کو خانہ قید کر دیا تھا، چنانچہ یہ مدت انہوں نے ابھی بے آب کی طرح گزاری اور مدت پوری کرتے ہی مرکز مجاہدین کا اس طرح رخ کیا جس طرح کوئی چڑیا شام کو اپنے آشیانہ کی طرف پرواز کرتی ہے، ۸ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۸۵۱ء میں وہ وہاں پہنچے۔

پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا، آپ نے امیر کامران بن شاہ محمود درانی حاکم ہرات کو لکھا تھا کہ ان کا حقیقی مقصد ہندوستان میں جہاد کا اجرا ہے جس کو انگریزوں نے غصب کر لیا ہے اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل و خوار کر دیا ہے۔

قدرتی بات تھی کہ اب مجاہدین انگریزوں کے مقابلہ پر آجائیں، اس کے آثار مولانا ولایت علی عظیم آبادی کے زمانہ ہی میں ظاہر ہو گئے تھے، جو سید صاحب کے حقیقی مقاصد و محرکات سے سب سے زیادہ واقف اور محرم راز بھی تھے، ان کے بھائی مولانا عنایت علی کے زمانہ میں یہ بات پورے طور پر ظاہر ہو گئی، اور ان کے خلفاء امیر عبدالشہر اور امیر عبدالکریم (جو مولانا ولایت علی کے صاحبزادے تھے) کے زمانہ تک جاری رہی، یہ پوری تاریخ مہم جوئی اور قربانیوں اور ایسے حوادث و مصائب اور ایذا رسانی و بربریت کی داستان ہے جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں، یہ مسلسل جنگوں اور معرکہ آرائیوں کا سلسلہ تھا، جو قتل و غارت گری، املاک و جائیداد کی ضبطی، طویل مقدمات، جلا وطنی اور اخراج، اور ایسی تحقیق و تفتیش پر مشتمل تھا، جو قرون وسطیٰ میں یورپ کی عدالتوں کے ساتھ مخصوص تھا، اگر جان نثاری ایتیار و قربانی اور بہمت و جوانمردی کے وہ سارے کارنامے جو اس ملک کے جہاد حریت اور قومی آزادی کی تاریخ سے متعلق ہیں، ایک پلرہ پر رکھے جائیں اور اہل صادق پور (خاندان مولانا ولایت علی عظیم آبادی) کے کارنامے اور قربانیاں ایک پلرہ میں تو آخر الذکر کا پلرہ نمایاں طور پر بھاری ہو گا۔

جہاد تنظیم جماعت مالی امداد، اور مجاہدین کے مرکز ستھانہ تک رضا کاروں کو پہنچانے کے لئے ایک جال بچھا دیا گیا تھا، اور اس مقصد کے لئے بہار اور بنگال میں

اے تفصیل کے لئے دیکھئے "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" از مولانا مسعود عالم ندوی اور سید احمد شہید
از غلام رسول مہر۔

کئی خفیہ مرکز تھے، جو ایک خفیہ زبان میں مراسلت کرتے تھے، لاکھوں کی تعداد میں وفادار رضا کار تھے، جو امیر کے ایک اشارہ پر چلنے کے لئے تیار تھے، اور انگریزی حکومت دھکی اور لاپچ کے ذریعہ بھی ان کو اس سے باز رکھنے سے قاصر تھی۔

اس تحریک نے بنگال میں شجاعت و بہادری، اسلامی جوش، دینی حمیت، زندگی کی بے وقعتی، روح پہ گری، راہ خدا میں شہادت کا شوق، اسلامی اتحاد کا جذبہ، اور اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت پر اپنی مصلحت کو قربان کر دینے کا حوصلہ اور اصولوں پر ثابت قدم رہنے کی طاقت پیدا کر دی تھی، اور اس پر سکون اور امن پسند قوم کو جو شہسواری، پہ گری اور جہاد و قتال کے میدان سے بہت دور تھی، ایک جنگجو اور بہادر قوم بنا دیا، اور بعض انگریز جنرلوں کو نہ صرف یہ اعتراف کرنا پڑا کہ بنگالی مجاہد شجاعت و بہادری میں افغان سے کسی طرح کم نہ تھا، بلکہ قوت برداشت اور ضرب کاری میں بعض وقت ان سے آگے تھا، خفیہ پولیس سی، آئی، ڈی، اپنی مسلسل دھکیوں اور دہشت انگیزی کے باوجود ان بنگالیوں اور ان کی نازک اور دشوار مہم میں حائل نہ ہو سکی۔

عقیدہ کی پختگی اور دینی دعوت و تربیت کے اثر سے شیطان ان کے اندر جاہلی حمیت اور لسانی تہذیب یا نسلی و قومی تعصب پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا، وہ صرف اسلام پر فخر کرتے تھے، اور اس کی خدمت، اور اشاعت و تبلیغ، اعمال صالحہ اور اخلاق عالیہ کو اصل معیار سمجھتے تھے۔

لے اس کی حیرت انگیز تفصیلات W. W. HUNTER کی کتاب "INDIAN

MUSALAMANS" میں دیکھیے۔

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں ہندوستانی مسلمان از ڈبلو ڈبلو ہنٹر۔

اس کا اندازہ ہم اس سے کر سکتے ہیں کہ ان کی سرکوبی کے لئے انگریزی حکومت کو جو جنگی چھاپے بھیجنے پڑے ان کی تعداد بیش سے کم نہ تھی اور اس میں ساٹھ ہزار تربیت یافتہ فوجی شامل تھے۔

ڈاکٹر سمنڈانے اس کا اعتراف کیا ہے کہ پنجاب کی چھاؤنیاں بعض دنوں میں انگریزی فوجوں سے بالکل خالی ہو جاتی تھیں، اس لئے کہ یہ فوجیں مجاہدین سے جنگ میں مشغول تھیں، کئی معرکوں میں انگریزی افواج کو پسپائی پر مجبور ہونا پڑا، یہاں تک کہ حکومت پنجاب نے عاجز آ کر ۱۸۶۳ء کے آخری ایام میں اپنی ساری فوجیں واپس بلا لیں اور بعد میں اس چیلنج اور خطرہ کا مقابلہ اپنی قدیم و معروف سیاست سے کیا، اس نے قبائل کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کیا، مجاہدین کو مقامی انصار و اعموان سے علیحدہ کر دیا اور اس طرح ان جنگوں کا ۱۸۶۵ء میں خاتمہ ہوا۔

اس کے بعد باغیوں پر عدالتوں میں مقدمات چلائے گئے، جس کا سلسلہ ایک طویل مدت تک جاری رہا، اس تحریک جہاد کے کئی رہنماؤں پر بھی مقدمے چلے جن میں مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی، مولانا احمد اشرف عظیم آبادی، مولوی محمد جعفر تھانیسری، مولانا عبد الرحیم صادق پوری خاص طور پر اہم اور قابل ذکر ہیں، ان لوگوں کو پھانسی کی سزا دی گئی، پھر ان کو جزائر انڈمان (پورٹ بلیر) میں عمر قید کی سزا میں تبدیل کر دیا گیا، مولانا یحییٰ علی اور مولانا احمد اشرف کا جزیرہ ہی میں انتقال ہو گیا، مولوی محمد جعفر اور ان کے رفقاء اٹھارہ سال کی جلاوطنی کے بعد وطن واپس آئے، یہ ایک دلہن اور المناک داستان ہے، جو مولوی محمد جعفر تھانیسری نے خود اپنے قلم سے "کالا پانی" یا تاریخ عجیب میں تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔ اس جہاد سلسلے اور قربانی و عزیمت کی تاریخ ایک مستقل دفتر اور ضخیم کتاب کی

محتاج ہے یہاں اس تاریخ عجیب کی صرف ایک فصل آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔

پھانسی سے کالے پانی تک

ماہ مئی ۱۸۶۴ء (۱۲۸۰ھ) کا دوسرا دن تھا انگریز جج ایڈورڈس انبالہ عدالت کی کرسی پر بیٹھا تھا، اور اس کے پہلو میں اس کی مدد و اعانت کے لئے چار ایسیر تھے، جو شہر کے سربراہ آوردہ و ذمہ دار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کا کام یہ تھا کہ اس ایسیر میں اپنی رائے دیں، ان لوگوں کے سامنے گیارہ آدمی کھڑے ہوئے تھے، جن کے چہرہ بشرہ سے نظر آ رہا تھا کہ وہ شریف و بے گناہ ہیں، لیکن اس وقت ان کا شمار صفت اول کے مجرموں میں تھا، ان پر یہ الزام تھا کہ انھوں نے انگریزی حکومت کے خلاف سازش تیار کی اور وہ سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کے خلفاء و انصار کی امداد پر پیسہ اور رضا کاروں کی صورت میں کرتے رہتے تھے، جو وہ اندرون ملک سے سرحدی علاقہ تک خفیہ طریقہ سے بھیجتے تھے، انھوں نے اپنی مراسلت اور خط و کتابت کے لئے ایک خفیہ زبان بھی تیار کر لی تھی، اور انگریزی رعایا سے رقمیں وصول کر کے باغیوں کے مرکز تک بھیجتے تھے، اس کی خبر حکومت کو ایک مسلمان فوجی کے ذریعہ لگی جو انگریزوں کے لشکر میں تھا، چنانچہ پٹنہ، تھانہ بیسرا اور لاہور میں ان سب کی گرفتاری عمل میں آئی اور آج کے دن ان کی سزا کا فیصلہ سنایا جانے والا تھا۔ تم نے اپنی ذہانت اور علم کو حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے استعمال کیا ہے، مجاہدین کے مرکز پر مالی امداد اور رضا کار پہنچانے میں تم درمیانی کڑی تھے، لیکن اس جرم کے باوجود

تم برابر اپنے موقف پر اڑے رہے تم نے یہ بات ثابت کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی کہ تم حکومت کے خیر خواہ اور وفادار ہو اس لئے میں تمہارے لئے.... پھانسی کا فیصلہ کرتا ہوں تمہاری ساری جائیداد اور املاک بھی بحق سرکار ضبط کی جاتی ہے، پھانسی کے بعد تمہاری لعش تمہارے ورثہ کے حوالہ نہ کی جائے گی بلکہ بد نصیبوں کے قبرستان میں پوری ذلت کے ساتھ دفن کر دی جائے گی، اور میں تمہیں پھانسی کے تختہ پر لٹکتے ہوئے دیکھ کر بید خوش ہوں گا۔

نوجوان محمد جعفر نے سکون و وقار کے ساتھ یہ فیصلہ سنا اور اس کے اندر کسی قسم کا کوئی تغیر و اضطراب ظاہر نہیں ہوا، جب حج فیصلہ سنا چکا تو محمد جعفر نے کہا:

تمام انسانوں کی جانیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہی مارتا ہے، اور وہی زندگی بخشتا ہے، تمہارے ہاتھ میں نہ زندگی ہے، نہ موت، ہم میں سے کون موت کا مزہ پہلے چکھے گا، یہ کوئی بتا سکتا ہے۔

حج یہ سن کر غصہ سے بے قابو ہو گیا، لیکن اس نے اپنے ترکش کا وہ آخری تیر بھی چلا دیا جس کے بعد اس کے پاس کوئی تیر نہ تھا۔

محمد جعفر نے سزا کا حکم سنا تو ان کا چہرہ فرما مسرت سے دکنے لگا، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے جنت اور اس کے حور و قصور ان کی نظر کے سامنے ہوں، انھوں نے یہ شعر پڑھا

للشراحمد کہ آں چیز کہ خاطر می خواست

آخر آمد ز پس پر وہ تقدیر پدید

لوگ یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ ہی تھے کہ ایک انگریزا فسر (پارس) آگے بڑھا اور محمد جعفر سے قریب ہو کر کہا کہ میں نے آج تک ایسا منظر نہیں دیکھا، تم کو پھانسی کا حکم سنایا گیا ہے، اور تم ایسے خوش اور مطمئن ہو، محمد جعفر نے جواب دیا میں کیوں خوش نہ ہوں اللہ تعالیٰ

مجھے شہادتِ تصیب گر رہا ہے، تم بیچاروں کو اس کا مزہ کیا معلوم ہے؟
 حج نے دوسرے دو ملزموں کو بھی پھانسی کا فیصلہ سنایا ان میں ایک سن رسیدہ شخص
 تھے جن کے پہرہ سے صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت کے آثار ظاہر تھے انھوں نے حکمِ مرت
 اور شکر کے ساتھ سنایہ صاحب مولانا یحییٰ علی صادق پوری تھے جو امیرِ جماعت بھی تھے دوسرے
 ایک جوان تھے جو امرار اور بڑے تاجروں کے طبقہ سے معلوم ہو رہے تھے، اصلاً یہ پنجاب کے
 رہنے والے تھے ان کا نام حاجی محمد شفیع تھا، دوسرے آٹھ آدمیوں کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔
 تماشائیوں اور اہل شہر نے بہت رنج و غم کے ساتھ یہ فیصلہ سنا، آنکھیں انکبار
 ہو گئیں، جیل کے راستہ کے دونوں کناروں پر مرد و عورت جمع تھے اور ان مظلوموں کو حسرت
 کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

جب وہ جیل پہنچے تو ان کے عام کپڑے اتار دیئے گئے اور مجرموں کی خاص
 پوشاک ان کو پہنا دی گئی، بہترین میں سے ایک شخص کو ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں ڈال دیا گیا
 جس میں نہ ہوا کا گزر تھا، نہ روشنی کا، رات انھوں نے بڑی سخت گرمی میں گزاری، صبح ان کو
 تار ملا جس میں ان کو میدان میں رات گزارنے کی اجازت دی گئی تھی۔ دن میں وہ دوبارہ
 تنگ و تاریک کوٹھریوں میں ڈال دئے گئے یہ کوٹھریاں ایسی تھیں، جس میں ایک ہفتہ بھی کسی
 انسان کا رہنا مشکل تھا، ان کا دروازہ کھول کر ایک فوجی پہرہ پر مقرر کر دیا گیا، یہ فوجی
 زیادہ تر غیر مسلم ہوتے تھے۔

مولانا یحییٰ علی صاحب اسوہ یوسفی پر عمل کرتے ہوئے پہرہ دار سے مخاطب ہو کر کہتے۔

أَرَبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرًا أَمْ أَحَدٌ
 الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ (سورہ یوسف ۳۹) تہار۔

اکثر ایسا ہوتا کہ وہ یہ سن کر رو دیتا اور اس کو ان سے ایسا اُنس ہو جاتا کہ اگر اس کی
ڈیوٹی کسی اور جگہ لگائی جاتی تو اس کو سخت رنج ہوتا۔

اس طرح مولانا یحییٰ علی صاحب نے بہت سے قیدیوں کے دلوں میں توحید اور
ایمان کا بیج بو دیا، بہت سے قیدی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، اور بہت سے لوگوں
نے توبہ کی، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کوئی موقع ضائع نہ کرتے تھے، اور جیل کے
ساتھیوں کو ایمان کی دعوت برابر دیتے رہتے تھے۔

جیل کے جلادان کے سامنے پھانسی کا تختہ اور پھندہ تیار کرتے تھے، اور یہ لوگ
نہایت اطمینان سے بلا کسی ادنیٰ خوف یا رنج کے اس نظارہ کو دیکھتے۔

مولانا یحییٰ علی ان قیدیوں میں سب سے زیادہ خوش نظر آتے تھے، ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ وہ جنت سے پہلے جنت میں پہنچ گئے ہیں، اور وہاں کے آرام و راحت سے پہلے
اس کا مزہ لوٹ رہے ہیں، وہ بڑے ذوق و شوق سے وہ اشعار پڑھتے جو حضرت حبیب
رضی اللہ عنہ نے تختہ دار پر پڑھے تھے۔

ولست ابالی حین اقتل مسلماً علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی

وذلك في ذات كلاله وان يشاء يبارك على اوصال شلوه مزع

(اگر میں اس حالت میں قتل کیا جاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو مجھے اس کی پروا نہیں کہ کس

پہلو پر مجھے قتل کیا گیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہے، وہ اگر چاہے تو جسم کے کٹے ہوئے اور

بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو بھی زندگی اور برکت عطا کر سکتا ہے)

یہی حال ان کے رفقاء کا تھا، کھلے ہوئے چہرے اور راضی و مسرور دل، نماز

میں خشوع و انابت، عبادت میں ذوق و شوق ذکر و تسبیح، تلاوت قرآن اور درودِ محبت میں

ڈوبے ہوئے مناسب حال اشعار!

وہ انگریز جج جس نے ان تینوں کو پھانسی کا حکم سنایا تھا، اچانک اپنا فیصلہ سنانے کے بعد مریا گیا، انگریز افسر پارسن "جس نے مولوی محمد جعفر کو گرفتار کیا تھا، اور ایک روز ان کو آٹھ بجے صبح سے آٹھ بجے رات تک مارتا رہا تھا، پاگل ہو گیا، اور اسی پاگل پن اور جنون کی حالت میں بہت بڑی طرح اس کی موت واقع ہوئی، اور وہی ہوا جس سے مولوی محمد جعفر تھا نیسری نے پہلے ہی آگاہ کیا تھا، صحیح حدیث میں ہے کہ بعض گرد آلود پریشان حال آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ خدا کی رحمت پر ناز کرتے ہوئے قسم کھا لیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی لاج رکھتا ہے۔"

جیل میں بہت سے انگریز اور ان کی خواتین بھی آیا کرتی تھیں جو ان قیدیوں کا تماشا دیکھتیں اور ان کی پریشانی دیکھ کر خوش ہوتیں لیکن انگریز ان قیدیوں کے سرور و نشاط کو دیکھ کر سخت حیرت میں پڑتے اور ان سے پوچھتے کہ تم موت کے دروازے پر ہو اور کچھ دن میں تم کو پھانسی ہونے والی ہے، تم کو اس کا رنج نہیں ہوتا وہ جواب دیتے کہ یہ شہادت کی وجہ سے ہے جس کے برابر کوئی نعمت اور سعادت نہیں؟ یہ لوگ انگریز حکام کے پاس جا کر یہ ماجرا بیان کرتے اس سے ان کے اندر اوجھڑ پیدا ہوتا لیکن ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ وہ ان کے ساتھ کیا کریں، اگر وہ ان کو چھوڑ دیتے ہیں، تو اپنے ان دشمنوں کو چھوڑتے ہیں، جو حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے، اور پھر یہی کام کریں گے اور اگر پھانسی دیتے ہیں، تو اس طرح وہ ان کی منہ مانگی مراد دیتے ہیں۔ اور ان کی خوشامی و مسرت کا مان کرتے ہیں۔

انگریزوں پر یہ بات بہت شاق گزری تھی، وہ نہ اس بات سے راضی تھے نہ اس

وہ اس مسئلہ پر برابر غور کرتے رہے۔ انگریز ایک قانونی اور ذہین قوم ہیں، آخر کار انہوں نے ایک بیج کا طریقہ دریافت کر لیا۔ ایک دن ابنالہ کا حاکم ضلع (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) جیل میں آیا اور اس نے ان تینوں کو یہ حکم سنایا کہ۔

اے باغیو! چونکہ تم پھانسی کے خواہشمند ہو اور اس کو راہ خدا میں شہادت سمجھتے ہو، اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنی دلی مراد کو پونچو اور خوشی سے ہلکا رہو اس لئے ہم پھانسی کا حکم تبدیل کر کے تم کو جزائر انڈمان میں عمر قید کی سزا دیتے ہیں۔ اب ان لوگوں کی داڑھی اور سر کے بال تراش دئے گئے، مولانا یحییٰ علی اکثر اپنی ترشی ہوئی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہتے۔

و فی سبیل اللہ مالقیث۔ جو کچھ تیرے ساتھ کیا گیا سب اللہ کے راستہ میں ہے۔

اللہ کا کرنا کہ معاملہ اس کے برعکس ہوا، اور ایک انگریز کو اس پھانسی کے تختہ پر لٹکایا گیا، جو ان مجاہدین کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

قیدیوں کو قید بامشقت کی سزا دی گئی، چنانچہ مولانا یحییٰ علی کو کنویں سے رہٹ کھینچنے کا حکم ملا یہ اتنا بڑا رہٹ تھا کہ مضبوط سے مضبوط جو ان بھی اس کو آسانی کے ساتھ نہ کھینچ سکے، مولانا سن رسیدہ تھے، عبادت و ریاضت اور جیل کی مشقت نے رہی سہی قوت بھی زائل کر دی تھی، دن بید گرم تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ پیشاب میں خون آنے لگا، لیکن وہ صبر و احتساب کے ساتھ اس کام میں لگے رہے، اور حرف شکایت زبان سے

نہ لائے پھر کوئی آسان کام ان کے حوالہ کیا گیا جس کو وہ پوری دیانت داری اور خیر خواہی کے ساتھ انجام دیتے اور اپنے جیل کے رفقا سے کہتے کہ جب تم کو یہاں کھانا کی پٹرالتا ہے تو تم اپنی ڈیوٹی فرض شناسی اور خیر خواہی سے کیوں نہیں انجام دیتے۔

مولانا اسی طرح جیل میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہے اور وعظ و نصیحت کرتے رہے، یہاں تک کہ بہت سے مجرم ان کے ہاتھ پر تائب ہوئے۔ بعد میں مولانا انبارہ سے لاہور منتقل کر دیئے گئے اور نئے جیل میں ایک سال تک رہنا پڑا، یہاں ان کا واسطہ بہت سے چور ڈاکو اور فساق و فجار سے پڑا انھوں نے ان کو وعظ و نصیحت شروع کی وہ ان کے سامنے معصیت اور فسق و فجور کی مذمت اور دین داری، تقویٰ، پاکیزگی کے فضائل بیان کرتے، اطاعت، توبہ، اتابیت اور اصلاح حال پر ان کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتے اور توحید، نماز اور روزہ کے اہتمام کی دعوت دیتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے ان کی کوشش سے بہت سے چور اور ڈاکو تائب ہوئے اور ان کی زندگی میں انقلاب آگیا، اور وہ خدا کے سچے اور مخلص بندے بن گئے۔

ان لوگوں میں ایک شخص بلوچستان کا رہنے والا تھا، اور بڑا ظالم و جابر اور بے رحم شخص تھا، اس نے کئی بار جیل کے عملہ کے لوگوں کو مارا پیٹا، وہ اپنی ڈیوٹی بھی انجام نہ دیتا تھا، اور غنڈہ گردی کرتا رہتا تھا، اس کو کئی بار سزا بھی ہوئی، لیکن وہ باز نہ آیا آخر کار جیل اس سے بائوس ہو گئے اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا، ایک مرتبہ اس کو مولانا کے قریب رات گزارنے کا موقع ملا اور مولانا کی گفتگو سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس کی زندگی یکسر تبدیل ہو گئی، وہ اپنی ڈیوٹی بھی خوش اسلوبی اور امانت داری سے انجام دینے لگا، اس کی بیڑیاں اور زنجیریں بھی کھول دی گئیں وہ پانچوں نمازوں کا پابند ہو گیا، خدا کے خوف سے

اس کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں، جو دیکھتا اس کو خدا کا ولی سمجھتا۔

مولانا اور ان کے رفقاء اسی طرح ایک جیل سے دوسرے جیل میں منتقل کئے جاتے رہے، یہاں تک کہ دسمبر ۱۸۶۵ء میں وہ جزائر انڈمان کے پورٹ بلیر پہنچ گئے وہاں دو سال کے بعد (جو انھوں نے عبادت اور دعوت میں گزارے تھے) مولانا یحییٰ علی اپنے مالک سے جا ملے یہ واقعہ ۳ فروری ۱۸۶۸ء ۱۲۸۲ھ میں پیش آیا۔

۱۸ جنوری ۱۸۸۳ء میں مولوی محمد جعفر تھانویسی کی رہائی اور معافی کا حکم آگیا اور وہ اٹھارہ سال قید بامشقت کے بعد رہا ہو گئے۔

شہداء بالاکوٹ کا مقام اور پیغام

بالاکوٹ کے محرکہ میں وہ پاک نفوس شہید ہوئے جو عالم انسانیت کے لئے رونق و زندگی اور مسلمانوں کے لئے شرف و عزت اور خیر و برکت کا باعث تھے مردانگی و جوانمردی، پاکیزگی و پاکبازی، تقدس و تقویٰ، اتباع سنت و شریعت اور دینی حمیت و شجاعت کا وہ عطر جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے کھینچا گیا تھا، اور انسانیت اور اسلام کے باغ کا جیسا "عطر مجموعہ" صدیوں سے تیار نہیں ہوا تھا، اور جو ساری دنیا کو معطر کرنے کے لئے کافی تھا، ۲۲ رذوالقعدہ ۱۲۲۶ھ کو بالاکوٹ کی مٹی میں مل کر رہ گیا، مسلمانوں کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ گئی، حکومت شرعی ایک عرصہ کے لئے خواب بے تعبیر ہو گئی،

لے ماخذ از سیرت سید احمد شہید جلد ثانی۔

بالاکوٹ کی زمین اس پاک خون سے لالہ زار اور اس گنج شہیداں سے گلزار بنی جس کے اخلاص و شہیت، جس کی بلند ہمتی و استقامت، جس کی جرات و ہمت اور جس کے جذبہ جہاد و شوق شہادت کی نظیر پچھلی صدیوں میں ملنی مشکل ہے، بالاکوٹ کی سنگلاخ و ناہموار زمین پر چلنے والے بے خبر مسافر کو کیا خبر کہ یہ سرزمین کن عشاق کا دفن اور اسلامیت کی کس متاع گرانمایہ کا مخزن ہے، یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے

قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندہ کے ہاتھ پر اپنے مالک سے اس کی رضا اس کے نام کی بلندی اور اس کے دین کی فتح مندی کے لئے آخری سالس تک کوشش کرنے اور اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کا عہد کیا تھا، جب تک ان کے دم میں دم رہا اسی راہ میں سرگرم رہے، بالآخر اپنے خون شہادت سے اس پیمان و وفا پر آخری مہر لگا دی، یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ۲۴ رذوالقعدہ کا دن گزر کر جو رات آئی وہ پہلی رات تھی جس رات کو وہ سبک دوش و سبک سر ہو کر مٹی میں نیند سوئے۔

وہ خلعت شہادت پہن کر جس کریم کی بارگاہ میں پہنچے وہاں نہ مقاصد کی کامیابی کا سوال ہے نہ کوششوں کے نتائج کا مطالبہ، نہ شکست و نا کامی پر غتاب ہے نہ کسی سلطنت کے عدم قیام پر محاسبہ، وہاں صرف دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں، صدق و اخلاص اور اپنی مساعی اور وسائل کا پورا استعمال، اس لحاظ سے شہداء بالاکوٹ اس دنیا میں سرخرو ہیں، اور انشائاً اللہ دربار الہی میں بھی باآبرو گرانہوں نے اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کی رضا کے لئے اپنی مساعی اور وسائل کے استعمال میں ذرہ برابر کمی نہیں کی، ان کا وہ خون شہادت جو ہماری مادی نگاہوں کے سامنے بالاکوٹ کی مٹی میں جذب ہو گیا، اور اس کے جو چھینٹے پھرو

پر باقی تھے، ۲۶ زوالِ قعدہ کی بارش نے ان کو بھی دھو دیا، وہ خون جس کے نتیجے میں کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی کسی قوم کا مادی و سیاسی عروج نہیں ہوا، اور کوئی نخل آرزو اس سے سرسبز ہو کر بار آور نہیں ہوا، اس خون کے چند قطرے اللہ کی میزان عدل میں پوری سلطنتوں سے زیادہ وزنی ہیں، بہ فقیران بے نوا جنہوں نے عالم مسافرت میں بے کسی کے ساتھ جان دی اور جن کی اب دنیا میں کوئی مادی یادگار نہیں یہ اللہ کے یہاں ان بانیانِ سلطنت اور موصیٰ حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی اور معزز ہیں، جن کی تصویر قرآن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے: "وَإِذَا رَأَوْا بُتَحْمَلًا لَّجِبًا قَالُوا يَوْمَئِذٍ يَلْمُؤُنَا وَنَحْنُ لَا نَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خَشَبٌ مُّسْتَدَآءٌ" (منافقون ۴)

بے شک شہدار بالاکوٹ کے خون نے دنیا کے سیاسی و جغرافیائی نقشے میں کوئی فوری تغیر نہیں پیدا کیا، خون شہادت کی ایک مختصر سی سرخ لکیر ابھری تھی، اس کی جگہ نہ جغرافیہ نویس کے طبعی نقشے میں تھی نہ مورخ کے سیاسی مرقع میں، لیکن کسے خبر کہ یہ خون شہادت دفترِ قضا و قدر میں کس اہمیت و اثر کا مستحق سمجھا گیا، اس نے مسلمانوں کے نوشتہ تقدیر کے کتنے دھبے دھوئے، اس نے اللہ تعالیٰ کے یہاں جس کے یہاں محو و اثبات کا عمل جاری رہتا ہے، "يَجْمَعُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُنْشِئُ مِمَّا يَشَاءُ" (۳۰) (کون سے نئے فیصلے کروائے، اس نے کسی مستحکم سلطنت کے لئے خاتمہ و زوال، اور کسی پسماندہ قوم کے لئے عروج و اقبال کا فیصلہ کروایا، اس سے کس قوم کا بخت بیدار ہوا، اور کس سرزمین کی قسمت جاگی اس نے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنا دیا اور کتنی بعید از قیاس چیزوں کو واقعہ اور مشاہدہ بتا کے دکھا دیا۔

یوں تو شہدار بالاکوٹ میں سے ہر فرد کا پیغام یہ ہے کہ "يَا أَيُّهَا قَوْمِي يَعْلَمُونَ"

بِمَا عَصَىٰ رَبِّيٰ وَجَعَلَنِي مِنَ الْمَكْرُمِينَ ﴿۳۶﴾ مگر گوش شنوا اور دیدہ بینا کے لئے ان کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ ہم ایک ایسے خطہ زمین کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے رہے، جہاں ہم اللہ کے نسا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، جہاں ہم دنیا کو اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کا نمونہ دکھا کر اسلام کی طرف مائل اور اس کی صداقت و عظمت کا قائل کر سکیں، جہاں نفس و شیطان، حاکم و سلطان اور رسم و رواج کے بجائے خالص اللہ کی حکومت و اطاعت ہو، وَيَكُونُ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ (الانفال ۳۹) جہاں طاعت و عبادت اور صلاح و تقویٰ کے لئے اللہ کی زمین وسیع اور فضا سازگار ہو، اور فسق و فجور و معصیت کے لئے زمین تنگ اور فضا ناسازگار ہو، جہاں ہم کو صدیاں گزر جانے کے بعد پھر الَّذِينَ اِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاَتَوْا الزَّكَاةَ وَاَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ کی تفسیر اور تصویر پیش کرنے کا موقع مل سکے، تقدیر الہی نے ہمارے لئے اس سعادت و مسرت اور اس آرزو کی تکمیل کے مقابلے میں میدان جنگ کی شہادت اور اپنے قرب و رضا کی دولت کو ترجیح دی، ہم اپنے رب کے اس فیصلہ پر رضامند و خورسند ہیں، اب اگر اللہ نے تم کو دنیا کے کسی حصہ میں کوئی ایسا خطہ زمین عطا فرمایا، جہاں تم اللہ کے نسا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکو، اور اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرہ کے قائم کرنے میں کوئی مجبوری محسوس نہ ہو، کوئی بیرونی طاقت حائل نہ ہو، پھر بھی تم اس سے گریز کرو اور ان شرائط و اوصاف کا ثبوت

سے ترجمہ۔ وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں، تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بطلے کام کا اور منہ کریں برائی سے (ا.ج. ۳۱)

نہ دو، جو مہاجرین و مظلومین کے اقتدار اور سلطنت کا تمغہ امتیاز ہیں، تو تم ایسے کفرانِ نعمت اور ایک ایسی بد عہدی کے مرتکب ہو گئے جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے، ہم نے جس زمین کے چپے چپے کے لئے جدوجہد کی اور اس کو اپنے خون سے رنگین کر دیا، اکوڑے اور شیدو کے میدان اور نورو اور ایار کی رزم گاہ سے لیکر لاکوٹ کی شہادت گاہ تک ہمارے خون شہادت کی مہر سے اوڑھے شہیدوں کی قبریں ہیں، تم کو خدا نے اس زمین کے وسیع رقبہ اور سرسبز و شاداب خطے سپرد فرمائے، اور بعض اوقات قلم کی ایک جنبش اور برائے نام کوشش نے تم کو عظیم سلطنتوں کا مالک بنا دیا، ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۗ اب اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور تم نے آزادی کی اس نعمت اور خداداد سلطنت کی اس دولت کو جاہ و اقتدار کے حصول اور حقیر و فانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا، تم نے اپنے نفوس اور اپنے متعلقین ملک کے شہریوں اور باشندوں پر خدا کی حکومت اور اسلام کا قانون جاری نہ کیا، اور تمہارے ملک اور تمہاری سلطنتیں اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنے قانون و سیاست اور تمہارے حاکم اپنے اخلاق و سیرت اور اپنی تعلیم و تربیت میں غیر اسلامی سلطنتوں اور غیر مسلم حاکموں سے کوئی امتیاز نہیں رکھے، تو تم آج دنیا کی ان قوموں کے سامنے جن سے تم نے مسلمانوں کے لئے الگ خطہ زمین کا مطالبہ کیا

لَهُ أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ، الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ ۗ وَكَوَلَدَ فَخَّ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهْدِيَّتٍ صَوَامِعٍ وَبَيْعٍ وَصُلُوتٍ وَمَسَاجِدًا كُوفُوا بِهَا ثُمَّ اللَّهُ كَثِيرًا وَكَلْبُورًا، اللَّهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ لَاقِي ۗ (الحج، ۳۹، ۴۰)

اللہ پر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں جانشین کیا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (یونس - ۱۴)

اور کل خدا کی عدالت میں جہاں اس امانت کا ذرہ ذرہ حساب دینا پڑے گا، کیا جواب دو گے؟
 خدا نے تم کو ایک ایسا ناورد دریں موقعہ عطا فرمایا ہے جس کے انتظار میں چرخ کہن نے سیکڑوں
 کروٹیں بدلیں، اور تاریخ اسلام نے ہزاروں صفحے الٹے، جس کی حسرت و آرزو میں خدا کے لاکھوں
 پاک نفس اور عالی ہمت بندے دنیا سے چلے گئے، اس موقعہ کو اگر تم نے ضائع کر دیا، تو اس سے
 بڑا تاریخی سانحہ اور اس سے بڑھ کر جو صلہ شکن اور یا اس انگیز واقعہ نہ ہو گا، بالاکوٹ کے ان
 شہیدوں کا جو ایک دور افتادہ بستی کے ایک گوشہ میں آسودہ خاک ہیں، ان سب لوگوں کے لئے
 جو اقتدار و اختیار کی نعمت سے سرفراز اور ایک آزاد اسلامی ملک کے باشندے ہیں، پیغام
 ہے: **فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تَفْسِدُوا فِى الْاَرْضِ وَ تَقَطَّعُوا اَرْحَامَكُمْ**



لے کیا یہ احتمال بھی ہے کہ اگر تمہاری حکومت ہو تو تم زمین میں فساد کرو اور قطع رحمی سے کام لو (مجموعہ ۲۱)

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی چند اہم شاہکار تصنیفات

تاریخ دعوت و غزیت مکمل	نبی رحمت مکل
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش	پرانے سپر اٹ
انسانی دنیا پر مسلمانوں کی عروج و زوال کا اثر	نقوش اقبال
منصب نعت اور اس کے عالی مقام جلیں	ارکان اربعہ
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک	کاروان مدینت
جب ایمان کی بہار آئی	قادیا نیت
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب	ذکر خمیر
عشر کراہیات و مآذیت	تعمیر انسانیت
نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں	صحت باہل دل
عصر حاضر میں مین کی تفہیم و تشریح	حدیث پاکستان
مغرب کے کچھ صاف صاف باتیں	پانچا سٹراٹج زندگی
ترکیہ و احسان یا تصوف و سلوک	اصلاحیات

ناشر۔ نعل ربی ندوی — فون۔ ۶۱۱۸۱۷
مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد سیشن۔ ا۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد کراچی